ISSN-NO.
Online : 2618-1142
Print : 2618-1134

ششماہی

العلم

(جولائی۔دسمبر 2019) جلد نمبر:3 شمارہ:2

علوم اسلامیہ کا سہ زبانی تحقیقی مجلّہ

ادارہ عربی وعلوم اسلامیہ
گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ۔ پاکستان

العلم

ادارہ عربی وعلوم اسلامیہ
گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ۔ پاکستان

جلد ۳ | شمارہ ۲ | جولائی۔دسمبر ۲۰۱۹ء

ISSN-NO.
Online : 2618-1142
Print : 2618-1134

Bi- Annual

AL-ILM

(July- December 2019) Vol:3 Issue:2

Multilingual Research Journal for Islamic Studies

Institute of Arabic & Islamic Studies
Govt. College Women University,Sialkot- Pakistan

AL-ILM Journal

ISSN-NO Online : 2618-1142
ISSN-NO Print: 2618-1134

Volume 4 – Issue 1 – 2020

00	**Advisory & Editorial Boards**	
01	Tafseer e Quran Aur Dalaalat e Siyaaq	Dr. Noreen Butt
02	Naboowat o Risaalat Say Mutaelik "Tibyaan Alfurqaan" Kay Kalaami Mubaahas Ka Jaaiza	Hafiz Shokat & Saeed Ahmad Saeedi
03	Tareekh Alkabeer" Ka Taaruf Aur Is Mai Imam Buhari Ka Manhaj o Asloob	Rizwan Ali & Zahoor ullah Alazhari
04	Seerat ul Nabi (Saw) Kalaam e Iqbal Kay Aaenay Mai	Shagufta Firdous & Yasmeen
05	Euthanasia Ki Akhlaaqi Hesiiyat: Tajaziyati Motaaleh	Maryam Saleem & Sumaira Rabia
06	Sharaah Al Shaatbiyaa Limulaa Ali Qari : Taarufi, Tajaziyati o Taqabali Motaaleh	Hafiz Hassan & Humayun Abbas
07	Moeaasharti Msaalehat Mai Hail Rakawaten Aur In Ka Tadaruk Seerat Tayeebah Ki Roshani Mai	Hafiz Muhammad Shafique & Muhammad Arshad
08	Bain Al Msaalik Hm Aahangi Kay Asool wa Hasool e Eitehaad Kay Lie Tajaaweez	Allouddin Sarang & Tahira Firdous
09	Asr-e-Hazir Mai Sfaarat Kari Ky Asool o Zwaabit: Seerat Tayeebah Ka Itlaaqi Motaaleh	Fayyaz Ahmad Farooq
10	Tareekh e Islaam Kay Do Mutzaad Pehloo: Taaleemat Nabawi Ki Roshani Mai Aik Mwazana	Zubair Zafar Khan
11	Al Amaal Alkheriyah Al Ijtmaaeeyah Fi Zoo Alseerah Al Nabwiyah	Wael Aly Saeed
12	Sharaah "Baez Alnaas" Al Mazkoor Fi Al Jameeh Al Saheeh Lil Bukhari Motaaleh Tehqeeqiyah, Baab Al Zakawat	Asia Rasheed & Umair
13	Stylistic Analysis of the Surah Al-Asr and its Thematic Implication	ShahidaParveen, Muhammad Rashid Hafeez, Muhammad Shahbaz
14	Impacts of Repetitive Refrains Upon Human Thought and Comprehension: An Exegetical Discourse from Qur'ānic Perspective	Muhammad Ashfaq, Manzoor Ahmad Al Azhari
15	Religious Marginalization/ Othering of Pakistani Women in Islamabad Blues by Ladurner	Amna Saeed, Zukhruf Gul
16	Advisory & Editorial Board In English	

https://www.gcwus.edu.pk/al-ilm/

تفسیرِ قرآن اور دلالتِ سیاق

*نورین بٹ

Abstract

The importance of context in exegesis of the Qur'an has always been well-appreciated by commentators. Sahaba, Tabeen and tab- e- Tabeen, often used this method of commentary. Although it has been an important method of exegesis but as a technical term Imam Shafi'i, a technical scholar, first established a regular chapter in his book al-Rusala for this method. What matters in the verse will be included in Context? The opinions of the modern researchers differ, in the view of some The context is limited to the connectivity of the dialogue only while in opinion of some scholars, context is also encompassed motives and circumstance along with words and phrases. Despite this debate, interpretation with context indications is an important form of commentary.

قرآن امت محمدی پر اللہ ذی العزو الشان کا احسان عظیم اور عنایت کبریٰ ہے۔ یہ حبل متین [1] ذکرِ حکیم اور وسیلہ ناجحہ ہے۔ اس نعمت سابغہ سے اس امت نے خیر الامم کا مقام پایا، دنیا میں خلق کے لیے خالق کا دستور اور اہل الارض کے لیے یہ سماوی ہدایت دنیا میں باعثِ فیض و فلاح اور روزِ قیامت سببِ شفاعت ہو گی۔[2]

یہ کلامِ معجز نبی کریم ﷺ کی آیتِ عظیمہ اور حجتِ قائمہ ودائمہ ہے۔ ایجازِ الفاظ، بلاغتِ معانی اور حسنِ نظم ہر سہ جہت سے یہ کلام باہرہ ایک شاہکار ہے، مگر اس کی وجہِ اعجاز صرف فنونِ ادبیہ ولغویہ کی براعت نہیں، بلکہ مباحث ومضامین اور علوم ومعارف کی جامعیت بھی ہے۔ عقائد، عبادات، آدابِ معاشرت، اخلاق وسیاست اور اصولِ معیشت غرض کہ علوم کا بحرِ وافر اس میں سمو دیا گیا ہے، انسانی زندگی کا کوئی شعبہ تشنہ نہیں، یہ کلامِ جامع ہمہ پہلوہائے زیست کو محیط ہے۔ مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ۔[3]

"ہم نے اس کتاب میں کسی چیز میں کوتاہی نہیں کی"۔

نیز فرمایا وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ ۔[4]

"اور ہم نے تم پر (ایسی) کتاب نازل کی ہے کہ (اس میں) ہر چیز کا بیان (مفصّل) ہے"۔

تبیاناً لکل شیء ہونے کے باوصف کتاب اللہ میں اللہ رب العزت نے وجیز الفاظ میں دقیق وکثیر معانی،

*لیکچرار، علوم اسلامیہ، جی سی وویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

اشارات علمیہ، سنن کونیہ اور مغیبات تاریخیہ کو جمع کیا ہے جو شرح وبیان کے محتاج ہیں جن کے درست فہم کے بغیر دین ودنیا کی فوز وفلاح کا حصول ناممکن ہے، چنانچہ اللہ نے نہ صرف اس کے الفاظ کو محفوظ فرمایا بلکہ اس کے معانی کے بیان وتفسیر کا اہتمام بھی کیا، چنانچہ علوم القرآن میں علم تفسیر وہ علم ہے جس کی بنا آغازِ وحی ہی سے پڑ گئی، اصحابِ رسول ﷺ نبی برحق سے استفسار کرتے اور کلامِ منزل کے غموض کو نبی ﷺ بیان فرمادیتے، صحابہ کرامؓ اور تابعین وتبع تابعین میں سے آئمہ تفسیر، معانی القرآن کے ابہامات کو دور فرماتے رہے، حتیٰ کہ مفسرین نے باقاعدہ تفاسیر مرتب وتالیف کیں۔ یہ تمام تفسیر وبیان بے قاعدہ وبے ضابطہ نہ تھا بلکہ مخصوص اساس پر مبنی تھا جس کے مختلف ذرائع واصول ہیں جن میں اہم ترین اصول تفسیر القرآن بالقرآن ہے۔ قرآن سے قرآن کی توضیح کے متعدد طریقے اور انواع ہیں جن میں ایک اہم نوع سیاق ہے، اس کو جانے بغیر مکمل فہمِ قرآن حاصل نہیں ہو سکتا اسی لئے مفسرینِ کرام نے تفسیرِ قرآن میں سیاق کی دلالت کو بالخصوص ملحوظ رکھا۔ سیاقِ کلام کی اہمیت مسلمہ ہے مگر مفہوم قرآن کے بیان میں یہ ایک وسیع اصطلاح ہے جس کا سمجھنا مقصودِ ربانی تک رسائی کے لئے ضروری ہے۔

سیاق کا مفہوم

علمائے لغت کے نزدیک سیاق کی اصل سواق ہے اور یہ ساق یسوق سے مصدر ہے۔[5] جس سے متعدد معانی نکلتے ہیں، جن میں جانور کو ہانکنا، مال بھیجنا، بیوی کو مہر دینا، (اونٹوں کا) قطار میں چلنا وغیرہ[6] شامل ہیں۔ ابن فارس کے نزدیک ان تمام معانی میں ایک ہی اصل ہے اور وہ ہے ''حدو الشی'' یعنی کسی شے سے مسلسل اور قریب ہونا۔[7]

عمومی اصطلاح میں سیاقِ کلام سے مراد کسی کلام سے سابق ولاحق متصل، مسلسل اور لگاتار آنے والا (کلام) ہے اور دلالتِ سیاق سے مراد عبارت کو اس کے ماقبل اور مابعد کی رعایت سے سمجھنا ہے۔[8] لفظ دلالت سیاق قرآنیہ سے مراد کسی کلمہ یا جملہ قرآنیہ کا اس کے ماقبل اور مابعد کے ذریعہ سے بیان ہے۔[9]

سیاقِ قرآنی کے مکونات/عناصر

تفسیر قرآن میں سیاقِ قرآنی اور اس کی دلالت بہت اہمیت کی حامل علماء ومفسرین فہم قرآن میں سیاق کو اساس واصل گردانتے ہیں، حضرت عمر بن خطابؓ کا قول ہے۔

ان هذا القرآن كلام الله عزوجل فضعوه على مواضعه ولا تتبعوا

فیہ اھواءکم۔[10]

''یہ قرآن اللہ کا کلام ہے اس کو اس کے موضع (مقام) پر رکھو اور اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرو''۔

سیاق میں کیا امور شامل ہیں اس بارے میں جدید محققین کی دو رائے ہیں

اول: دلالتِ سیاق صرف مقال (ربط الفاظ و جملہ اور غرض وغایت داخلی) تک محدود ہے، اس رائے کے حاملین[11] کے نزدیک حالِ متکلم و مخاطب اور اقرانِ خارجیہ سیاق میں شامل نہیں۔[12]

دوم: عصر حاضر کے بعض محققین[13] کے نزدیک مقال وحال دونوں سیاق میں داخل ہیں[14] چنانچہ انہوں نے سیاق کو دو اقسام میں تقسیم کیا ہے:

سیاقِ مقال: غرض وغایت کلام اور اتصال ونظمِ عبارت۔

سیاقِ حال: متکلم و مخاطب کے حالات وغیرہ کیونکہ کلام کو اس کے قائل کے حالات جانے بغیر نہیں سمجھا جاسکتا۔

اہل علم کا یہ اختلاف اس سبب سے ہے کہ اس نوع تفسیر کے کثرتِ استعمال کے باوجود اس کی اصطلاحی تعریف متقدمین کے ہاں نہیں ملتی جو اس کی حدود کا تعین کرے، البتہ قولِ اول کو بعض وجوہ سے ترجیح دی جاسکتی ہے۔

امام شافعیؒ نے ''الرسالہ'' میں پہلی بار ''الصنف الذی یبین سیاقہ ومعناہ'' کے عنوان سے باب قائم کیا۔[15] جس میں اس اصطلاح کو استعمال کیا، جس میں انہوں نے صرف مقال کو ہی سیاق میں شامل کیا ہے۔

اس اختلاف کا جائزہ آئمہ تفسیر[16] کے اقوال کی روشنی میں لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ انہوں نے اس اصطلاح کا استعمال صرف الفاظ ومکالمہ کے لیے کیا ہے، اور دلالتِ حال کو المقام یا قرائنِ احوال سے تعبیر کیا ہے، جیسے کہ علامہ زرکشیؒ ابن دقیق العید (م ۷۰۳ھ) کا قول نقل کرتے ہیں:

اما السیاق والقرائن فانها الدلالة علی مراد المتکلم من کلامہ۔[17]

''جہاں تک سیاق اور اس قرائن کا تعلق ہے تو یہ متکلم کے کلام پر اس کے مراد کی دلالت ہے''۔

علمائے متاخرین کے ہاں اس اصطلاح کی باقاعدہ تعریف بھی ملتی ہے، جن کے مطابق سیاق کا تعلق عبارت کے سابق ولاحق لگاتار و متصل سے ہے، جیسے کہ شیخ البنانی جمع الجوامع کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

قرينة السياق هى ما يدل على خصوص المقصود سابق الكلام المسوق لذٰلک أو لاحقہ۔[18]

"قرینہ سیاق دلیل ہے جو دلالت کرتی ہے خاص مفہوم پر جو سابق یا لاحق کے ساتھ جڑے ہوئے کلام کا مقصود ہوتی ہے"۔

معاصر اہل علم کا یہ اختلاف محض نظری ہے وگرنہ قولِ اول کے قائلین بھی حال کی اہمیت سے انکار نہیں کرتے، لیکن ان کے ہاں اس کے لیے دلالتِ حال کی اصطلاح موجود ہے، چنانچہ سیاق کو صرف مقال تک ہی محدود کرتے ہیں، دوسری جانب قولِ ثانی کے قائلین مغربی علوم وافکار سے متاثر ہیں، جن میں اسلامی علوم سی وسعت ودقت نظری نہیں۔

انواعِ سیاقِ قرآنیہ

سیاقِ قرآنیہ کو چار انواع میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ سیاقِ قرآن

۲۔ سیاقِ سورت

۳۔ سیاق مقطع

۴۔ سیاقِ آیت

سیاقِ قرآن

سیاقِ قرآن سے مراد قرآن کے اساسی مقاصد اور کلی معانی ہیں جن کو کلیاتِ قرآن کا نام دیا جاتا ہے اور قرآن میں وہ اسالیب مطردہ ہیں جن کو عادۃ القرآن کہتے ہیں یوں اس نوعِ سیاق کو دو وجوہ میں تقسیم کیا جاسکتا ہے

اول: قرآن کے مقاصدِ عظمی

قرآن مخصوص اغراض اور مقاصد اساسیہ پر مبنی ہے جو تفسیر کلام اللہ میں معتبر ہیں، بلکہ ہر سورت اور آیت کی تفسیر میں مقتضائے حال کے مطابق ان پر اعتماد کرنا لازم ہے، قرآن کے مقاصد کی بحث کی جائے تو اصل جلبِ منفعت اور دفع ضرر ہی ہے خواہ کسی طرح سے ہو۔

دوم: کلیاتِ قرآن

قرآن میں وارد وہ الفاظ واسالیب جو کسی مخصوص معنی کے لیے ہی استعمال ہوئے ہیں ان کو کلیاتِ قرآن کہا

جاتا ہے جیسے کہ علامہ طبریؒ بِكَأْسٍ مِّنْ مَّعِينٍ[19] کی تفسیر میں ضحاک بن مزاحم کا قول نقل کرتے ہیں کہ کل کاس فی القرآن فھو خمر" کاس کا لفظ قرآن میں جہاں استعمال ہوا ہے اس سے مراد خمر ہے"[20]۔اسی طرح ابن عُیَیْنَہؒ فرماتے ہیں:

ما سمی اللہ تعالٰی مطرا فی القرآن الا عذابا۔[21]

مطر کا معنی بارش ہے، مگر قرآن میں یہ لفظ صرف اس بارش کے لیے آیا ہے جو وجہ عذاب تھی نہ کہ بارانِ رحمت، بارانِ رحمت کے لیے غیث کا لفظ وارد ہوا ہے، اگرچہ دونوں لفظ آسمان سے برسنے والے پانی کے لیے عام لغت میں وضع کیے گئے ہیں، مگر قرآن میں ان کا استعمال مخصوص معنی کے لیے ہوا ہے۔، یہ کلی اطلاقات، قرآنی اصطلاحات کو الفاظ واسالیب میں بیان کرتی ہیں اور یہ الفاظ خاص قرآنی اصطلاح بن جاتے ہیں، مگر ان الفاظ واسالیب کو کلیات کی حیثیت ،استقراء للقرآن کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے، کلیاتِ قرآنیہ کی تفسیرِ قرآن میں بہت اہمیت ہے اور وہ معنی جو استقراء تام سے کسی خاص لفظ یا اسلوب کے لیے مقرر ہو جائیں وہ بلا اختلاف حجت ہیں[22] ۔کلیاتِ قرآنیہ کے لئے عاداتِ قرآن، استعمال القرآن اور لغت القرآن کی تراکیب بھی استعمال ہوتی رہی ہیں[23]۔عاداتِ قرآنیہ سے تفسیر بیان کرنا بھی دلالتِ سیاق کی ایک صورت ہے۔ صحابہؓ اور تابعین وتبع تابعین نے اس نوعِ تفسیر سے بھی قرآن کی تفسیر کی اور سب سے زیادہ جس نے اس اسلوب کو اپنایا وہ مقاتل بن سلیمانؒ (م ۱۵۰ھ) تھے۔[24]

سیاقِ قرآن میں شامل دونوں صورتیں مقاصدِ قرآن اور عادات القرآن دونوں تفسیر میں بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں، بلکہ بعض صاحب علم حضرات انہی مقاصد کے تحت تفسیر کو ترجیح دیتے ہیں جس سلسلے میں تفسیرِ مقصدی[25] کا منہج سامنے آیا ہے۔ان کے نزدیک وہ تفسیرِ قرآن اصح ہے جو مقاصد قرآن کو مد نظر رکھتے ہوئے کی جاتی ہے، اسی طرح عاداتِ قرآنیہ بھی تفسیر میں بہت مدو معاون ہیں، ان کی معرفت سے مفسر بلا تامل کسی آیت کے ابہام کو دور کر لیتا ہے، ان دونوں صورتوں کو سیاقِ قرآن اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ کسی استعمالِ قرآن کو جاننے کے لیے پورے قرآن میں اس کے استعمال اور قرآن کے مقاصد و مصالح جو تمام قرآن میں ملحوظ رکھے گئے ہیں ان پر نظر کی جاتی ہے۔

سیاقِ سورت

قرآن کا اعجاز ہے کہ کئی ایک سورتوں پر مشتمل ہے جو متفرق ہونے کے باوجود باہم منظم ہیں، اسی طرح

ایک سورت اختلافِ موضوعات کے باجود وحدت متکاملہ و متناسقہ کی حامل ہے اور ایک مرکزی غرض کے گرد گھومتی ہے، اس بنیادی غرض کو ہی وحدتِ سورت یا سیاقِ سورت کا نام دیا جاتا ہے بعض علماء نے اس کو علم المناسبات کا نام بھی دیا ہے اور باقاعدہ تالیفات بھی مرتب کی ہیں، امام البقاعیؒ (م ۸۸۵ھ) کے بقول آیت کی مناسبت کی معرفت تمام قرآن میں اس غرض یا اغراض پر ترتیب پاتی ہیں جس کے لیے سورت مرتب کی گئی ہوتی ہے۔[26]

سیاقِ سورت سے مفسر تفسیر قرآن کا حظِ وافر پاتا ہے، علامہ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن قیمؒ نے بیانِ معانی قرآن اور استخراجِ دقائق میں سیاق سورت کو بہت اہمیت دی ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ سورت الاحزاب کی غرض اور سیاق یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ سورت نبی کریم ﷺ کے لیے اللہ کی مدد اور ان گروہوں کے بارے میں نازل ہوئی جو آپ پر چڑھ آئے تھے، نیز اس میں تخصصاتِ نبوی ﷺ کا بیان ہے، اسی لیے اس کی ابتدا یا ایھا النبی سے ہوئی ہے۔[27]

اسی طرح علامہ ابن قیمؒ نے سورۃ التحریم کا ہدفِ رئیس نبی ﷺ اور ان کے ازواج کے مقام کو واضح کرنا بتایا ہے، وہ اس سورت میں واردہ امثال کی اس کے سیاق کے ساتھ وجہ مناسبت بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اور ان کی ازواج مطہرات کے ذکر سے پہلے حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویوں کا تذکرہ ہوا ہے، ان کے حالات اور انجام کا اس جگہ ذکر کرنے کا مقصد نبی کریم ﷺ کے احترام و مقام کی توضیح اور ازواج نبی کریم ﷺ کی تحذیر و تنبیہ ہے کہ اگر وہ نبی کریم ﷺ کی اطاعت نہ کریں گی تو آخرت میں ان کو رسول ﷺ کا تعلق کچھ فائدہ نہ دے گا، جس طرح حضرت نوحؑ اور لوطؑ کی زوجات انبیاء کی اہل ہونے کے باوجود عذاب سے دوچار ہوئیں، لکھتے ہیں:

فی هذه الامثال من الاسرار البدیعة ما یناسب سیاق السورة فانها سیقت فی ذکر ازواج النبیﷺ والتحذیر من تظاهرهن علیه وأنهن ان لم یطعن الله ورسوله ویردن الدار الآخرة لم ینفعهن اتصالهن برسول اللهﷺ کما لم ینفع امرأة نوح ولوط اتصالهما بهما۔[28]

''اس مثال میں یہ اسرار بدیعہ ہیں جو سورۃ کے سیاق سے مناسبت رکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ازواج کے ذکر سے اور ان کی تظاہر سے ان کی تحذیر ہے کہ اگر وہ اللہ اور رسولa کی اطاعت نہیں کرتی تو آخرت میں رسول ﷺ کا اتصال ان کو کوئی فائدہ نہیں دے گا جیسے کہ حضرت نوحؑ اور

لوطؑ کی بیوی کا ان (انبیاء) کے ساتھ اتصال نے ان کو فائدہ نہیں دیا“

سیاق المقطع

سورہِ قرآنیہ متحد المعانی والموضوع آیات کے کئی مقاطع پر مشتمل ہیں جن کی مخصوص اغراض ومقاصد ہیں، سیاق آیات یا سیاقِ نص یا سیاق المقطع سے مراد یہ ہے کہ کسی سورت میں آیات کے کسی گروپ کا محور وغرض ایک ہی ہو یا وہ مقطع کسی معین قضیہ سے متعلق ہو یا ان میں کوئی قصہ بیان کیا گیا ہو، مفہوم قرآنی تک رسائی کے لیے جمیع آیات پر غور کرنا ضروری ہے، آخر کو چھوڑ کر اول پر یا اول کو چھوڑ کر آخر پر اکتفاء نہیں کیا جا سکتا، جیسے قول باری تعالیٰ يَنْفَعُهُمْ ۚ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۣ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۔[29] کے متعلق بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس میں وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۣ -سے مراد شیاطین ہیں اور لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۔ سے مراد لوگ ہیں، امام طبریؒ کے نزدیک یہ قول درست نہیں اور ان سے مراد یہود ہیں، کیونکہ اس آیت سے ماقبل اور مابعد کی آیات میں یہود کی مذمت بیان ہو رہی ہے، ان کی گمراہیوں پر ان کی سرزنش وتوبیخ ہے، کیونکہ انہوں نے اللہ کی آیات کو پس پشت ڈال رکھا ہے، حالانکہ وہ اپنی ضلالت کا علم بھی رکھتے ہیں سو یہ آیت کے متعلق ایک خبر ہے۔[30]

اسی طرح سورۃ الماعون میں ارشاد ہوا ہے فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ۔[31] صرف اس آیت کو لیا جائے تو بات واضح نہیں ہوتی، بلکہ اس کے بعد آنے والی تین آیات بھی ساتھ ملائی جائیں تو مفہوم صاف ہوتا ہے، کیونکہ ان سب کی غرض وغایت دین میں نمود وریا کی مذمت ہے۔

سیاقِ آیت

کسی آیت کا سابق ولاحق یعنی ابتدائی وآخری حصہ اس کا سیاق کہلاتا ہے، اور دلالت سیاق سے مراد آیت کے ماقبل ومابعد آیات سے اعتنا کیے بغیر اس آیت کے سیاق کی رعایت سے اس آیت میں وارده کسی لفظ کے مختلف معانی میں سے کسی معنی کی تحدید وتعیین ہے جو تفسیر بالقرآن کی اہم صورت ہے، مثلاً علامہ ابن کثیرؒ قول باری تعالیٰ

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْھُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ ۚ اِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ۔[32]

کی تفسیر میں لکھتے ہیں

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْ مِنْ حَوْلِكَ﴾ الفظ: الغليظ والمرد به هھنا غليظ الكلام لقوله بعد ذلک ﴿غَلِيْظَ الْقَلْبِ﴾ أی: لو كنت سيئ الكلام قاسى القلب عليهم لانفضوا عنک وتركوک ولٰكن الله جمعهم عليک، والان جانبک لهم تأليفا لقلوبهم۔[33]

"وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْ مِنْ حَوْلِكَ۔ الفظ "الغلیظ یہاں اس سے مراد غلیظ الکلام ہے، اللہ کے اس قول کے سبب جو اس کے بعد ہے ﴿غَلِيْظَ الْقَلْبِ﴾ یعنی اگر تو برے کلام والا اور سخت دل والا ہے ان کے ساتھ تو وہ تجھ سے جدا ہو جائیں گے اور تجھ کو چھوڑ دیں گے، لیکن اللہ نے ان کو تیرے گرد جمع کیا ہے اور تیرے پہلو نرم کیے ہیں ان کی تالیف قلب کے لیے"۔

اس میں کلمہ فظ کا مطلب غلیظ ہے، جس میں غلظ اللسان اور غلظ القلب دونوں شامل ہیں، مگر اس آیت مبارکہ میں کلمہ فظ کی دلالت کو غلظ کلام تک محدود کیا گیا ہے، کیونکہ غلظ القلب کا ذکر اس کے لاحق میں لایا گیا ہے، اگر فظا سے مراد لسان و قلب دونوں کی قساوت لی جائے، تو وہ تکرار ہوگا جو یہاں بے فائدہ ہے اور فصاحت قرآن کے منافی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ۚ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ۔[34]

اس آیت میں یہ بیان ہوا ہے کہ اللہ عزوجل اپنے بندوں سے بہت قریب ہے اور اس کی پکار کا جواب دیتا ہے، یعنی جب بندہ اپنے رب سے دعا کرتا ہے تو وہ اس کو قبول فرماتا ہے، بعض مفسرین کے نزدیک سورۃ الانعام کی آیت فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ۔[35] اس کا بیان ہے، دعا کی قبولیت مشیئت الٰہی پر منحصر ہے۔[36] لیکن اس آیت کے سیاق سے یہ ظاہر ہے کہ مومن کی کی ہوئی دعا رد نہیں ہوتی، کیونکہ مومنین سے وعدہ استجاب مطلق ہے، چنانچہ یا تو جو وہ مانگیں گے وہ دے دیا جائے گا یا آخرت کے لیے وہ دعا ذخیرہ کر لی جائے گی یا اس سے قسمت کی کوئی برائی ہٹا دی جائے گی۔[37]

دلالتِ سیاق اور تفسیر بالقرآن

قرآن عربی زبان میں نازل ہوا جو ابلغ الالسنہ ہے، اس کے مفرد کلمات میں بھی مفہوم کی بہت وسعت ہے،

ایک کلمہ متعدد معانی کا حامل ہے، چنانچہ منشائے ربانی کو سمجھنے کے لیے ان کے معنی و مراد کی تحدید ضروری ہے، قرآن کے الفاظ و آیات کے مقصود کی تعیین کے کئی ذرائع ہیں جن میں اہم ذریعہ سیاق ہے۔[38] جو بیان بالقرآن ہی کی ایک وجہ شمار ہوتی ہے، جو جمہور علماء کے نزدیک اصح الطرق ہے، سیاق سے مطالب قرآنیہ کی توضیح کا طریقہ عصرِ جدید کی پیداوار نہیں، عرب نزولِ قرآن سے قبل بھی دلالتِ سیاق کی اہمیت سے واقف تھے، چنانچہ رسولِ کریم ﷺ نے مفہومِ قرآنی کی وضاحت کے لیے سیاق کی رعایت کو ملحوظ رکھا، جیسے کہ ترمذی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے جب حضرت عائشہ ؓ نے قولِ باری تعالیٰ

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ۔[39]

''اور جو دے سکتے ہیں دیتے ہیں اور ان کے دل اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ ان کو اپنے پروردگار کی لوٹ کر جانا ہے''۔

کے متعلق سوال کیا کہ کیا جو شراب پیتا ہے اور جو چوری کرتا ہے وہ بھی اس میں شامل ہیں تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں اے بنت صدیق! یہاں وہ لوگ مراد ہیں جو نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں اور صدقہ دیتے ہیں اور اس چیز سے خوف رکھتے ہیں کہ کہیں وہ غیر مقبول نہ ہو۔[40]

نبی کریم نے آیت کے سیاق سے اس کے معانی کی صراحت فرمائی، کیونکہ اس سے متصل اگلی آیت میں ارشادِ ربی ہے

اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَـيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ۔[41]

اگر اس آیت پر اس کے سیاق سے الگ غور کیا جائے تو مطلب بالکل الٹا نکلتا ہے جیسے کہ حضرت عائشہ c کو گمان ہوا مگر رسول اللہ ﷺ نے سیاق سے واضح کیا کہ اس آیت میں وہ لوگ مذکور ہیں جو نیک اعمال کے باوجود ان کی عدمِ قبولیت کے گمان سے خائف ہیں۔

صحابہ کرام ﷺ بھی بیانِ قرآن میں سیاق کا خصوصی خیال رکھتے، چنانچہ جب ترجمان القرآن سے خارجی نافع بن الازرق نے کہا: ''اے آنکھ و دل کے اندھے کیا تو خیال کرتا ہے کہ لوگ آگ سے نکالے جائیں گے جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا۔[42] تو حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: ''تمھارا برا ہو پڑھ جو اس (آیت) سے اوپر ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔[43]

اس کے بعد فرمایا

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ۔[44]

سیاق سے معلوم ہو رہا ہے کہ آیت کفار کے بارے میں ہے، ابن عباسؓ نے خارجیوں کے انحرافی عقیدے کا بطلان آیت کے سیاق سے کیا اور اس کے درست معنی کی وضاحت کر دی۔[45]

تفسیر قرآن میں سیاق کی اہمیت ہمیشہ سے مسلمہ ہے، اس کے بغیر معنی آیت کا کامل فہم ممکن نہیں، چنانچہ علمائے امت نے اس طریقہ تفسیر کا خصوصی خیال رکھا ہے، بلکہ اس قاعدہ کا خصوصی خیال کرتے ہوئے تفاسیر بھی مرتب کیں جن میں آیات و سور کے باہمی نظم و ربط کو واضح کر کے معانی قرآن تک رسائی کی کوشش کی گئیں، ان تالیفات کی فہرست بہت طویل ہے، جن میں نمایاں نام و مقام علامہ مہائمی (م ۸۳۵ھ) کی تفسیر تبصیر الرحمٰن، علامہ البقاعی (م ۸۸۵ھ) کی نظم الدرر اور علامہ جلال الدین سیوطی کی تناسق الدرر کو حاصل ہوا، متاخرین خصوصی طور پر گزشتہ دو صدیوں میں ابھرنے والے تفسیری مکاتب فکر نے اس اصول کو ایک بنیادی اصول تفسیر کے طور پر لیا، ان مکاتبِ فکر میں مدرسہ عقلیہ (سید رشید رضا، مفتی محمد عبدہ) مدرسہ بیانیہ (امین خولی و عائشہ بنت الشاطی) اور فراہی مکتب فکر شامل ہیں۔

مولانا فراہی کے نزدیک بنیادی و قطعی ماخذ تفسیر قرآن ہے، جس کے چار بنیادی اصولوں میں پہلا اصول سیاق و نظم قرآن ہے۔[46] سید رشید رضا جو مدرسہ عقلیہ کے اہم ترین رجال کار ہیں، انہوں نے لفظ کے مفہوم تک رسائی کا افضل قرینہ سیاق کو قرار دیا ہے۔[47]

اگرچہ ان مکاتیب فکر نے سیاق کی رعایت میں غلو سے کام لیا ہے اور غلطی بھی کی ہے، مگر یہ حقیقت ہے کہ سیاق جواہرِ قرآن تک پہنچنے کی ایک راہ ہے، اگر قواعد و ضوابط کے ساتھ اس طرزِ تفسیر سے مدد لی جائے تو بلاشبہ یہ تفسیر بالقرآن ہونے کی وجہ سے تفسیر کا اعلیٰ درجہ ہے۔

نتائج بحث

تفسیرِ قرآن میں سیاق کی اہمیت ہمیشہ سے مسلمہ ہے مفسرین نے اس کا خصوصی اہتمام کیا۔ صحابہؓ، تابعینؒ و تبع تابعینؒ نے کثرت سے اس طریق، تفسیر کو استعمال کیا البتہ اس پر بطور فنی اصطلاح امام شافعیؒ نے سب سے پہلے الرسالہ میں اس پر باقاعدہ باب قائم کیا۔ یہ ایک وسیع اصطلاح ہے جسکی چار انواع ہیں: سیاقِ قرآن، سیاقِ سورت، سیاقِ مقطع، سیاقِ آیت۔ سیاق میں کون سے امور شامل ہیں جدید محققین کی آراء میں

اختلاف ہے بعض کے نزدیک دلالتِ سیاق صرف ربطِ الفاظ و جملہ اور غرض و غایتِ داخلی تک محدود ہے، جب کہ بعض کے نزدیک متکلم و مخاطب کے حالات وغیرہ بھی اس میں داخل ہیں۔ حال و مقال کی اس بحث کے باوجود یہ تفسیر بالقرآن کی ایک اہم صورت ہے۔

حوالہ جات

[1] ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ (م ۲۷۹ھ)، السنن، کتاب فضائل القرآن عن رسول اللہ، باب ماجاء فی فضل القرآن، بیروت، دار احیاء التراث العربی، (س ن)، ۵: ۱۷۲

[2] بیہقی، احمد بن الحسین بن علی، (م ۴۵۸ھ)، السنن الصغریٰ، باب فی فضل القرآن، مکتب الدار المدینۃ المنورۃ، ۱۹۸۹ء، ۱: ۵۴۷

[3] الانعام، ۶: ۳۸

[4] النحل، ۱۶: ۸۹

بن الاثیر، المبارک بن محمد بن محمد بن محمد ابن عبدالکریم الشیبانی (م ۶۰۶ھ)، النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر، بیروت، مکتبۃ العلمیۃ، ، ۱۹۷۹ء، ۰۲: [5] ۴۲

ابن منظور، محمد بن مکرم، الافریقی (م ۷۱۱)، لسان العرب، دار صادر، بیروت، (س ن)، ۱۰: ۱۶۶؛ الازہری، ابو منصور محمد بن احمد (م ۳۷۰ھ) تہذیب اللغۃ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۲۰۰۱، ۰۹: ۱۸۵[6]

ابن فارس، ابو حسین احمد (۳۹۵ھ) مقاییس اللغۃ، بیروت، لبنان، دار الجیل، ۰۳: ۱۱۷[7]

[8]عبد الحکیم ابن عبد اللہ القاسم، دلالۃ القرآنی واثرھا فی التفسیر دراسۃ نظریہ تطبیقیۃ من خلال تفسیر ابن جریر، رسالۃ لدرجہ ماجستیر، جامعہ الامام محمد بن سعود، الاسلامیۃ ۱۴۲۱ھ: ۰۶

[9]المطیری، عبد الرحمٰن عبد اللہ سرور جرمان، السیاق القرآنی واثرہا فی التفسیر دراسۃ نظریۃ وتطبیقۃ من خلال تفسیر ابن کثیر، رسالۃ ماجستیر جامعہ ام القریٰ، ۲۰۰۸ء: ۴۲

احمد بن عمرو بن ابی عاصم (م ۲۸۷ھ)، الزھد، دار الریان للتراث القاہرہ ۱۴۰۸ھ، ۰۱: ۳۵؛ السیوطی، جلال الدین، الدر المنثور، ۰۷: ۳۳۰[10]

المثنی عبد الفتاح، نظریہ سیاق، احمد لاقی فلاح المطیری[11]

عبد الرحمٰن عبد اللہ المطیری، السیاق القرآنی واثرہا فی التفسیر دراسۃ نظریۃ وتطبیقۃ من خلال تفسیر ابن کثیر: ۶۵[12]

فھد بن شتوی، الشتوی، محمد الربیعہ وغیرہ[13]

عبد الرحمٰن عبد اللہ المطیری، السیاق القرآنی واثرہا فی التفسیر دراسۃ نظریۃ وتطبیقۃ من خلال تفسیر ابن کثیر: ۶۴[14]

(محمد بن ادریس الشافعی (م ۲۰۴ھ)[15]،

علامہ ابن جریر، طبری، ابن عطیہ، ابن تیمیہ، ابی حیان، ابن قیم اور ابن کثیر وغیرہ[16]

ابن دقیق، تقی الدین، العید، احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام، مطبعۃ السنۃ المحمدیہ ۲۰۱۰ء، ۰۲: ۲۱[17]

البنانی، عبد الرحمٰن، جار اللہ المغربی (م ۱۱۹۸ھ)، حاشیہ علی جمع الجوامع، دار الکفر، ۰۱: ۲۱[18]

الصافات، ۳۷: ۴۵[19]

[20] الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید (م ۳۱۰ھ) جامع البیان عن تاویل آي القرآن، دار الفکر، ۱۴۰۵ھ، ۰۱: ۳۶

[21] العسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی (م ۸۵۲ھ)، فتح الباری شرح صحیح بخاری، دار المعرفہ بیروت، ۰۸: ۳۰۸

[22] لشنقیطی، محمد الامین بن محمد المختار (م ۱۳۹۳ھ)، اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن، دار الکتب العلمیۃ، لبنان، ۲۰۰۶ء، مقدمہ، ۰۱: ۱۶

[23] کلیات قرآن کے لیے عادات القرآن کی اصطلاح بھی ملتی ہے جس کو ان معنوں میں چھٹی صدی میں سب سے پہلے زمخشری نے کشاف میں استعمال کیا، بعد ازاں رازیؒ، بیضاویؒ، ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ، زرکشیؒ، ابن حجر وغیرہ نے بھی یہ اصطلاح استعمال کی، مگر ابن عاشور نے سب سے پہلے عادات القرآن کی اصطلاح کو مستقل باب کے عنوان کی صورت میں متعارف کروایا۔

[24] کلیاتِ قرآن کا علم وجوہ و نظائر سے گہرا تعلق ہے، چنانچہ مقاتل نے وجوہ و نظائر فی القرآن الکریم کے نام سے ایک کتاب تالیف کی جس میں کئی ایک کلیات قرآن مذکور ہیں، مزید ان کی تفسیر جو تفسیر مقاتل کے نام سے معروف ہے اس میں بھی کلیات قرآنیہ سے تفسیر کی بیشتر مثالیں ملتی ہیں۔

[25] ابن عاشور نے مقاصدِ شریعت کو تفسیر میں بہت اہمیت دی ہے، بلکہ اپنے مقدمہ تفسیر میں اس پر خصوصی بحث کی ہے اور ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے قرآن کے مفہوم کی وضاحت تفسیرِ مقصدی کہلاتی ہے

[26] البقاعی، برھان الدین، ابی الحسن ابراہیم بن عمر (م ۸۸۵ھ)، نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور، دار الکتب الاسلامی قاہرہ، ۱۹۸۴ء، ۰۱: ۱۸

[27] ابن تیمیہؒ احمد بن عبد الحلیم (۷۲۸ھ)، مجموع الفتاویٰ، مکتبہ ابن تیمیہ، الطبعۃ الثانیہ، ۲۸: ۴۳۳

[28] ابن قیم، شمس الدین، ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر (م ۷۵۱ھ)، الامثال فی القرآن، مکتبہ الصحابۃ طنطا مصر، ۱۴۰۶ھ، : ۵۷

[29] البقرۃ، ۲: ۱۰۲

[30] ابن جریر، طبری، جامع البیان، ۰۲: ۴۵۶

[31] الماعون، ۱۰۷: ۰۳

[32] آلِ عمران، ۳: ۱۵۹

[33] ابن کثیر، تفسیر القرآن الکریم، ۰۱: ۴۲۱

[34] البقرۃ، ۲: ۱۸۶

[35] سورۃ الانعام، ۶: ۴۱

[36] ابن عطیہ، ابو محمد عبدالحق بن غالب (م ۵۴۶ھ)، المحرر الوجیز، دار الکتب العلمیۃ لبنان، ۱۹۹۳، ۰۱: ۲۵۶

[37] ابن جریر، طبری، جامع البیان، ۰۲: ۱۵۹

[38] زید بن عبداللہ، السیاق القرآنی واثرہ فی الکشف عن المعانی، مجلہ جامعہ الملک السعود، العلوم التربویۃ والدراسات الاسلامیہ، طبعہ، ۲۰۰۳م، : ۸۳۸

[39] المومنون، ۲۳: ۶۰

[40] الترمذی، جامع الترمذی، ابواب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ المومنین، حدیث: ۳۱۷۵

[41] المومنون، ۲۳: ۶۱

[42] المائدۃ، ۵: ۳۷

[43] ایضاً: ۳۶

[44] ایضاً: ۳۷

[45] ابن جریر، طبری، جامع البیان، ۰۶: ۲۲۸

محمد اقبال احمد فرحات، اصول التفسیر عند العلامۃ الفراہی عرض ونقد، مجلہ جامعہ الشارقہ (شارجہ)، للعلوم الشرعیۃ والانسانیہ، ۰۳: ۳۸۰

[46] ، العدد ۰۲، جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ، ۲۰۰۶

[47] محمد رشید بن علی رضا بن محمد یونس (م ۱۳۵۴ھ)، تفسیر المنار، الھیئۃ المصریۃ العامہ لکتاب، ۱۹۹۰ء، ۰۱: ۲۲

نبوت ورسالت سے متعلق "تبیان الفرقان" کے کلامی مباحث کا جائزہ

*حافظ شوکت علی

**سعید احمد سعیدی

Abstract

The most dominated and respectful creature among all are the human beings. The best among the humans are those who are selected by the ALLAH Almighty to deliver his message to the masses. Their qualities, knowledge and other aspects are different from other human beings . They are prophets and belief on all the prophets is the part of faith. Disbelievers refuse the status of prophecy by sayings there is no need of prophets to make a connection with God. On the other hand, prophet's divine revelation is the message of creator that is for both life and hereafter. Its dignity and purity still meaningful for the humanity to achieve success in every field of life. This paper compiles the concepts of prophecy and its different aspect and also presents content which is denying the beliefs of disbelievers with reference to Tibyan ul Furqan.

اسلامی عقائد میں عقیدہ رسالت نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ حتی کہ کوئی شخص رسول کو مانے بغیر خدا کو مان لے تو اس کا یہ ایمان مقبول نہیں ہے۔ اگر مقام رسالت کی ادنٰی سی بے ادبی ہو جائے تو عمر بھر کی کمائی ہوئی نیکیاں اکارت ہو جاتی ہیں اور اگر کوئی شخص کمالات رسالت کو بڑھا کر الوہیت کی جگہ پر لے آئے تو وہ ورطہ شرک میں گر جاتا ہے۔ الحاد اور دہریت نے آج یہ شبہات پیدا کر دیے ہیں کہ نبی کی کیا ضرورت ہے، وصال خدا تو اس کے بغیر بھی ہو سکتا ہے۔ بعض لوگوں نے یہ کہہ دیا کہ رسول کی حیثیت ایک مرکزِ ملت اور سربراہ مملکت سے زیادہ نہیں ہے۔ اس لیے اس کے اقوال اور افعال قیامت تک باقی رہنے والے قوانین کی اساس نہیں ہو سکتے۔ بعض لوگوں نے یہ کہا کہ رسول ہماری طرح ایک عام انسان تھے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ان پر وحی آتی تھی۔ الغرض ایسی بہت سی باتیں ہیں جو منکرین رسالت کی طرف سے کہی جاتی ہیں۔ اس آرٹیکل میں ان چند چیزوں کا جائزہ تبیان الفرقان کی روشنی میں لیا جائے گا لیکن اس سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ نبوت کا معنٰی و مفہوم کیا ہے۔

نبوت کی لغوی تعریف

صاحب لسان العرب لفظ "نبی" کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کے ماخذ اشتقاق کے متعلق اہل لغت کے تین اقوال ہیں۔

---

* ریسرچ اسکالر مجلس الادراک العلمی ٹرسٹ، لاہور (رجسٹرڈ)

** اسسٹنٹ پروفیسر ادارہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

1۔ یہ نَبَأٌ سے مشتق ہے۔

2۔ یا نَبْوَۃٌ سے۔

3۔ یا نَبَاوَۃٌ سے مشتق ہے۔

پہلے قول کے مطابق نبیٌّ بروزن فَعِیْلٌ بمعنی مُفْعِلْ، مُخْبِرْ ہو گا یعنی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دینے والا ہو۔ اور اگر اس کا مادہ اشتقاق نَبْوَۃٌ یا نَبَاوَۃٌ ہو تو اس کا معنی ہے "بلند یا اونچی چیز" کیونکہ نبی دوسروں سے ہر لحاظ سے ارفع و اعلیٰ ہوتا ہے۔ اس لیے اسے نبی کہتے ہیں۔[1]

لیکن علامہ راغب اصفہانی نے اس پر مزید تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نَبَأٌ ہر خبر کو نہیں کہا جاتا بلکہ صرف اس خبر کو کہتے ہیں جس میں یہ تین اوصاف ہوں۔

1- فائدہ مند ہو

2- اہم اور عظیم ہو

3- اور ایسی ہو کہ اس کے سننے سے علم یا کم از کم غلبہ ظن حاصل ہو

اس لفظ پر تفصیلی بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ نبوت اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان پیغام رسانی کو کہتے ہیں۔ جس سے ان کی دنیا اور عقبیٰ کی بیماریاں دور ہوتی ہیں۔ اور نبی کیونکہ ایسی باتوں سے آگاہ کرتا ہے جس سے عقل سلیم کو تسکین ہوتی ہے اس لیے یہ فاعل اور مفعول دونوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔[2]

نبی کا اصطلاحی معنیٰ

اصطلاح شرح میں نبی اس انسان کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کی تبلیغ کے لیے مخلوق کے پاس بھیجا ہو اور اس کی تائید معجزہ سے فرمائی ہو۔ ہر نبی کے لیے معجزہ ضروری ہے۔ یہاں پر علماء اصول نے نبی اور رسول میں فرق کیا ہے۔

نبی اس انسان کو کہتے ہیں جس پر وحی اترے خواہ وہ صاحب کتاب ہو یا نہ ہو اور رسول وہ شخص ہے جو کتاب اور وحی دونوں کا حامل ہو۔ اس جگہ ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ فرشتہ نبی کے پاس جب وحی لے کر آتا ہے تو نبی کو کیسے یقین ہوتا ہے کہ یہ فرشتہ ہے شیطان نہیں ہے۔ امام رازی نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ جس طرح نبی اپنے صدق کے اظہار کے لیے امت کے سامنے معجزہ پیش کرتا ہے، اسی طرح جب فرشتہ نبی کے پاس وحی لے کر آتا ہے تو وہ بھی اپنے صدق کو ظاہر کرنے کے لیے نبی کے سامنے معجزہ لاتا ہے اور حق یہ ہے

کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک وصف دیا ہے جس کی وجہ سے ہم ایک انسان اور جانور کے درمیان فرق کر لیتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نبی کو اس وصف کے ساتھ ایک اور وصف بھی دیا ہے جس سے اس کے نزدیک ملائکہ اور شیاطین میں امتیاز ہو جاتا ہے۔[3]

نبوت ورسالت کی ضرورت

ایمان والوں اور اطاعت والوں کو جنت اور ثواب کی خوشخبری دینا اور کفر کرنے والوں اور نافرمانی کرنے والوں کو دوزخ اور عذاب سے ڈرانا۔ کیونکہ ثواب و عذاب کی خبر نبیوں کے بتانے سے ہوتی ہے اور یہی انبیاء و رسل کے بھیجنے میں بڑی حکمت ہے کہ وہ انسانوں تک اللہ کا پیغام پہنچائیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کرائیں۔ تاکہ قیامت کے دن کسی کا یہ بہانہ نہ رہے کہ ہم تک تو اللہ تعالیٰ کا حکم سنانے والا نہیں آیا۔ ہم کیسے ایمان لاتے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے۔ لہٰذا اس حجت کو ختم کرنے کی خاطر رسول معبوث فرمائے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ[4]

''(بھیجے ہم نے یہ سارے) رسول خوشخبری دینے کے لئے اور ڈرانے کے لئے تاکہ نہ رہے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عذر رسولوں کے (آنے کے) بعد۔''[5]

انسان حواس و خرد کا مالک ہے۔ نظر و فکر کی استعداد رکھتا ہے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کے احکام کی معرفت میں قدم قدم پر رسول کا محتاج ہے۔ فلاح آخرت تو دور کی بات ہے دنیا میں بھی صالح حیات کا کوئی لمحہ اعانتِ وحی کے بغیر میسر نہیں ہو سکتا۔ علماء اسلام نے ضرورت نبوت پر متعدد دلائل فراہم کیے ہیں۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

1- واقعات عالم اس حقیقت پر گواہ ہیں کہ جن لوگوں نے انبیاء کے بغیر خالق کو تلاش کیا وہ مظاہر پرستی کا شکار ہو گئے۔ کسی نے آگ کی پوجا کی تو کسی نے گاؤماتا کی، کوئی بت پرستی کا شکار ہوا اور کوئی کواکب پرستی کا۔

لہٰذا تاریخ اور تجربے سے یہ بات ثابت ہے کہ نبی کے بغیر انسان خدا پرستی کا صحیح تصور نہیں پا سکتا۔

2- اللہ تعالیٰ کی ذات مبداٗ فیاض ہے اور انسان اکتساب فیض کرنے والا ہے اور افادہ واستفادہ کے لیے ضروری ہے کہ مفید اور مستفید کے درمیان کوئی نہ کوئی مناسبت ہو۔ جب کہ واجب اور ممکن، قدیم اور حادث کے درمیان کسی قسم کی کوئی مناسبت نہ تھی تو افادہ اور استفادہ کیسے ہو سکتا تھا۔ فیض دینے والا خالق و قادر اور لینے والا مخلوق و عاجز تھا تو اس کی رحمت نے چاہا کہ ایک ایسی مخلوق

پیدا کرے جو عام بندوں اور خدا کے درمیان برزخ کی شان رکھتی ہو۔ جس کی ایک صفت اللہ سے واصل اور دوسری بندوں میں شامل ہو۔ تاکہ وہ پہلی حیثیت سے خدا سے فیض لے اور دوسری حیثیت سے بندوں کو فیض دے اور اس مخلوق کا نام اس نے نبی اور رسول رکھا۔

3- اللہ تعالیٰ نے آنکھ کو دیکھنے کے لیے پیدا فرمایا ہے لیکن یہ آنکھ اس وقت تک کسی چیز کو نہیں دیکھ سکتی جب تک کہ خارجی نور اس کا معاون نہ ہو۔ اسی طرح عقل کو اللہ تعالیٰ نے معرفت ذات کے لیے پیدا فرمایا ہے لیکن عقل اس وقت تک ذاتِ الٰہی کی معرفت نہیں پا سکتی جب تک کہ آفتابِ نبوت اس کا معاون نہ ہو۔

4- بسا اوقات حواس غلطی کر جاتے ہیں مثلاً متحرک سواری میں بیٹھے شخص کو درخت دوڑتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ حواس کی ایسی غلطیوں کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا لیکن بعض اوقات عقل بھی مغالطہ کھا جاتی ہے۔ لہٰذا ضروری تھا کہ عقل کی اصلاح کے لیے بھی کسی ھادی کو پیدا کیا جاتا اور جو حقیقت عقل کی اصلاح کرنے والی ہے وہی نبوت ہے۔

5- اگر اللہ تعالیٰ فقط کتاب نازل کر دیتا اور نبی پیدا نہ کرتا تو عرفانِ ذات کے لیے یہ بھی ناکافی تھا کیونکہ کتاب فقط احکام کا علم دیتی ہے اس کی تشریح نہیں کرتی۔ نبی کے بغیر انسانی عقل ٹھوکریں کھاتی پھرتی۔ پس اللہ تعالیٰ نے نبی بھیج کر عقل انسانی پر کرم فرمایا کہ وہ احکام کی تشریح نبوت کی زبان سے پا سکے۔

6- اگر ہمارے سامنے صرف احکام ہوتے تو ممکن تھا کہ کوئی شخص یہ کہہ دیتا کہ یہ احکام انسان کے لیے قابل عمل نہیں اس لیے نبی ان احکام پر عمل کر کے ہمیں بتاتا ہے کہ یہ احکام دشوار نہیں قابلِ عمل ہیں۔ وجود نبوت کے بغیر ان احکام کے لائق عمل ہونے کی کوئی سند نہیں۔[6]

بعثتِ انبیاء کی حکمتیں

انبیاء و رسل کا بھیجنا محض اللہ تعالیٰ کا بندوں پر لطف و احسان اور رحمت ہوتی ہے اور اس کی بے شمار حکمتیں ہیں۔ بعض حکمتیں حسبِ ذیل ہیں:

1- بعض احکام انسان کی عقل سے ماوراء ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا وجود، اسکی وحدانیت، اس کا علم، اسکی قدرت وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ رسولوں کو بھیج کر اپنے بندوں کی ان امور کی طرف رہنمائی فرماتا ہے۔

2- اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینا، اللہ تعالیٰ کا کلام اور قیامت کے بعد جزا و سزا کا عمل، عقل از خود ان کو

معلوم نہیں کر سکتی۔اس وجہ سے ان امور کی تعلیم کے لیے رسولوں کو بھیجا۔

3- ایک ہی کام بعض اوقات میں اچھا اور بعض اوقات میں بُرا ہوتا ہے۔ مثلاً طلوع و غروب اور زوال شمس کے وقت نماز پڑھنا بُرا ہوتا ہے اور باقی اوقات میں اچھا ہوتا ہے۔ یا بعض افراد کے اعتبار سے ایک کام اچھا اور بعض کے اعتبار سے بُرا ہوتا ہے۔ جیسے کافر حربی کو قتل کرنا اچھا ہے اور مومن یا کافر ذمی کو قتل کرنا بُرا ہے۔اور یہ فرق نبی کے علاوہ اور کوئی نہیں بتا سکتا۔

4- نیکی پر ابھارنے کے لیے نیکوکار کے ثواب کی تفصیل اور بدی سے بچانے کے لیے بدی کے عذاب کی خبر بھی صرف نبی ہی بیان کر سکتا ہے۔

5- ایک فرد، ایک خاندان اور ایک ملک کے حقوق اور فرائض کا تعین بھی ایک نبی ہی کر سکتا ہے۔

6- مختلف غذاؤں کے فوائد اور نقصانات بیان کرنا بھی صرف نبی کا کام ہے۔

7- نبی کو دنیا میں بھیج کر اللہ تعالیٰ بندوں پر اپنی حجت پوری کرتا ہے تاکہ قیامت کے دن کوئی شخص یہ نہ کہہ سکے کہ ہم اس لیے گمراہ ہوگئے کہ ہمیں کوئی بتانے والا نہیں تھا۔[7]

انبیاء کرامؑ جسمانی اور روحانی کمالات کے اعتبار سے انسانیت کے اعلیٰ ترین افراد ہوتے ہیں۔انبیاء کی حقیقت عام لوگوں سے مختلف ہوتی ہے۔ نبی کی حقیقت کو نبی کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں جان سکتا۔اللہ تعالیٰ نبی کی آنکھوں میں ایسی صفت رکھتا ہے جس سے وہ غیب وشہادت کو دیکھ سکے۔اس کے دل کو ایسی استعداد عطا کرتا ہے جس سے وہ بارِ وحی کا متحمل ہو سکے اور اس کی فکر کو وہ جرات دیتا ہے جس سے وہ صفات الٰہیہ پر کمند پھینک سکے۔انبیاء کے حواس ظاہری، باطنی عام لوگوں سے کہیں زیادہ طاقتور ہوتے ہیں۔ نبی کے خواص میں سے یہ بھی ہے کہ وہ قوانین کا واضع ہی نہیں ہوتا بلکہ ان قوانین کو نافذ کرتا ہے۔اس کی نگاہ سے مزاج بدل جاتے ہیں، فطرتیں پلٹ جاتی ہیں۔ وہ راہزنوں کو راہبر اور خائنوں کو امانتدار اور بت پرستوں کو بت شکن بنا دیتا ہے۔ شر بھی نبی کے دامن میں آکر خیر بن جاتا ہے۔ دریا اس کے لیے راستہ چھوڑ دیتے ہیں اور درخت اس کے حکم سے جڑوں سمیت دوڑے چلے آتے ہیں۔

انہی خصائص نبوت کو مدنظر رکھتے ہوئے علماء اسلام نے نبوت کی کچھ شرائط بیان کی ہیں۔

نبوت کی شرائط

1- نبی کا مذکر ہونا شرط ہے کیونکہ مؤنث ہونا نقص ہے۔

2- عقل اور خلقت کے اعتبار سے نبی اپنے زمانہ میں سب سے کامل ہو۔ لیکن یہ کمال بعثت کے وقت

ضروری ہے کیونکہ بعثت سے پہلے حضرت موسیٰؑ کی زبان میں لکنت تھی۔ تو انہوں نے بعثت کے وقت لکنت کے ازالہ کی دعا کی۔

3- ذہانت اور رائے کی اصابت اور قوت کے اعتبار سے وہ سب سے کامل ہو کیونکہ نبی پوری قوم کے معاملات کا منتظم اور انکی مشکلات کا مرجع ہوتا ہے۔

4- نبی کے آباء میں کوئی ایسا وصف نہ ہو جن کی وجہ سے ان کو حقیر جانا جاتا ہو اور اسکی ماں کی عفت اور پارسائی پر تہمت نہ ہو۔

5- نبی کا دل سخت نہ ہو کیونکہ انسان کے باقی جسم کی سلامتی کا مدار اس کے دل پر ہے۔

6- نبی میں کوئی ایسا جسمانی عیب یا بیماری نہ ہو جس سے لوگ متنفر ہوتے ہوں۔ جیسے برص اور جذام وغیرہ۔

7- وہ وقار کے خلاف اور کوئی معیوب کام نہ کرتا ہو۔

8- نبی کسی ایسے پیشے سے منسلک نہ ہو جو لوگوں کی نظروں میں معیوب سمجھے جاتے ہوں۔

9- نبی نبوت سے پہلے اور بعد میں کفر سے بالاجماع معصوم ہو۔

10- نبی کے صدق کو ظاہر کرنے کے لیے اس کے پاس معجزہ ہو۔[8]

انبیاء کی پہچان

علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون نے اپنی معرکہ الآرا کتاب ''مقدمہ تاریخ ابن خلدون'' میں نبوت کی پہچان کی کچھ علامات ذکر کی ہیں، وہ لکھتے ہیں:

نبی کی پہلی علامت

انبیاء کی ایک علامت یہ ہے کہ وحی سے قبل ان کے اخلاق اچھے اور پاکیزہ ہوتے ہیں اور ہر طرح کی بُری باتوں سے اور تمام گندگیوں سے کنارہ کش رہا کرتے ہیں۔ عصمت انبیاء کے یہی معنیٰ ہیں گویا وہ طبعی اور فطری طور پر برائیوں سے کنارہ کش اور متنفر رہتے ہیں گویا برائیاں انکی فطرت کے خلاف ہیں۔

ایک دفعہ آپ ﷺ کو شادی کے ولیمہ میں بلایا گیا جہاں شادی سے متعلق لہو ولعب تھا۔ آپ ﷺ پر نیند طاری ہو گئی اور آپ ﷺ سورج کے طلوع ہونے تک سوتے رہے اور لہو ولعب سے قطعی بے خبر رہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس سے محفوظ فرمایا۔ کھانے پینے میں آپ ﷺ کا یہ حال تھا کہ آپ ﷺ مکروہ کھانوں سے بچا کرتے اور آپ ﷺ پیاز و لہسن کے قریب بھی نہ جاتے جب آپ ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا:

''میں ان سے باتیں کرتا ہوں جن سے تم باتیں نہیں کرتے۔''

دوسری علامت

دوسری علامت یہ ہے کہ وہ لوگوں کو نیکی اور عبادت کی طرف بلاتے ہیں اسی نشانی سے حضرت خدیجہ نے آپ ﷺ کی تصدیق فرمائی۔
شاہ روم ہرقل نے بھی آپ ﷺ کی عصمت اور دین وعبادت کی طرف دعوت کو صحت نبوت کی دلیل قرار دیتے ہوئے آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی۔

تیسری علامت

انبیاء کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ وہ طاقتور خاندان میں بھیجے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ
''اللہ تعالیٰ ہر نبی کو اس قوم میں معبوث فرماتا ہے جو طاقتور ہو۔''

چوتھی علامت

ایک پہچان انکی یہ بھی ہے کہ ان سے معجزوں کا ظہور ہوتا ہے جو ان کی صداقت کی دلیل ہیں۔[9]
علامہ سعیدی نبوت کی پہچان کی انہی علامات میں سے ایک علامت یعنی اخلاق و کردار سے آپ ﷺ کی رسالت کے برحق ہونے پر استدلال کرتے ہوئے سورۃ المؤمنون کی آیت نمبر 69 کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ[10]

''یا انہوں نے اپنے رسول (مکرم) کو نہ پہچانا تھا اس لیے وہ اس کے منکر بنے رہے۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے دوسرے طریقہ سے ان کو زجر و توبیخ فرمائی کہ کیا یہ حضرت محمد ﷺ کو نہیں پہچانتے اور ان کے صدق اور ان کی امانت کو اور ان کے حسن اخلاق کو، ان کے کمال علم کو نہیں جانتے حالانکہ انہوں نے کسی سے علم حاصل نہیں کیا۔
حضرت ابن عباس □ فرماتے ہیں:

''کیا انہوں نے حضرت محمد ﷺ کو بچپن میں اور جوانی میں نہیں دیکھا اور کیا وہ آپ ﷺ کے نسب کو نہیں پہچانتے تھے اور آپ ﷺ کے صدق کو اور آپ ﷺ کی امانتداری کو نہیں جانتے؟"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کو زجر و توبیخ کی ہے کہ وہ آپ ﷺ کے صدق اور امانت کو پہچاننے کے باوجود آپ ﷺ سے کیوں اعراض کرتے ہیں۔[11]

انبیاء کرام کا عام انسانوں کی مثل نہ ہونا

انبیاء کرام بظاہر عام انسانوں کی طرح کھاتے پیتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے اور کام کاج کرتے ہیں۔ لیکن کوئی بھی شخص وجودی وصف میں ان کا مماثل نہیں ہو سکتا۔ نہ کسی کی آنکھیں انکی آنکھوں جیسی ہو سکتی ہیں نہ کسی کے کان ان جیسے ہو سکتے ہیں نہ کسی کی زبان ان جیسی پُر تاثیر ہو سکتی ہے نہ کسی کا دل ان کے دل جیسا مخزن معرفت ہو سکتا ہے۔ کیونکہ نہ تو کوئی عام شخص ان جیسی نظر رکھتا ہے نہ ان جیسی قوت سماعت رکھتا ہے نہ ان جیسی معرفت الٰہیہ رکھتا ہے۔

اسی بات کو بیان کرتے ہوئے علامہ سعیدی سورۃ الانعام کی آیت نمبر 38 کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

> "منکرین کمالاتِ رسالت کہتے ہیں؛ فضائل اور خصوصیات کی بات چھوڑو، یہ ٹھیک ہے کہ ہم اپنی آنکھوں سے ان چیزوں کو نہیں دیکھ سکتے جن چیزوں کو رسول اللہ ﷺ اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے اور ہم اپنے ہاتھوں پیروں اور زبان سے وہ تصرف نہیں کر سکتے جو رسول اللہ ﷺ اپنے اعضاء سے تصرف فرماتے تھے۔ لیکن اس چیز میں جو رسول اللہ ﷺ ہمارے مماثل ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی دو آنکھیں تھیں ہماری بھی دو آنکھیں ہیں۔ آپ ﷺ کے دو ہاتھ تھے ہمارے بھی دو ہاتھ ہیں، آپ ﷺ کے بھی دو پیر تھے ہمارے بھی دو پیر ہیں۔ لہٰذا واضح ہوا کہ رسول اللہ ﷺ ہماری مثل ہیں۔
>
> میں اس کے جواب میں یہ کہتا ہوں کہ اس طرح تو کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ تمہاری بھی دو آنکھیں ہیں اور کتے اور خنزیر کی بھی دو آنکھیں ہیں، تمہاری بھی ایک زبان ہے اور کتے اور خنزیر کی بھی ایک زبان ہے۔ تو کیا یہ کہنا درست ہو گا کہ تم کتے اور خنزیر کی مثل ہو؟ اور اگر تم یہ کہو کہ اس میں تمہاری توہین ہے تو جب تم رسول اللہ ﷺ کو اپنے جیسے عام آدمی کے مماثل قرار دو تو کیا اس میں رسول اللہ ﷺ کی توہین نہیں ہو گی۔ جب کہ جتنی تمہیں کتے اور خنزیر پر فضیلت ہے اس سے کہیں زیادہ رسول اللہ ﷺ کو تم پر فضیلت حاصل ہے۔
>
> قرآن مجید میں ہمارے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی جس مماثلت کا ذکر کیا گیا ہے یہ عدمی وصف میں مماثلت ہے یعنی جس طرح تم خدا نہیں ہو اور معبود اور مستحق عبادت نہیں ہو اسی طرح رسول اللہ ﷺ بھی خدا نہیں ہیں۔ لہٰذا اس چیز میں آپ ﷺ ہمارے مماثل ہیں کہ ہمارا بھی خدا ایک ہے اور آپ ﷺ کا خدا بھی ایک ہے اور کوئی شخص بھی کسی وجودی وصف میں رسول اللہ ﷺ کی مثل نہیں ہے"[12]

عصمتِ انبیاء کرامؑ

تمام انبیاء کرام گناہوں سے پاک، سچے اور خدا کی طرف سے احکام پہنچانے والے تھے۔ وہ اپنے منصب نبوت سے کبھی معزول نہیں ہوئے۔ جو کچھ بھی پیغمبروں نے کہا سچ کہا اور جو کچھ وہ لائے وہ اللہ کی طرف سے لائے۔ وہ گناہوں سے پاک تھے، ان کا ہر دعویٰ معجزہ سے ثابت ہوتا رہا۔ انہوں نے جو کچھ بھی کہا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہا۔ انبیاء کرام اگر جھوٹ بولیں تو ان کے دنیا میں بھیجنے کی حکمت باطل ہو جائے اور اگر وہ خود ہی گناہ میں ملوث ہو جائیں تو مخلوق خدا ان سے نفرت کرنے لگے۔ نصیحت وارشاد کے سرچشمے بند ہو جائیں۔ چنانچہ انبیاء کرامؑ جھوٹ اور گناہ کبیرہ سے معصوم ہوتے ہیں۔ نہ ان سے قصداً گناہ سرزد ہوتا ہے اور نہ ہی بھولے سے۔

زُلات الانبیاء اور جمہور اہل سنت کا عقیدہ

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب تکمیل الایمان میں رقمطراز ہیں:

> "جمہور اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انبیاء کرام سے عموماً یا سہواً گناہِ کبیرہ اور صغیرہ سرزد نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ بات ان کے مناصب جلیلہ کو زیب دیتی ہے۔ مدینہ کے بعض علماء اور محدثین نے قصیدہ امالہ کی شرح میں یوں بیان کیا ہے کہ انبیاء کرام سے احکامِ الٰہی کے پہنچانے اور رسالت کے متعلق امور کو سرانجام دینے میں ذرہ برابر بھی کوتاہی نہیں ہوتی۔ ان کے علاوہ بعض صغیر معاملات میں سہو سرزد ہو جائے تو تعجب کی بات نہیں چنانچہ سجود سہو کے باب میں مذکور ہے کہ انبیاء کرام سے جو خطائیں اور لغزشیں منسوب ہیں بعض تو ان میں سے صحیح ہیں اور بعض صحیح نہیں ہیں اور ان کی تاویلیں کتابوں میں موجود ہیں ان کی ظاہری صورت پر اعتقاد نہیں کرنا چاہیے۔"[13]

زُلات الانبیاء پر علامہ سعیدی کی تصریح

علامہ سعیدی اس حوالے سے سورۃ بقرہ کی آیت نمبر 35 کی تفسیر میں پہلے عصمتِ انبیاء پر مشاہیر اہل سنت کی تصریحات نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ علامہ سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی عصمت کی تعریف میں لکھتے ہیں:

> "عصمت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ میں اس کی قدرت اور اختیار کے باوجود اس میں کوئی گناہ پیدا نہیں فرماتا کیونکہ اگر بندہ سے گناہ کا صدور محال ہو تو پھر اس کو گناہوں کے ترک کرنے کے ساتھ مکلف کرنا صحیح نہیں ہوگا اور نہ گناہوں کے ترک کرنے کی وجہ سے

وہ دنیا میں تعریف اور تحسین کا مستحق ہو گا اور نہ آخرت میں وہ اجر و ثواب کا سزاوار ہو گا۔"[14]

علامہ سعدالدین تفتازانی لکھتے ہیں:

"ہمارا مذہب یہ ہے کہ انبیاء کرام اعلان نبوت کے بعد گناہ صغیرہ مطلقاً نہیں کرتے اور صغائر عمداً نہیں کرتے۔ البتہ ان سے سہواً صغیرہ کا صدور ہو جاتا ہے لیکن وہ اس پر اصرار نہیں کرتے اور نہ وہ اس پر برقرار رکھے جاتے ہیں بلکہ ان کو تنبیہ کی جاتی ہے اور وہ متنبہ ہو جاتے ہیں۔"[15]

امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں:

"ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ انبیاء سے زمانہ نبوت میں یقینی طور پر کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا۔ کبیرہ نہ صغیرہ۔"[16]

اس کے بعد علامہ سعیدی عصمتِ انبیاء پر اعتراض کرنے والوں کے جواب میں لکھتے ہیں:

"بعض گمراہ لوگ حضرت آدمؑ کے شجر ممنوع کو کھانے سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ انبیاء سے بھی گناہ سرزد ہو جاتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کا شجر ممنوعہ سے کھانا اس وقت گناہ ہوتا جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے قصد سے اس کا پھل کھایا ہوتا۔ جب کہ حضرت آدمؑ نے یا تو اجتہادی خطا سے یہ پھل کھایا تھا کہ انہوں نے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے تنزیہاً منع فرمایا ہے نہ کہ تحریماً۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے تحریماً منع فرمایا تھا۔"

دوسری اجتہادی خطا یہ تھی کہ انہوں نے یہ سمجھا کہ جس معین درخت کی طرف اشارہ کرکے اللہ تعالیٰ نے اس کا پھل کھانے سے منع فرمایا ہے اس معین درخت سے کھانا ممنوع ہے اگر اس نوع کے کسی اور درخت سے کھالیا تو ممنوع نہیں ہو گا۔ اور یہ آدمؑ کی اجتہادی خطا تھی اور اجتہادی خطا پر بھی بندہ کو ایک اجر ملتا ہے۔ لہٰذا آدمؑ اس ممنوعہ پھل کے کھانے پر ماجور ہوئے۔

اگر یہ کہا جائے کہ پھر ان کو سزا کیوں ہوئی اور ان کا لباس کیوں اترا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پھل کے کھانے میں یہ تاثیر رکھی تھی کہ جو اس پھل کو کھائے گا اس کا لباس اتر جائے گا۔ اور یہ ایسا ہے کہ جیسے زہر کھانے میں اللہ تعالیٰ نے تاثیر رکھی ہے کہ جو بھی زہر کھائے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ اس لیے ان کا لباس اترنا کسی سزا کے نتیجے میں نہیں تھا بلکہ اس پھل کے کھانے میں یہ تاثیر تھی۔

اگر یہ کہا جائے کہ اگر حضرت آدمؑ نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا تو پھر ان کو جنت سے نکال کر زمین کی طرف کیوں بھیجا گیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آدمؑ نے بہر حال زمین پر آنا تھا کیونکہ ان کو زمین ہی کی خلافت کے لیے پیدا فرمایا گیا تھا۔

اگر یہ کہا جائے کہ شیطان آدمؑ کو جنت سے نکلوا کر کامیاب ہو گیا اور آدمؑ ناکام ہو گئے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ آدمؑ کی پشت میں قیامت تک کی ان کی ساری اولاد موجود تھی۔ ان میں سے نیکو کار بھی تھے۔ انبیاء اور اولیاء کرام تھے، متقین اور صدیقین بھی تھے اور ان میں شیطان کے پیروکار، اللہ کے نافرمان اور باغی بھی تھے۔ لہٰذا اگر آپؑ جنت میں رہتے تو یہ بدکار لوگ بھی آپؑ کی پشت میں جنت میں رہتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ آپؑ زمین پر جائیں اور اپنی اولاد میں سے نافرمان لوگوں کو زمین پر چھوڑ آئیں۔ شیطان تو ایک آدمؑ کا وجود جنت میں برداشت نہیں کر رہا تھا لیکن اب قیامت کے بعد اپنی بے شمار نیکو کار اولاد کو لیکر آدمؑ جنت میں دائمی زندگی کے ساتھ چلے جائیں گے اور شیطان لعین اپنے تکبر، حسد اور لوگوں کو گمراہ کرنے کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے جہنم میں جائے گا۔ لہٰذا حضرت آدمؑ ہی کامیاب ہوئے اور شیطان ناکام اور نامراد ٹھہرا۔[17]

اسی طرح سورۃ القصص کی آیت:

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ[18]

"آپؑ نے عرض کی میرے پروردگار! میں نے ظلم کیا اپنے آپ پر پس بخش دے مجھے تو اللہ تعالیٰ نے بخش دیا اسے بیشک وہی غفور رحیم ہے۔"

اس آیت کی تفسیر میں امام رازی نے منکرین عصمت انبیاء کی طرف سے اٹھائے گئے کئی سوالات کے جوابات دیے ہیں لیکن ان تمام جوابات پر علامہ سعیدی تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> "میں کہتا ہوں: امام رازی نے پوری بحث کرنے اور قیل و قال کرنے کے بعد بلآخر یہ مان لیا کہ حضرت موسیٰؑ کا اس قبطی کو مکا مارنا گناہ تھا لیکن یہ گناہ اس وقت واقع ہوا جب وہ نبی نہیں تھے۔ لہٰذا اس سے یہ استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ نبی بھی گناہ کرتے ہیں۔ میرے نزدیک حضرت موسیٰؑ کو مارنا جس کے نتیجے میں وہ مر گیا گناہ نہیں تھا کیونکہ حضرت موسیٰؑ نے تادیباً اس کو مکا مارا تھا تاکہ وہ ناجائز لڑائی سے باز آجائے اور مکا مارنا عادتاً قتل کا باعث نہیں ہوتا۔ تو حضرت موسیٰؑ کا ارادہ اسے قتل کرنے کا نہیں تھا۔ بلکہ اس کو سرزنش کرنے کا

تھا۔ لیکن ان کے مکا مارنے سے وہ قضائے الٰہی سے مر گیا۔ اس لیے حضرت موسیٰؑ پر یہ اعتراض نہیں ہو گا کہ انہوں نے اس قبطی کو قتل کر دیا تھا۔"[19]

نتائج بحث

الغرض علامہ غلام رسول سعیدی نے تبیان الفرقان میں علم کلام کی رُو سے نبوت ورسالت کی تعریف، اس کی ضرورت، نبوت کی شرائط، بعثتِ انبیاء کی حکمتیں، انبیاء کی پہچان، عصمت انبیاء، انبیاء کی خطاؤں کے ذکر کی توجیہہ اور اس طرح کی دیگر ابحاث کے ذریعے نہایت احسن پیرائے میں سیر حاصل بحث کی ہے۔ بالخصوص وہ پہلے دیگر اکابرین علم کلام کی رائے کو ذکر کرتے ہیں اور پھر اپنا نقطہ نظر بیان کرتے ہوئے بات کو منطقی انجام تک پہنچاتے ہیں۔ جس سے ان کی فلسفیانہ سوچ اور دقت نظر کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف فقہ میں مہارت رکھتے ہیں بلکہ علمِ کلام اور علم منطق پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں۔

حوالہ جات

1 ابن منظور، جمال الدین محمد بن مکرم، لسان العرب،، دار صادر، بیروت، 162:1
2 راغب اصفہانی، ابوالقاسم الحسین بن محمد، (۵۰۲ھ)،، مفردات القرآن، اسلامی اکیڈمی لاہور، 465:2
3 سعیدی، غلام رسول، مولانا، مقالات سعیدی، فرید بک سٹال، لاہور، 2003،:51
4 النساء، 165:4
5 النسفی، عمر بن محمد، ابو حفص، عقائد ماتریدیہ فی شرح العقائد النسفیہ، مترجم و شارح، علامہ ابو عاصم غلام حسین ماتریدی، اہل السنہ پبلیکیشنز، دینہ ضلع جہلم، 2009ء،:263
6 سعیدی، غلام رسول، مقالات سعیدی،:51
7 سعیدی، غلام رسول، علامہ، تبیان القرآن، فرید بک سٹال لاہور، 2009ء، 588:1
8 ایضا، 589:1
9 ابن خلدون، عبدالرحمٰن ، مقدمہ تاریخ ابن خلدون، مترجم، علامہ راغب رحمانی دہلوی، نفیس اکیڈمی لاہور ، 2001ء، 200:1
10 المومنون، 69:23
11 سعیدی، غلام رسول، مولانا، تبیان القرآن، 436:4
12 ایضا، 327:2
13 محدث دہلوی، شاہ عبدالحق، تکمیل الایمان، سبز واری پبلیکیشنز کراچی، 1999ء،:139
14 سعیدی، غلام رسول، مولانا، تبیان الفرقان، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، 2015ء، 249:1
15 سعیدی، غلام رسول، مولانا، تبیان القرآن، 249:1
16 ایضا، 249:1
17 ایضا، 248:1
18 القصص، 16:28
19 سعیدی، غلام رسول، مولانا، تبیان الفرقان، 835:4

"التاریخ الکبیر"کا تعارف اور اس میں امام بخاریؒ کا منہج واسلوب

*رضوان علی بن مقصود علی

**ظہور اللہ الازہری

Abstract

ʿIlm Al Rijāl (*A discipline of Islamic religious studies within hadith terminology in which the narrators of hadith are evaluated*) is a basic and value able discipline in the field of Hadith &Ulūm Al Hadith. All Muhaddithīn are strongly agreed on this fact that non-existence of this discipline of study may permit to any person to say anything at any time in the matter of Hadith. So, ʿIlm Al Rijāl has secured the sayings of Prophet Muhammad PBUH and his companions RA as well as it also provided us biographies of half million *Narrators of Hadith* from the early period of Islam. ImāmBukhārī is a famous and important figure among those Muhaddithīn who provided their services in this discipline. As such ImāmBukhārī compiled many books on Aqā'id , Tafsīr , Hadith and ethics etc, he also wrote almost ten books(*Al Tārīkh Al Kabīr , Al Tārīkh Al Ausat, Al Tārīkh Al Saghīr, Al Kunā, Al Duʿāfā Al Saghīr, Asāmā Al ṣahāba, Kitāb Al Waḥdān, Kitāb Al ʿilal, Al Duʿāfā Al Kabīr, and Al Mashikha*) on ʿIlm Al Rijāl. In this article I'll try to find out and explain the methodology of imam bukhari in his basic and majestic book "Al Tārīkh Al Kabīr" with narration of its value ability, popularity and necessary introduction.

Keywords: ImàmBukhàrî, Al Tàrîkh Al kabîr, Hadîth, ilm Al Rijàl, Manhaj, Sanad

امام بخاریؒ کا تعارف

ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراھیم بن المغیرۃ بن بردزبہ جو کہ امام بخاریؒ کے نام سے معروف ہیں جمعہ کے روز 13 شوال 194ھ کو خراسان کے شہر بخارا میں پیدا ہوئے، یتیمی میں پرورش پائی، ابتدائی تعلیم بخارا میں محمد بن سلام بیکندی، محمد بن یوسف بیکندی، عبداللہ بن محمد مسندی اور ہارون بن االاشعث سے حاصل کی اور سولہ سال کی عمر میں تحصیل علم کے لئے دوسرے علاقوں کا رخ کیا۔ آپ نے بخارا، بلخ، مرو، نیشاپور، رے، بغداد، بصرہ، کوفہ، مکہ، مدینہ، مصر اور شام کے محدثین سے درس حدیث لیا اور احادیث قلم بند کیں، اس سلسلے میں آپ کئی بار بغداد تشریف لے گئے۔ زہد وتقویٰ اور خودداری کے پیکر کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا ان میں سے ایک اہم ان کی خداداد حافظہ کی صلاحیت بھی ہے۔ لاکھوں

*پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

**ایسوسی ایٹ پروفیسر، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز، دی یونیورسٹی آف لاہور، لاہور

احادیث کے حافظ امام بخاری کا اپنا قول ہے کہ میں نے 1080 اساتذہ سے احادیث لکھیں اور امام بخاری سے سماع کرنے والوں کی تعداد محدثین نے 90،000 سے زائد بیان کی ہے۔ کتب میں امام موصوف کی 24 تالیفات کے نام ملتے ہیں جن میں سے 10 چھوٹی بڑی کتب مطبوع اور متداول ہیں۔ امام بخاری نے عید الفطر کی شب 256ھ کو سمر قند کے قریب ایک بستی خر تنک میں 62 سال کی عمر میں وفات پائی اور وہیں دفن کئے گئے۔ [1]

التاریخ الکبیر کا تعارف

کتاب کا نام: امام بخاریؒ نے اپنی اس کتاب کا نام "التاریخ" رکھا ہے ،امام بخاری کا قول ہے: وصنفت کتاب التاریخ اذ ذاک عند قبر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم فی اللیالی المقمرة [2] اور میں نے کتاب "التاریخ" رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کے قریب بیٹھ کر چاندنی راتوں میں تصنیف کی۔ تاہم امام بخاری کے تلامذہ، دیگر ہم عصر اور بعد میں آنے والے محدثین نے اس کتاب کو "التاریخ الکبیر" کا نام دیا جیسے امام ابن عدیؒ لکھتے ہیں: ورایت فی تاریخ البخاری الکبیر [3] اور میں نے (امام) بخاری کی تاریخ کبیر میں دیکھا۔

کتاب کی اہمیت و مقبولیت: التاریخ الکبیر نے ابتداء سے ہی مقبولیت عام حاصل کی امام بخاریؒ کے استاد اسحاق بن راھویہؒ نے جب یہ کتاب دیکھی تو خوشی اور حیرت کا اظہار کیا اور اس کتاب کو اس وقت کے امیر شہر خالد بن احمد الذہلی کو بطور عجوبہ پیش کی تو اس نے بھی اس پر تعجب اور خوشی کا اظہار کیا [4] ابو سہل محمود الشافعی کا قول ہے کہ: سمعت اکثر من ثلاثین عالما من علماء مصر ،یقولون : حاجتنا من الدنیا النظر فی تاریخ محمد بن اسماعیل [5]

حافظ ابو العباس ابن عقدہ کا قول ہے: لو ان رجلا کتب ثلاثین الف حدیثا لما استغنی عن کتاب التاریخ تصنیف محمد بن اسماعیل البخاری [6]

اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ شائقین علم میں اس کتاب کی پذیرائی کو دیکھ کر دیگر محدثین نے بھی اپنی تصانیف و تالیفات کا نام "التاریخ" رکھنا شروع کر دیا اور ابن ابی خیثمہ، امام ابن عقدہ اور ابن حبانؒ جیسے جلیل القدر ائمہ نے بھی اس نام سے کتب لکھیں۔

التاریخ الکبیر بحیثیت اصل الاصول: امام بخاریؒ کی زندگی میں اور ان کے بعد آنے والے محدثین نے کسی

نہ کسی صورت میں اس کتاب سے استفادہ ضرور کیا۔ الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع میں خطیب بغدادی نے رجال پر تقریبا 9 کتب کے اسماء ذکر کرنے کے بعد لکھا: ویربیٰ علی ھذہ الکتب کلھا تاریخ محمد بن اسماعیل البخاری[7]

☆ عبدالرحمٰن بن ابی حاتم کی الجرح والتعدیل کے بارے اکثر محدثین کی رائے ہے کہ اس کتاب کا بنیادی ماخذ "التاریخ الکبیر" ہے، امام ابن خیرؒ کا قول ہے: بنی علی خریج البخاری وزاد فیہ عن ابیہ وابی زرعۃ ۔[8]

(ابن ابی حاتم نے اپنی کتاب کی) بنیاد بخاری کی کتاب پر رکھی اور اس میں اپنے والد اور ابو زرعہ سے اضافہ کر دیا۔

امام سخاویؒ ابن ابی حاتم کی کتاب کے حوالے سے فرماتے ہیں: فی مجلدات ماش فیہ خلف البخاری[9]

ابن رجب یوں رقمطراز ہیں: وھو –ای التاریخ کتاب جلیل لم یسبق الی مثلہ لما وقف علیہ ابو زرعۃ وابوحاتم الرازیان ۔رحمھما اللہ صنفا علی منوالہ کتابین احدھما: کتاب الجرح والتعدیل والثانی : کتاب العلل[10]

اور وہ یعنی "التاریخ" ایک عظیم کتاب ہے، اس جیسی کتاب پہلے نہیں لکھی گئی جب اس کتاب کو ابو زرعہ رازی اور ابو حاتم رازی رحمھما اللہ نے دیکھا تو انہوں نے اس کے نہج پر دو کتب تصنیف کیں۔ ایک: کتاب الجرح والتعدیل اور دوسری: کتاب العلل۔

☆ امام دارقطنیؒ نے اپنی کتاب میں التاریخ الکبیر سے بھرپور استفادہ کیا ہے عادل بن شکور زرقی لکھتے ہیں: وکتاب الموتلف للدارقطنی اکبر شاھد علی ذلک ففیہ مئات النصوص منقولۃ من التاریخ الکبیر تکون احیانا حرفیۃ[11]

☆ امام ترمذیؒ کا امام بخاری کی کتب اور بالخصوص التاریخ الکبیر سے استفادہ کا انداز باقی محدثین سے منفرد ہے وہ بڑی فراخ دلی سے اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ میں نے امام بخاری کی کتب سے استفادہ کیا ہے: وما کان فیہ من ذکر العلل فی الاحادیث والرجال والتاریخ فھو ما استخرجتہ من کتاب التاریخ ۔[12]

اور اس میں جو کچھ احادیث کی علل، رجال اور تاریخ کے بارے ذکر کیا گیا ہے پس یہ میں نے کتاب التاریخ سے لیا ہے۔

التاریخ الکبیر کی اسناد: التاریخ الکبیر کو امام بخاری سے متعدد لوگوں نے روایت کیا ان میں سے چند مشہور رواۃ کا ذیل میں تذکرہ کیا جائے گا

☆ فضل بن العباس الصائغ: التاریخ الکبیر کے رواۃ میں سے ایک ہیں جن کے بارے امام ابوزرعہ فرماتے ہیں: حمل الی الفضل بن العباس المعروف بالصائغ کتاب البخاری ذکر انہ کتبہ من کتاب محمد بن اسماعیل البخاری ...[13]

☆ عبدالرحمٰن بن الفضل بن عبداللہ بن محمد الفسوی: کا امام العقیلی نے یوں تذکرہ کیا ہے: وقال لنا عبدالرحمٰن بن الفضل عن البخاری فی التاریخ الکبیر..[14]

☆ ابواحمد محمد بن سلیمان بن فارس الدلال النیشاپوری: کا تذکرہ امام خلیلی نے الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث میں ترجمہ نمبر 727 کے تحت کیا ہے۔

☆ ابوالحسن محمد بن سہل بن کردی البصری المقری اللغوی: التاریخ الکبیر کے مشہور راوی ہیں انہوں نے التاریخ کا سماع امام بخاری سے 246ھ کو بصرہ میں کیا اور موجودہ مطبوع کتاب انہی کی روایت ہے [15]

التاریخ الکبیر کے بارے امام بخاری کا اپنا قول ہے: صنفتہ ثلاث مرات[16] امام بخاری وقت کے ساتھ ساتھ کتاب میں کمی واضافہ جات کرتے رہے جس کی وجہ سے مختلف رواۃ کے نسخوں میں کئی جگہوں پر اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس اختلاف کے بارے محدثین کی مختلف آراء ہیں لیکن امام عبدالرحمٰن بن یحییٰ المعلمی نے مقدمۃ الموضح میں اس بات کو یوں ترتیب سے بیان کیا ہے:

- جو نسخہ امام ابن ابی حاتم کے پاس تھا وہ، وہ کتاب تھی جس کو امام بخاری نے اولا تالیف کیا۔
- جس نسخے پر امام خطیب بغدادی نے زیادہ اعتماد کیا وہ احمد بن فارس کا روایت کردہ ہے۔
- اور آخری نسخہ وہ ہے جو امام بخاریؒ کے شاگرد ابن سہل نے روایت کیا ہے۔[17]

کتاب کے مخطوطات: التاریخ الکبیر کے دنیا کی مختلف مکتبات میں مکمل یا کچھ اجزاء کی صورت میں نسخے اور مخطوطات موجود ہیں، قسطنطنیہ میں ابن سہل کا روایت کردہ نسخہ موجود ہے، دمشق کے مکتبہ ظاہریہ میں التاریخ کے شروع کے کچھ اجزاء موجود ہیں، استنبول میں مکتبہ احمد الثالث میں نسخہ موجود ہے، اسی طرح مکتبۃ الازہریہ اور مکتبۃ تشستر بتی میں اس کے نسخے موجود ہیں اور ایک نسخہ جس کو نسخہ "کوپریلی" کہا جاتا ہے وہ استنبول میں موجود ہے۔[18]

کتاب کی طبعات و محققین

☆ سب سے پہلے یہ کتاب مجلس دائرۃ المعارف العثمانیۃ بحیدر آباد دکن، ہند کے روح رواں عبدا لرحمٰن بن یحییٰ المعلمی اور ان کی ٹیم کی کاوشوں سے مرحلہ وار طبع ہو کر منظر عام پر آئی۔ اولاً ساتویں جلد 1360ھ اور آٹھویں جلد 1361ھ میں مذکورہ ادارہ کی طرف سے طبع کی گئی، اس کے بعد پہلی جلد اور دوسری جلد 1362ھ میں اور جلد نمبر تین اور چار 1364ھ میں طبع ہوئیں۔ لیکن پانچویں جلد تقریبا 14 سال بعد 1377ھ اور چھٹی جلد 1378ھ کو شائع کی گئیں اور ان دونوں پر ابن یحییٰ معلمی کی تحقیق بھی نہ ہے[19]

☆ فروری 2001ء میں دار الکتب العلمیۃ بیروت نے التاریخ الکبیر کو مصطفی عبد القادر احمد عطا کی تحقیق کے ساتھ شائع کیا اور اس میں کتاب بیان الخطاء محمد بن اسماعیل البخاری لابن ابی حاتم بھی شامل کر دی گئی ہے[20]

کتاب کی تقسیم اور تراجم کی تعداد: اس کتاب کو امام بخاری نے چار اجزاء میں تقسیم کیا ہے اور ہر جز دو اقسام: القسم الاول اور القسم الثانی میں منقسم ہے اور موجودہ مطبوع کتاب میں ہر جلد ایک قسم پر مشتمل ہے یوں اس کتاب کی کل آٹھ جلدیں بنتی ہیں۔

دائرۃ المعارف ہند سے شائع ہونے والی کتاب کے مطابق تراجم کی تعداد:

الجزالاول—القسم الاول	جلد1	1-1476
الجزءالاول-القسم الثانی	جلد2	1477-2894
الجزءالثانی-القسم الاول	جلد3	1-1751
الجزءالثانی-القسم الثانی	جلد4	1752-2702
الجزءالثالث-القسم الاول	جلد5	1-1482
الجزءالثالث-القسم الثانی	جلد6	1483-3267
الجزءالرابع-القسم الاول	جلد7	1-1916
الجزءالرابع-القسم الثانی	جلد8	1917-3452
کل تراجم		12319

التاریخ الکبیر میں امام بخاری کا منہج واسلوب

التاریخ الکبیر میں امام بخاری نے رواۃ کو مناسب حد تک مختصر تعارف کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ یہ بات واضح رہے کہ امام بخاری نے اس کتاب میں اپنے منہج واسلوب کو تفصیل کے ساتھ کسی جگہ بھی واضح نہیں کیا، تاہم آپ نے کتاب کے آغاز میں نبی اکرم ﷺ کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا:

هذه الاسامی وضعت علی : ا،ب،ت ،ث وانما بدی بمحمد من بین حروف ا،ب،ت،ث لحال النبی ﷺ لان اسمہ محمد ﷺ فاذا فرغ من المحمدین ابتدیء فی الالف ثم الباء ثم التاء ثم الثاء ثم ینتهی بها الی آخر حروف ا،ب،ت،ث وهی ی ۔ والمیم تجیئک فی موضعها ، ثم هؤلاء المحمدون علی ا،ب،ت،ث علی اسماء آبائهم لانها قد كثرت الا نحو من عشرة اسماء فانها لیست علی ا،ب،ت،ث لانهم من اصحاب النبی ﷺ[21]

ان اسماء کو میں نے الف، ب، ت، ث کی ترتیب سے رکھا ہے، اور کتاب کا آغاز (اسم) محمد سے کیا گیا ہے کیونکہ یہ نبی اکرم ﷺ کا اسم گرامی ہے، پس جب تمام محمد نامی اسماء کا تذکرہ مکمل ہو گیا تو میں نے الف سے ابتداء کی پھر باء پھر تاء پھر ثاء اور اسی طرح الف، ب، ت، ث کے آخری حرف تک جو کہ یاء ہے۔ اور میم اپنے مقام پر ہی آئے گی۔ پھر یہ تمام رواۃ جن کا نام محمد ہے یہ ان کے آباء کے ناموں میں الف بائی ترتیب سے مرتب ہیں کیونکہ یہ کافی زیادہ تھے، تاہم دس کے قریب اسماء الف بائی ترتیب کے بغیر ہی ہیں کیوں کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کے اسماء ہیں۔

عبداللہ بن یوسف الجدیع کا موقف ہے کہ التاریخ الکبیر میں امام بخاری نے باقاعدہ طور پر اپنا منہج واضح نہیں کیا بلکہ اس کو قاری کے لئے چھوڑ دیا ہے کہ وہ اس سے کس طرح استفادہ کرتا ہے، امام بخاری نے اس میں رواۃ کی تعدیل کا زیادہ اہتمام نہیں کیا اور بہت کم ایسی جگہیں ہیں جہاں آپ نے رواۃ کی تعدیل کے لئے خاص الفاظ استعمال کئے ہوں، تاہم انہوں نے مجروح رواۃ پر جرح کرنے یا جرح کا ذکر کرنے کا اہتمام ضرور کیا ہے[22]

امام بخاری کا اپنا قول ہے کہ: هولاء لم یفهموا کیف صنفت کتاب التاریخ ولا عرفوه[23]

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ امام نے التاریخ میں دقیق منہج اختیار کیا ہے اسی وجہ سے ان کے ہم عصر کچھ محدثین نے التاریخ الکبیر پر تنقید بھی کی ہے جس کی ایک اہم وجہ امام موصوف کے منہج اور اصطلاحات سے عدم واقفیت ہے۔ درج ذیل سطور میں کتاب کے منہج کو واضح کرنے کی سعی کی جارہی ہے:

کتاب کی مجموعی ترتیب اور منہج

☆ امام بخاری نے کتاب کا آغاز نبی اکرم ﷺ کے نام محمد ﷺ سے کیا ہے، اور آپ ﷺ کے نام کی مناسبت سے امام بخاری نے ان تمام رواۃ جن کا نام محمد سے شروع ہوتا ہے ان کو کتاب میں سب سے پہلے ذکر کیا ہے۔

☆ اس کتاب میں سب سے پہلی نص، مسند حدیث ہے جس میں نبی مکرم ﷺ کے نبوت کے لئے انتخاب کا تذکرہ ہے۔

☆ اس کے بعد امام بخاری نے اپنی سند کے ساتھ حضرت محمد ﷺ کا نسب نامہ حضرت آدم علیہ السلام تک بیان کیا ہے۔

☆ اس کے بعد نبی مکرم ﷺ کی کنیت، مکہ اور مدینہ میں قیام، ہجرت مدینہ، نزول وحی اور وقت وفات آپ کی عمر مبارک کا بیان ہے۔

☆ پھر امام بخاری نے کتاب میں ترتیب کا منہج بتایا ہے کہ یہ کتاب الف بائی ترتیب سے مرتب ہے اور ایک نام کے متعدد رواۃ کو ان کے آباء کے اسماء میں الف بائی ترتیب سے مرتب کیا گیا ہے۔

☆ اس کے بعد پہلا باب قائم کیا جس میں ان گیارہ صحابہ کا تذکرہ ہے جن کا نام محمد ہے۔

☆ اس کے بعد اس باب "محمد" کی ذیلی ابواب بندی کی ہے جس میں رواۃ کے آباء کے ناموں کو مد نظر رکھ کر ترتیب سے ان کو ذکر کیا ہے۔ "باب محمد" کا پہلا ذیلی باب "باب الالف" ہے جس میں پہلے راوی محمد بن اسامہ بن زید بن حارثہ ہیں اور تیسرے راوی محمد بن ایاس بن البکیر المدنی ہیں۔

☆ امام بخاری راوی کے نام کے صرف پہلے حرف کو ترتیب میں ملحوظ رکھتے ہیں باقی دوسرے یا تیسرے حرف کو ترتیب کے لئے خاطر میں نہیں لاتے۔

☆ باب محمد میں دوسرا ذیلی باب "باب—ب" ہے یوں ترتیب چلتے چلتے اس باب کے آخری ذیلی باب "باب الیاء" تک پہنچ جاتی ہے۔

☆ اس کے بعد امام بخاری نے "باب من افناء الناس" کے نام سے باب قائم کیا ہے اور اس میں ان "محمد" نامی رواۃ کا تذکرہ کیا ہے جن کے صرف نام کا ان کو پتہ تھا اور ان کے آباء واجداد کے اسماء کا علم نہیں تھا۔

☆ باب محمد کے بعد کتاب باقاعدہ اپنی ترتیب سے شروع ہو جاتی ہے۔ "باب الالف" میں پہلا باب "باب ابراہیم" ہے اور "باب ابراہیم" کے ذیلی ابواب "باب الف" سے "باب الیاء" تک ہیں اور آخر میں "باب من افناء الناس" ہے جس میں ابراہیم نامی 5 رواۃ کا تذکرہ ہے جن کے آباء کے اسماء مجہول ہیں۔

☆ "باب ابراہیم" کے بعد "باب اسماعیل" ہے اور اس باب کے ذیلی ابواب "باب الالف سے باب الیاء" تک ہیں اور یہی سلسلہ آخر کتاب تک چلتا ہے۔

☆ التاریخ الکبیر میں منہج کے بارے امام ذہبی کی رائے ہے کہ امام بخاری ہر نام کے الگ باب کے تحت رواۃ کے آباء کے ناموں کو مد نظر رکھ کر قائم کئے گئے ذیلی ابواب میں مزید ایک اور ترتیب کا لحاظ رکھتے ہیں اور یہ ترتیب طبقات کے لحاظ سے ترتیب ہے۔امام موصوف اولاً صحابہ کرام کے اسماء کو ذکر کرتے ہیں پھر تابعین اور ان کے بعد باقی رواۃ کو ترتیب کے ساتھ ذکر کر دیتے ہیں[24]

اختصار کا منہج

امام بخاری نے التاریخ میں اختصار کا منہج اختیار کیا ہے اس کی آپ نے خود وضاحت فرمائی ہے کہ میں نے اس کتاب میں جتنے بھی رواۃ کا ذکر کیا ان میں سوائے چند کے ہر ایک کے بارے میرے پاس ایک تفصیل اور قصہ ہے لیکن میں نے طوالت اور کتاب کے بہت زیادہ ضخیم ہو جانے کو ناپسند کرتے ہوئے ان کو ذکر نہیں کیا[25]

جیسے التاریخ الکبیر میں امام بخاری نے ج:اول کے ترجمہ نمبر 430 میں یوں لکھا:محمد بن عبداللہ الرزی[26]

یہ راوی کا مکمل ترجمہ ہے اور بعض جگہ تو راوی کا صرف نام ذکر کرتے ہیں اور اس کی ولدیت وغیرہ اور باقی تفصیلات کا تذکرہ بھی نہیں کرتے۔ مثال: جهم الاسود[27]

راوی کا ترجمہ ذکر کرنے میں منہج

☆ امام بخاری راوی کا نام، اس کے والد اور دادا کا نام ذکر کرتے ہیں۔ مثال: عقیل بن جابر بن عبدالله السلمی الانصاری ---[28]

☆ روای کی کنیت، لقب اور اس کی اس کے قبیلہ یا شہر/ملک کی طرف نسبت کو بیان کرتے ہیں۔
مثال: عتاب بن بشیر ابو الحسن الحرانی سمع خصیفا علی بن بذیمۃ[29]

☆ امام بخاری رواۃ کے متعدد شیوخ اور تلامذہ کا ذکر بھی کرتے ہیں تاہم کئی جگھوں پر بغرض اختصار راوی کے صرف ایک استاد اور صرف ایک تلمیذ کا ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ مثال: الحارث بن عمرو الهذلی ،سمع ابن مسعود روی عنہ مسلم بن جندب ،یعد فی اهل المدینۃ[30]

☆ امام بخاریؒ کے امتیازات میں شامل ہے کہ وہ سماع ولقاء کے مسئلہ کو بہت اہمیت دیتے ہیں التاریخ الکبیر میں بھی بڑے اہتمام کے ساتھ رواۃ کا اپنے شیوخ سے اور رواۃ سے ان کے تلامذہ کے سماع وعدم سماع کا تذکرہ کرتے ہیں اور اس کے لئے عام طور پر وہ" سمع فلاں ، سمع منہ ، روی عنہ فلاں" کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

مثال: •جبر بن حبیب سمع ام کلثوم روی عنہ شعبۃ والجریری حدثہ عن البصریین
اور عدم سماع کی مثال: لایعرف لزهیر سماع من علقمۃ[31]

☆ امام بخاری رواۃ کی وفات اور علاقے کا تذکرہ بھی کرتے ہیں۔ مثال: ابان بن عمران الطحان والد عمران ومحمد الواسطی ،مات سنۃ ثلاث وسبعین[32]

جرح وتعدیل ذکر کرنے میں منہج

امام بخاری راوی کے ترجمہ کے آخر میں بعض رواۃ پر جرح وتعدیل تین طریقوں سے کرتے ہیں:

1۔ اپنی طرف سے براہ راست حکم لگاتے ہیں

2۔ متقدمین میں سے کسی کی رائے یا قول کو ذکر کرتے ہیں۔(اس میں بسا اوقات ائمہ کا نام لے کر ان کا قول ذکر کرتے ہیں جیسے: وھنہ علی (علی بن المدینی) ، اتھمہ ابن معین ،ترکہ وکیع ، ضعفہ احمد ۔اور کبھی بغیر نام کے۔ جیسے: یتکلمون فیہ ، یتکلمون فی حفظہ ، سکتوا عنہ ، لیس بالقوی عندھم ،ھو لین عندھم)

3۔اور بعض اوقات راوی پر جرح کرنے کی بجائے اس کی روایت پر نقد کرتے ہیں۔

امثلہ:
- محمد بن زاذان ،منکر الحدیث لا یکتب حدیثہ
- الحارث بن شبل عن ام النعمان سمع منہ ھلال بن فیاض لیس بمعروف الحدیث
- حوط، قال عبداللہ بن عبدالوھاب حدثنا خالد ابن الحارث سمع المسعودی سمع حوطا سمع زید بن ارقم قال: لیلۃ القدر لیلۃ تسع عشرۃ وھی لیلۃ القرآن وھذا منکر لا یتابع علیہ[33]

جرح وتعدیل کے الفاظ بطور نمونہ

امام بخاری کے جرح وتعدیل کے الفاظ اور ان سے ان کی خاص مراد تو ایک الگ تحقیقی مقالہ کی متقاضی بحث ہے تاہم یہاں التاریخ الکبیر سے چند الفاظ بطور نمونہ پیش کئے جارہے ہیں:

تعدیل کے لئے الفاظ :صدوق ، ثقۃ ، معروف الحدیث ، مشھور الحدیث اور صدوق حافظ

جرح کے لئے الفاظ: فیہ نظر ، منکر الحدیث لایکتب حدیثہ،لایکتب حدیثہ ، لیس بمعروف الحدیث، ضعیف اور متروک

التاریخ الکبیر میں جرح وتعدیل کا تناسب

☆ التاریخ الکبیر کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس میں امام بخاری نے جرح وتعدیل کا زیادہ اہتمام نہیں کیا اور اکثر مقامات پر راوی کا نام ،ولدیت ،نسبت ،علاقہ اور اس کے شیوخ و تلامذہ کا تذکرہ کرنے پر ہی اکتفا کیا ہے۔ جرح وتعدیل کم ہونے کی وجہ ابن عدی نے یوں بیان کی ہے: مراد البخاری ان یذکر کل راو ولیس مرادہ انہ ضعیف اوغیر ضعیف وانما یرید کثرۃ الاسامی[34]

امام بخاری کا مقصود یہ تھا کہ وہ اس میں ہر راوی کا تذکرہ کر دیں قطع نظر اس سے کہ وہ ضعیف ہے یا غیر ضعیف۔ وہ چاہتے تھے کہ اس میں زیادہ سے زیادہ رواۃ کے ناموں کو محفوظ کر لیا جائے۔

☆ اگر التاریخ الکبیر میں کی گئی جرح وتعدیل کو دیکھا جائے تو یہ بات بھی واضح ہو گی کہ التاریخ الکبیر میں رواۃ کا تذکرہ کرتے ہوئے تعدیل کی نسبت جرح زیادہ ہے۔

الدکتور خالد بن منصور رقمطراز ہیں: من خلال اطلاعی علی کتاب التاریخ الکبیر لاحظت ان نصوص البخاری فی تعدیل الرواۃ وتوثیقھم قلیلۃ جدا بل نادرۃ --[35]

اسی طرح عبداللہ بن یوسف الجدیع تحریر علوم الحدیث میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس (التاریخ الکبیر) میں تعدیل کو ذکر کرنے کا التزام نہیں کیا۔ یہ بہت کم اور کبھی کبھار ذکر کی ہے تاہم انہوں نے مجروح رواۃ کی جرح کو ذکر کرنے کا التزام ضرور کیا ہے۔[36]

جن رواۃ پر امام بخاری نے سکوت اختیار کیا ان کا حکم

امام بخاری نے التاریخ الکبیر میں بہت سے ایسے راوی ہیں جن پر سکوت اختیار کیا ہے تو اس خاموشی اور سکوت کو مطلقا تعدیل سے تعبیر کرنا درست معلوم نہیں ہوتا بلکہ ایسا راوی ثقہ بھی ہو سکتا ہے اور مجروح بھی۔ عبدالعزیز بن محمد بن ابراہیم لکھتے ہیں: لایعتبر سکوت البخاری وابن ابی حاتم عن توثیق الراوی وتضعیفہ توثیقا لہ ولا جرحا فیہ[37]

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جس راوی پر امام بخاری سکوت اختیار کریں تو اس کے ثقہ یا ضعیف وغیرہ ہونے کے ہر دو احتمال موجود ہیں اس کو راوی کی کسی خاص ایک حیثیت پر محمول نہیں کیا جائے گا۔

التاریخ الکبیر میں رواۃ کے ترجمہ میں احادیث ذکر کرنے کی حکمت

امام بخاری کا یہ طریقہ ہے کہ وہ کچھ رواۃ کے احوال کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی روایت کردہ ایک یا دو احادیث ایک خاص اور لطیف حکمت کے تحت ذکر کرتے ہیں یوں کتاب میں ان بیان کردہ احادیث وروایات کی تعداد پانچ ہزار سے تجاوز کر گئی ہے۔

عبدالرحمٰن بن یحییٰ المعلمی کا موقف ہے کہ اس سے امام بخاری کا مقصود اس راوی کے "وھن" کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے، ابن یحییٰ لکھتے ہیں:

فان من شان البخاری ان لا یخرج الخبر فی التاریخ الا لیدل علی وھن راویہ[38]

پس امام بخاری کا یہ طریقہ ہے کہ وہ التاریخ میں جو بھی خبر ذکر کرتے ہیں اس سے ان کا مقصود اس روایت کے راوی کی ثقاہت میں کمزوری کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے۔

امام بخاری کی احادیث ذکر کرنے کی حکمت کو الدکتور عزیز رشید محمد الدایینی نے زیادہ وضاحت اور صراحت سے بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

بینما کانت عدد الاحادیث التی اوردھا وتکلم علیھا صحۃ و ضعفا وتعلیلا تزید علی خمسۃ آلاف حدیث فنجدہ یقول : ھذا حدیث اصح او لا یصح او لا یثبت او یبین ما فیھا من ارسال او انقطاع او تعارض او وقف او رفع او وصل اوارسال او قلب اسناد او قلب اسم راو او ابدال راو براو او اسناد باسناد ونماذج کثیرۃ جدا، وھو لا یرید الا نقد الرجال فھو المقصود الاول من وراء ایراد ھذہ الاخبار۔ [39]

وہ احایث جن کو امام بخاری نے ذکر کیا اور ان پر ان کی صحت، ضعف اور ان کے معلول ہونے کے اعتبار سے کلام کیا، ان کی تعداد پانچ ہزار سے زائد ہے، پس ہم ان کو یوں کلام کرتے ہوئے پاتے ہیں: یہ حدیث زیادہ صحیح ہے، یا یہ حدیث صحیح نہیں ہے، یا یہ ثابت نہیں ہے، یا وہ ان احادیث کی اسناد میں انقطاع، تعارض، وقف (حدیث کا موقوف ہونا)، رفع (حدیث کا مرفوع ہونا)، وصل (حدیث کا موصول ہونا)، ارسال، سند کا تبدیل ہونا، کسی راوی کے نام کا دوسرے راوی کے نام سے تبدیل ہو جانا یا کسی سند کا کسی اور سند سے تبدیل ہو جانے کو واضح کرتے ہیں۔ اس جیسی اس کتاب میں بہت زیادہ مثالیں ہیں پس ان احادیث کو ذکر کرنے میں ان کا اصل مقصد نقد رجال کرنا ہی ہوتا ہے۔

دکتور دایینی نے اسس الحکم میں 25 کے قریب ایسے رواۃ (جن کے ترجمہ میں امام بخاری نے احادیث ذکر ہیں) کا تذکرہ کر کے ہر مقام پر امام بخاری کی روایت ذکر کرنے کی حکمت اور وجہ بیان کی ہے۔

دکتور موصوف کی تفصیلی بحث سے ایک مثال ذیل میں بیان کی جارہی ہے:

امام بخاری کسی خاص ترجمہ میں حدیث مترجم کا ضعف صراحت سے بیان کرنے کے لئے لاتے ہیں اور وہ اس حدیث کو اپنے موقف کی دلیل کے طور پر پیش کرنے کے ارادہ سے ذکر کرتے ہیں۔ اس کی مثال: محمد بن فرات الکوفی ابو علی التمیمی کی ہے جو محارب سے اور محارب ابن عمر سے اور وہ آگے نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا بلاشبہ جھوٹی گواہی دینے والے اپنی جگہ سے ہلنے نہ پائیں گے کہ

ان پر جہنم واجب ہو جائے گی، اس کو یحییٰ بن اسماعیل نے "منکر الحدیث" کہا ہے۔ اور محمد بن فرات، یہ کذاب ہے جیسا کہ تہذیب الکمال میں اس کے ترجمہ میں مذکور ہے اور جھوٹی گواہی کے متعلق اس کی حدیث موضوع ہے اس حدیث کو ابن ماجہ وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔[40]

نتائجِ بحث

☆ امام بخاری فن اسماء الرجال کے ایک جلیل القدر امام ہیں۔

☆ التاریخ الکبیر فن اسماء الرجال کی بنیادی کتب میں سے ہے اور یہ علمی حلقوں میں مقبول کتاب ہے۔

☆ جلیل القدر محدثین جیسا کہ امام مسلم بن حجاج، امام دار قطنی، عبد الرحمٰن بن ابی حاتم، امام نسائی ،ابو احمد حاکم، امام ترمذی، امام بیہقی اور ابن حجر عسقلانی رحمھم اللہ نے اپنی کتب تالیف کرتے وقت التاریخ الکبیر سے بھرپور استفادہ کیا۔

☆ التاریخ الکبیر کی متعدد اسناد ہیں جن میں محمد بن سہل کردی اللغوی کی روایت کردہ التاریخ مشہور اور مطبوع ہے

☆ دنیا کی بڑی لائبریریز میں التاریخ الکبیر کے مکمل یا اجزاء کی شکل میں مخطوطات موجود ہیں۔

☆ التاریخ الکبیر کو سب سے پہلے مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد، دکن ہند نے مرحلہ وار شائع کیا۔

☆ التاریخ الکبیر میں امام بخاری نے دقیق منہج اختیار کیا ہے جس کو اہل فن ہی سمجھ سکتے ہیں۔

☆ کتاب الف بائی ترتیب سے مرتب ہے۔

☆ کتاب میں اختصار کا منہج اختیار کیا ہے اور رواۃ کے احوال کو جمع کرنے کا زیادہ اہتمام کیا گیا ہے

☆ کتاب میں تعدیل کی نسبت جرح زیادہ ہے۔

☆ کتاب میں رواۃ کا تذکرہ کرتے وقت امام بخاری نے کئی مقامات پر متعلقہ راوی کی بیان کردہ احادیث کو بھی ذکر کیا ہے، جس سے امام بخاری کی ایک خاص مراد ہوتی ہے اور اکثر اس سے وہ راوی کے ضعف کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

حوالہ جات

1 تفصیل کے لئے دیکھیں:

☆خطیب بغدادی، احمد بن علی ابو بکر، تاریخ بغداد، بیروت لبنان، دار الکتاب العربی، سن ند، ۲: ۴

☆ سبکی، تاج الدین عبد الوہاب بن علی بن عبد الکافی (771ھ)، طبقات الشافعیہ الکبریٰ، دار احیاء الکتب العربیۃ، ۲: ۲۱۲

☆ذہبی، محمد بن احمد بن عثمان، سیر اعلام النبلاء، موسسۃ الرسالۃ بیروت 1403ھ، : ۳۹۳

☆القاسمی، جمال الدین محمد الدمشقی، حیاۃ البخاری، بیروت لبنان، دار النفائس، 1412ھ، : ۱۶

2 خطیب بغدادی، احمد بن علی بن ثابت، ابو بکر، تاریخ بغداد، بیروت لبنان، دار الکتاب العربی، سن ند، ۲: ۷

3 ابن عدی جرجانی، عبد اللہ بن عدی ابو احمد، الکامل فی ضعفاء الرجال، دار لفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، ۲: ۸۲۴

4 خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۲: ۷

5 ذہبی، محمد بن احمد بن عثمان، سیر اعلام النبلاء، بیروت، موسسۃ الرسالۃ، 1403ھ، ۱۲: ۲۴۶

6 خطیب بغدادی، احمد بن علی بن ثابت، ابو بکر، تاریخ بغداد، ۲: ۸

7 ایضا، الجامع الاخلاق الروی وآداب السامع، الریاض، مکتبۃ المعارف، 1403ھ، ۲: ۱۸۶۔۱۸۷

8 ابن ندیم، محمد بن ابی یعقوب اسحاق، ابو الفرج، الفہرست، بیروت لبنان، دار الکتب العلمیہ، 1422ھ، : ۲۰۶

9 سخاوی، محمد بن عبد الرحمٰن شمس الدین، الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ، بیروت لبنان، دار الکتب العربی، 1399ھ، : ۱۱۰

10 ابن رجب الحنبلی، شرح علل الترمذی، اردن، مکتبۃ المنار، 1407ھ، ۱: ۳۱۔۳۲

11 زرقی، عادل بن شکور الدکتور، تاریخ البخاری، : ۵۰

12 ابن رجب، شرح العلل، ۱: ۳۲

13 ابن ابی حاتم، عبد الرحمٰن الرازی، ابو محمد، بیان خطاء محمد بن اسماعیل البخاری فی تاریخہ، حیدر آباد، دکن ہند، مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ، 1380ھ، : ۲

14 عقیلی، الضعفاء، ۴: ۲۹۲

15 بخاری، محمد بن اسماعیل، ابو عبد اللہ، التاریخ الکبیر، حیدر آباد، دکن ہند، دائرۃ المعارف، ۱: ۳

16 خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۲: ۷

17 مقدمۃ، موضح لاوھام الجمع والتفریق، ۱: ۲۶

18 زرقی، عادل بن شکور الدکتور، تاریخ البخاری، : ۳۷۔۳۹

19 بخاری، التاریخ الکبیر، ۷: ۴۴۲؛ ۸: ۴؛ ۱: ۴۶۴؛ ۲: ۴۰۰؛ ۳: ۵۲۶؛ ۴: ۳۷۸؛ ۵: ۴۵۶؛ ۶: ۵۴۵

20 بخاری، التاریخ الکبیر، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، فروری 2001ء

21 ایضا، ۱: ۱۱

22 الجدیع، عبد اللہ بن یوسف، تحریر علوم الحدیث، بیروت لبنان، موسسۃ الریان للطباعۃ والنشر التوزیع، 1424ھ، ۱: ۵۰۶

23 خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۲:۷

24 ذہبی، سیر اعلام النبلاء، 1403ھ، ۱۱:۱۱۸

25 خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۲:۸

26 بخاری، التاریخ الکبیر، ۱:۱۴۴

27 ایضا، ۲:۲۳۱

28 ایضا، ۷:۵۲

29 ایضا، ۵٦:۷

30 ایضا، ۲:۲۷٦

31 ایضا، ۱:۲۹۵۔۳۰۷؛ ۲:۲۴۳۔۲۴۵

32 ایضا، ۱:۴۵۵

33 ایضا، ۱:۸۸؛ ۲:۱۷۱۔۲۷۳

34 ابن عدی، الکامل فی ضعفاء الرجال، ۳:۲٦۷

35 خالد بن منصور، الدکتور، الحدیث الحسن لذاتہ ولغیرہ، دار اضواء السلف للنشر والتوزیع، 1426ھ، ۱:۴۱۳

36 الجدیع، تحریر علوم الحدیث، ۱:۵۰٦

37 عبدالعزیز بن محمد بن ابراہیم العبد اللطیف، الریاض، ضوابط الجرح والتعدیل، مکتبۃ العبیکان، :۹۲

38 الصبحی، ابوانس ابراہیم بن سعد، النکت الجیاد المنتخبۃ من کلام شیخ النقاد ذھبی العصر العلامۃ عبدالرحمٰن بن یحییٰ المعلمی الیمانی، الریاض، دار طیبۃ للنشر والتوزیع، المملکۃ العربیہ السعودیۃ، ط1، 2010ء، ۲:۸۸

39 الدہینی، عزیز رشید محمد، الدکتور، اسس الحکم علی الرجال حتی نھایۃ القرن الثالث الھجری، بیروت لبنان، دار الکتب العلمیۃ، 1427ھ:۱۳۴

40 دہینی، اسس الحکم علی الرجال حتی نھایۃ القرن الثالث الھجری، :۱۳۴-۱۵۵

سیرت النبی ؐ کلام اقبال کے آئینے میں

*شگفتہ فردوس

**یاسمین کوثر

Abstract

Mankind was introduced to Islam by the our beloved prophet Muhammad (Peace be upon him). Allah acknowledged greatness of this precious Being in the Qur'an and made his obedience necessary with His obedience. His praise has been the favorite subject of our Ummah. In every period and era, scholars and poets paid tribute to his charismatic personality in their own styles. One of the great names of them is Allama Iqbal who is devoted to his love of the Holy Prophet (PBUH). Especially in his poetry he presented his comprehensiveness and integrity as a practical model of the Qur'anic teaching. Iqbal's poetry presents Holy Prophet's (PBUH) character as example for the Ummah. Iqbal strongly desired mankind and especially Muslims to follow Holy Prophet's (PBUH) teaching to succeed in this world and hereafter.

رسولانِ عظام میں رسولِ اکرمؐ شبِ تارِ الست میں پھوٹنے والا وہ اولیں نور ہیں جو پیکرِ خاکی میں ڈھل کر نمودار ہوا تو کائنات کو اپنے فکر و عمل سے بقعۂ نور بنا دیا، جہالت و ظلمت کی تاریکیوں میں غلطاں اہلِ عرب کو فصاحت و بلاغت سے آشنا کیا۔ اپنے قول و فعل سے نسلِ انسانی کے تحفظ، بقا اور فلاح کا وہ در وا کیا جو تا قیامت بہترین انسانی منشور بنا۔ اِسی حسنِ صورت و حسنِ سیرت کے پیکر کو تمام انبیاء و رُسل کی شخصی صفات کا جامع بنا کر اللہ ربّ العزت نے خود فرمادیا کہ "ورفعنا لک ذِکرک۔"[1] یہی وجہ ہے کہ سیرت نگاری اُمتِ مسلمہ کا محبوب موضوع رہا اور ہر دور میں آپؐ کی کرشماتی شخصیت کو علما و شعراء نے اپنے اپنے انداز میں خراجِ تحسین کیا جیسا کہ ڈاکٹر حافظ محمد ثانی لکھتے ہیں:

"رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت، آپؐ کی حیاتِ طیبہ، شمائل و خصائل کا بیان اُمتِ محمدیؐ کا محبوب موضوع رہا ہے، دورِ رسالتؐ سے صحابہؓ اور صحابیاتؓ نے اسے روایت و قلم بند کرنا شروع کیا اور یہ محبوب مشغلہ آج تک اُمت میں جاری و ساری ہے۔ زمان و مکاں کا ہر دور، ہر زمانہ اور ہر دن رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، ذرہ ذرہِ کائنات سرورِ کائنات علیہ الصلوٰاۃ والسّلام کی اکملیت و جامعیت اور مدحت و رفعتِ ذکر کا شاہد ہے۔"[2]

اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مطابق سیرت کا اطلاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعاتِ

---

*اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو/ڈائریکٹر اسٹوڈنٹ افیئر، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

**جزوقتی لیکچرار شعبہ اردو، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

زندگی (سوانح) پر ہوتا رہا ہے اور اب بھی اس کا خصوصی مفہوم یہی ہے۔[3] علامہ اقبال نے سیرت پاکؐ کے ان تمام جملہ شمائل وخصائل کو اپنی فکر کا مرکز و محور بنایا۔ آپؐ سے عقیدت، وارفتگی و شیفتگی کا تجزیہ کرنے کے لیے ان کے خیالات کو تین حصوں، حب نبویؐ، شمائل نبویؐ اور خصائل نبویؐ میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔

1۔حب نبویؐ:

علامہ اقبال بے مثل شعری صلاحیتوں کے حامل تھے ان کا فارسی و اُردو کلام ہو یا نثر میں اُن کے خطوط و خطبات، سب حبِّ الٰہی اور اطاعتِ رسولؐ سے لبریز ہیں۔ ان کی شاعری میں نبی اکرم سے محبت کا اختصاصی رنگ جھلکتا ہے۔ وہ ایک سچے مسلمان اور عاشقِ رسولؐ تھے۔ ان کی آپؐ سے محبت کا یہ عالم تھا کہ آپؐ کا نام مبارک سن کر آنکھوں میں آنسو آجاتے، بے پناہ وارفتگی و رقت قلب پیدا ہو جاتی جیسا کہ "روزگار فقیر" میں سید وحید الدین فقیر نے بھی لکھا:

"ذات رسالت مآبؐ کے ساتھ انھیں جو والہانہ عقیدت تھی اُس کا اظہار اُن کی چشم نمناک اور دیدہ تر سے ہوتا تھا کہ جہاں کسی نے اُن کے سامنے حضورؐ کا نام لیا ان پر جذبات کی شدت اور رقت طاری ہو گئی اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہو گئے"[4]

اسی طرح مولانا عبد المجید سالک، علامہ اقبال کی رسول اکرمؐ سے بے پایاں محبت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ان کے گداز قلب اور رقت احساس کا یہ عالم تھا کہ جہاں ذرا حضور سرور کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت و رحمت یا حضور سرور کائنات کا ذکر آتا تو حضرت علامہ کی آنکھیں بے اختیار اشک بار ہو جاتیں اور دیر تک طبیعت نہیں سنبھلتی۔"[5]

اس کیفیت کے باوجود آپؐ کی سیرت کے بیان میں علامہ اقبال نے غلو سے کام نہیں لیا بلکہ آسان انداز میں اپنا مؤقف بیان کرتے تاکہ بات سننے والے کے دل تک رسائی حاصل کرے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر طاہر فاروقی رقمطراز ہیں:

"علامہ اقبال کی طبیعت میں اس قدر سوز و گداز تھا اور آپ حبِّ رسولؐ میں اس قدر سرشار تھے کہ جب کبھی حضور علیہ السلام کا ذکر خیر ہوتا بے تاب ہو جاتے اور دیر تک روتے رہتے۔ اگر کسی وقت آپ سرکار دو

عالم کی سیرت پاک کے کسی عنوان پر گفتگو فرمانے لگتے تو ایسی عام فہم، سیر حاصل اور شگفتہ بحث کرتے تھے کہ ہر موافق و مخالف گرودہ ہو جاتا تھا۔"[6]

علامہ اقبال کی اس والہانہ عقیدت کا اندازہ ان کی ان نظموں سے بھی لگایا جا سکتا ہے جس میں ان کی مدح کا مرکز و محور آپؐ کی ہستی ہے ان کی مدحت میں وہ کہتے ہیں کہ اس فلک کا خیمہ ان ہی کے نام سے ایستادہ ہے، اور اسی سے زندگی میں حرکت و حرارت ہے وہ اس نام سے نسبت کو سرمایہ حیات اور فخر و توقیر کا ذریعہ قرار دیتے ہوئے "اسرار خودی" میں فرماتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کے دلوں میں آپؐ کی محبت بستی ہے:

در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰؐ است　　　آبروئے ماز نامِ مصطفیٰؐ است [7]

اس شعر کی وضاحت کرتے ہوئے پروفیسر محمد عثمان لکھتے ہیں:

"(ان کی) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت محض جذباتی یا مذہبی نوعیت کی نہیں رہتی یہ محبت شخصی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک نصب العین، ایک اسوۂ حسنہ، انسانی سیرت کی ایک معراج سے محبت ہے۔"[8]

علامہ اقبال کا کلام قرآن و حدیث کے آفاقی پیغام کی ہی وضاحت کرتا ہے۔ جو مومنین پر واضح کرتا ہے کہ رسول اکرم سے نہ صرف محبت کی جائے بلکہ تقویٰ اختیار کرنے والا آپؐ کے اتباع کو اپنے اوپر لازم کرلے۔ انہوں نے آپؐ کی سیرتِ مبارکہ اور اوصافِ حمیدہ کو مسلمانوں کے لیے مشعل راہ اور راہِ نجات قرار دے کر اسے دین کی اصل روح کہا اور اس سے دوری کفر و گمراہی قرار دی:

بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست　　　اگر بہ او نرسیدی، تمام بولہبی است [9]

"خود کو مصطفیٰؐ تک پہنچاؤ کہ اصل دین یہی ہے۔ اگر ان تک آپ نہ پہنچ سکے تو سب بولہبی ہے یعنی کفر ہے"

اس کی بنیادی وجہ ہے کہ خدا کی ذات کے لیے ایمان بالغیب کی ضرورت ہے اور نبی رحمت کی ہستی تو مجھ پر آشکار ہے۔

باخدا در پردہ گویم، با تو گویم آشکار یا رسول اللہ! او پنہاں و تو پیدائے من [10]

"یا رسول اللہ! میں تو اللہ سے بھی آپؐ کے توسط سے بات کرتا ہوں، کیونکہ وہ میری آنکھ سے پنہاں ہے۔ اور آپؐ میرے سامنے ظاہر ہیں"

اقبال کا یہ کہنا اس لیے بھی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی عملی تفسیر تھے آپؐ کوئی بات بھی اپنی مرضی سے نہ کہتے، بلکہ اللہ کے حکم کو لوگوں تک پہنچانے کا ذریعہ تھے۔ اللہ نے قرآن میں جہاں حضرت محمدؐ کی عظمت و فضیلت بیان کی اور جہاں اپنی اطاعت کا ذکر کیا وہیں اتباعِ رسول کو لازم قرار دیتے ہوئے فرمایا:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا"[11]

"جس نے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حکم مانا بے شک اُس نے للہ (ہی) کا حکم مانا، اور جس نے رُوگردانی کی تو ہم نے آپؐ کو اُن پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔"

اور سورہ انفال میں بھی فرمادیا گیا:

"اے ایمان والو! تم اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس سے روگردانی مت کرو۔"[12]

یہی وجہ ہے کہ اقبال ان کی سیرت طیبہ کی پیروی کو وجہ نجات تصور کرتے ہیں۔ قرآن میں اطاعتِ الٰہی کے ساتھ رسولؐ سے محبت کو ایمان کا لازمی جزو قرار دیا گیا اقبال اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ جہاں دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے لیے اللہ کی وحدانیت کو ماننا ضروری ہے وہیں ختم نبوت پر ایمان لائے بغیر ہمارا ایمان مکمل ہو ہی نہیں سکتا ایک حدیث میں بھی آپؐ نے فرمایا:

"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب اور عزیز نہ ہو جاؤں۔"[13]

می توانی منکر یزداں شدن منکر از شان نبی نتواں شدن[14]

"تو (اے مخاطب) کسی نہ کسی طرح خدا کا تو منکر ہو سکتا ہے۔ لیکن رسالت محمدی کا منکر نہیں ہو سکتا"

قرآن سیرت النبیؐ کا اولین مآخذ ہے۔ آپؐ کو قرآن کی عملی تفسیر بنا کر مبعوث کیا گیا، اقبال اس حقیقت سے بخوبی آشنا تھے کہ راہ نجات کے لیے اور شفاعت کے لیے نبی اکملؐ سے بڑھ کر کوئی اہم نہیں۔ انھیں آپؐ سے بے پناہ محبت تھی حتی کہ اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ بروز قیامت میرے محبوب کے سامنے میرے گناہوں کی بخشش کر دینا میں اس کے سامنے اس کے امتی کی حیثیت سے شرمسار نہیں ہونا چاہتا۔

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر روزِ محشر عذر ہائے من پذیر

در حسابم را تو بینی ناگزیر از نگاہ مصطفیٰؐ پنہاں بگیر[15]

"اے خداوند قدوس تو تو دونوں جہاں سے بے نیاز ہے اور میں فقیر و محتاج ہوں۔ تیری بے نیازی کا تقاضا تو یہ ہے کہ محشر کے دن میرے عذر قبول فرما۔ اور اگر میرا حساب لینا ضروری ہے تو (میرے محبوب) محمد مصطفیٰؐ کی نظروں سے پوشیدہ لینا۔ تاکہ میرے محبوب کے سامنے مجھے شرمندہ نہ ہونا پڑے"

2۔ شمائل نبویؐ:

علامہ اقبال نے آپؐ کے شمائل کو بیان کرنے میں روایتی طرز اختیار کرنے کے بجائے اپنا انفرادی انداز اپنایا، جیسا کہ آپؐ کے سراپا اور حسن و جمال کو ہر دور کے شعرانے موضوع شعر بنایا حتیٰ کہ عہد نبویؐ میں ثناخوانِ مصطفیٰؐ نے آپؐ کی مدح و توصیف میں اشعار کہے، ان میں ایک جلیل القدر صحابی حضرت حسّان بن ثابتؓ بھی تھے جنھیں "شاعر رسولؐ" کا خطاب ملا۔ آپؓ نے رسول اکرمؐ کے حسن و جمال کے حوالے سے فرمایا:

اَحْسَنُ مِنْکَ لَمْ تَرَ قَطّ عَیْنِی   اَجْمَلُ مِنْکَ لَمْ تَلِدَ النِّسَاء
خُلِقْتَ مُبراً مِنْ کُلَّ عَیْبِ   کانَّکَ قَدْ خُلِقْتَ کَما تَشَاءُ[16]

"آپ سے زیادہ خوب رو میری آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا اور نہ ہی آپؐ سے زیادہ صاحب جمال کو عورتوں نے کبھی جنا ہے۔ آپؐ ہر طرح کے عیوب و نقائص سے پاک پیدا کیے گئے ہیں گویا کہ آپؐ اپنی حسب خواہش پیدا ہوئے ہیں"

اقبال نے اپنے وصف شعری کو استعمال کرتے ہوئے قرآن کریم کو اساس بنایا اس لیے یہ کہنا بجا ہے کہ علامہ کا یہ نظریہ خود قرآن سے ماخوذ ہے جہاں جمالیات کا خالق اور اس سے محبت رکھنے والا استعاراتی پیرائے میں آپؐ کے رُخ زیبا کی ستائش ان الفاظ میں کر رہا ہے:

وَ الضُّحٰی۔ وَ الَّیْلِ اِذَا سَجٰی۔مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَ مَا قَلٰی[17]

"قسم ہے چاشت (کی طرح چمکتے ہوئے چہرۂ زیبا) کی۔ اور سیاہ رات (کی طرح شانوں کو چھوتی ہوئی زلفوں) کی۔ آپؐ کے رب نے (جب سے آپؐ کو منتخب فرمایا ہے) آپؐ کو نہیں چھوڑا اور نہ (جب سے آپؐ کو محبوب بنایا ہے) ناراض ہی ہوا ہے۔"

اس کائناتِ رنگ و بو کا حسن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رہین منت ہے، اسی کے فیض سے اس جہاں میں حسن کے سبھی استعارے قائم ہیں۔ آپؐ کے اسی رُخ انور کی تجلیوں کا بیان علامہ اقبال نے "جاوید نامہ" میں اس خوبصورت پیرائے میں کیا:

ہر کجا بینی جہانِ رنگ وبُو آن کہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفیٰؐ اُو را بہا است یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰؐ است [18]

"اس جہانِ رنگ و بو میں جہاں بھی دیکھیں، اس خاک سے جو بھی آرزو ہویدا ہوتی ہے، وہ یا تو نورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چمک رہی ہے یا ابھی تک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں ہے"

3۔ خصائل نبویؐ:

اقبال نبی آخر الزماں کی صفتِ رحمت کے ثناخواں بھی رہے اور کیوں نہ ہو جب کہ آپؐ کے اوصاف و، کمالات اور فضائل و خصائل کا بیان قرآن کریم میں بارہا ملتا ہے، اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث کیا جیسا کہ سورۃ "الانبیاء" میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ [19]

"اور (اے رسولِ محتشم!) ہم نے آپؐ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر"

اقبال آپ کو احسن الخالقین کی تخلیق کا شہکار قرار دیتے ہیں جس کو رحمت، جمال اور کاملیت سے آمیز کر کے حسنِ تخلیق کا نمونہ پیش کیا گیا، وہ تمام صفات جو انبیا کرام کو الگ الگ دی گئیں آپ میں جمع کر دی گئیں:

خلق و تقدیر و ہدایت ابتدا است رحمۃ للعالمینی انتہا است [20]

"مخلوق، تقدیر اور ہدایت تخلیق کے مراحل میں اول درجہ جب کہ رحمۃ للعالمین کمالِ تخلیق کے انتہائی درجے پر ہیں"

اسی طرح سورہ "توبہ" میں آپؐ کی شفقت و محبت کے حوالے سے فرمایا:

لَقَدْ جَآئَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَئُوْفٌ رَّحِيْمٌ [21]

"بے شک تمہارے پاس تم میں سے (ایک باعظمت) رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف لائے۔ تمہارا تکلیف و مشقت میں پڑنا ان پر سخت گراں (گزرتا) ہے۔ (اے لوگو!) وہ تمہارے لیے (بھلائی اور ہدایت کے) بڑے طالب و آرزو مند رہتے ہیں (اور) مومنوں کے لیے نہایت (ہی) شفیق، بے حد رحم فرمانے والے ہیں"

اقبال نے رحمتِ عالمؐ کی انہی صفات کو موضوع شعری بنایا اور آپؐ کی توصیف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ہست شانِ رحمتِ گیتی نواز آرزو دارم کہ میرم در حجاز[22]

"وہ ایسی شان والا ہے کہ جو سب جہانوں کے لیے رحمت عالم ہے۔ میری یہ آرزو ہے کہ میں بھی حجازِ مقدس جاؤں"

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز تھے۔ حضورؐ کے حسن خلق کو آپؐ کے بدترین دشمن بھی تسلیم کرتے تھے۔ اللہ رب العزت نے آپؐ کے خلق کے بارے میں فرمایا:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ[23]

"اور بے شک آپؐ عظیم الشان خلق پر قائم ہیں (یعنی آدابِ قرآنی سے مزیّن اور اَخلاقِ اِلٰہیہ سے متصف ہیں"

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل، وہی آخر وہی قُرآں، وہی فُرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ[24]

4۔ حقوق انسانی پر زور:

اقبال ایک سچے عاشق رسولؐ تھے اور ان کی زندگی کی بہت بڑی خواہش تھی کہ وہ روضہ رسولؐ پر حاضری دیں لیکن ان کی یہ خواہش ان کی زندگی میں پوری نہ ہو سکی۔ اسی خواہش کا اظہار ان کے اس شعر سے ہوتا ہے۔ حقوق انسانی پر آپؐ نے خصوصی توجہ فرمائی جیسا کہ نبیؐ اکرم نے ماں کی فضیلت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا جنت ماں کے قدموں تلے ہے اور اپنی رضائی والدہ کی خدمت اور احترام میں کبھی کمی نہیں آنے دی۔ اقبال آپؐ کی اس خوبی کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

گفت آں مقصود حرفِ 'کن فکاں' زیر پائے اُمہات آمد جناں[25]

"حضورؐ جو کائنات کے مقصود تھے وہ فرماتے ہیں کہ ماں کے قدموں تلے جنت ہے"

اقبال نے اپنی والدہ کی وفات پر ایک نظم "والدہ مرحومہ کی یاد میں" تحریر کی جس میں انھوں نے ماں سے محبت بھرے جذبات اور اس کے بلند مقام کو پیش کیا۔

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو شخصی اوصاف میں جامعیت و کاملیت عطا کر کے کل جہان کے لیے قرآنی تعلیمات کا ایک عملی نمونہ بنا دیا۔ صدیوں سے باہم دست و گریباں اہل عرب کو دین کے نام پر باہم محبت و اُلفت کی اُس لڑی میں پرو دیا جس نے رنگ و نسل کے امتیازات سے ماورا ہو کر اسلام کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا تو مشرق و مغرب میں اسلام کی سرفرازی کے علم بلند کر دیے۔ وہیں آپؐ کو شفاعت کا حق دیا۔ آپؐ کو آخری نبی بنا کر بھیجا گیا آپؐ کی ہستی چلتا پھرتا قرآن تھی۔ اقبال نے حضورؐ کی سیرت کو قرآن کے آئینے میں سمجھنے کی کوشش کی ہے کیونکہ اس کی تفہیم کے بغیر دین کو سمجھنا بھی ممکن نہیں:

وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل، جس نے غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادی سینا[26]

علامہ اقبال نے مساواتِ نبویؐ کو اپنی شاعری کا موضوع بنا کر اسے فلاح و بقائے انسانی کے لیے ضروری قرار دیا۔ آپؐ نے دنیا کو انسانی مساوات کا اعلیٰ ترین نمونہ بنا کر پیش کیا۔ آپؐ نے حضرت زید بن حارثہؓ کو آزاد کر کے اپنا متبنیٰ بنایا، حضرت بلالؓ حبشی کو مؤذن بنا کر اس مقام پر فائز کیا جہاں کبار صحابی کرام آپؓ کو سیدنا کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ اقبال نے "رموز بے خودی" میں "عرض حال مصنف بحضور رحمت اللعالمین ﷺ" میں اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کیا ہے:

در جہان شمع حیات افروختی بندگاں را خواجگی آموختی

بے تو از نابود مندیہا خجل پیکران ایں سرائے آب و گل

تادم تو آتشے از گل کشود تودہ ہائے خاک را آدم نمود

ذرہ دامن گیر مہر و ماہ شد یعنی از نیروے خویش آگاہ شد[27]

"آپؐ کے مبارک چہرے کی بدولت یہ جہاں درخشاں ہے۔ سب آپؐ کے غلام ہیں۔ آپؐ کی مبارک ہستی کی بدولت اس کائنات کی عزت ہے اور آپؐ کا فقر اس کائنات کی دولت ہے۔ آپؐ نے زندگی کو روشن کیا

اور غلام ولاچار کو آقا بننے کا طریقہ سکھایا۔ آپؐ کے بغیر یہ دنیا بے وقعت تھی، سب مٹی کے ڈھیر تھے۔ بے حیثیت لوگوں کو عرفان ذات مل گئی۔ گویا ذرے کو آفتاب بنادیا"

در نگاہِ او یکے بالا و پست   با غلام خویش بر یک خوان نشست [28]

"آپؐ کی نظر میں پست و بلند سب برابر تھے۔ اور غلام کے ساتھ بیٹھ کر ایک ہی دستر خوان پر کھانا کھاتے"

عفو در گزر آپؐ کی صفت جمالی ہے آپؐ نہایت نرم گفتار، شگفتہ لہجے کے مالک اور انتہائی متحمل مزاج کی شخصیت تھے۔ آپؐ ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے۔ غلاموں کی غلطیوں کو نظر انداز کر دیتے۔ آپؐ کی اسی نرم مزاجی، اور نرم گفتار نے اُن کے حریفوں کو بھی اطاعت پر مجبور کر دیا۔ اقبال آپؐ کی اس صفتِ کریمی کے بارے میں فرماتے ہیں:

درونِ او دلِ درد آشنائے   چو جوئے در کنارِ کوہسارے [29]

"ان کا دل درد آشنا تھا جیسے اک ندی پہاڑ کے ساتھ ہو۔) دشمنوں کے سامنے آپؐ پہاڑ جیسی مضبوط شخصیت کے مالک تھے وہ حق و باطل کے معرکے میں انصاف کو ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے"

اللہ سبحانہ وتعالیٰ قرآن میں آپؐ کی ذاتِ اقدس کی خوشخبری دینے والی صفات کے حوالے سے فرماتے ہیں:
یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًاo وَّدَاعِیًا اِلَی اللهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا [30]

"اے نبیِّ (مکرّم!) بے شک ہم نے آپؐ کو (حق اور خَلق کا) مشاہدہ کرنے والا اور (حُسنِ آخرت کی) خوش خبری دینے والا اور (عذابِ آخرت کا) ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور اُس کے اِذن سے اللہ کی طرف دعوت دینے والا اور منوّر کرنے والا آفتاب (بنا کر بھیجا ہے)"

علامہ اقبال آپؐ کی سیرت کی رعنائی اور معجزاتِ نبویؐ کو اپنے ایک شعر میں سمیٹتے ہوئے یوں فرماتے ہیں:

آنکہ مہتاب از سر انگشتش دو نیم   رحمتِ اُو عام و اخلاقش عظیم [31]

"وہی ہیں جنھوں نے چاند کو اپنی انگلیوں (کے اشارے) سے دو ٹکڑوں میں تقسیم کیا۔ ان کی رحمت عام تھی اور ان کا اخلاق عظیم تھا"

قرآن میں سورۃ "القمر" (1۔3) اور حدیث میں بھی حضورؐ کے شق القمر کا معجزہ پیش کیا گیا ہے۔ آپؐ

نے اہلِ مکہ کے کہنے پر ان کے سامنے چاند کو انگلی سے دو ٹکڑوں میں تقسیم کیا تھا۔ اس کے باوجود کافر آپؐ پر ایمان نہ لائے۔ کلام اقبال میں سیرت النبیؐ کے بہت سے پہلوؤں اور اوصافِ نبویؐ کو یک جا کر کے بیان کر دیا گیا ہے، جن میں سے ایک "خاتم المرسلین" ہونے کی صفت بھی ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو مکمل کر کے انسانیت کے لیے اپنی رُشد و ہدایت کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا اور آپؐ کی ہستی کو قیامت تک کے لوگوں کے لیے ہدایت کا سرچشمہ بنا دیا جس میں اب مزید کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ اسی طرح آپؐ کی ذاتِ مبارک کو انسانیت کی معراج عطا کر دی گئی۔ اللہ تعالیٰ سورۃ "بنی اسرائیل" میں فرماتے ہیں:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ[32]

"وہ ذات (ہر نقص اور کمزوری سے) پاک ہے جو رات کے تھوڑے سے حصہ میں اپنے (محبوب اور مقرّب) بندے کو مسجدِ حرام سے (اس) مسجدِ اقصیٰ تک لے گئی جس کے گرد و نواح کو ہم نے بابرکت بنا دیا ہے تاکہ ہم اس (بندۂ کامل) کو اپنی نشانیاں دکھائیں، بے شک وہی خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے"

آپؐ جب معراج پر گئے تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ مردِ مومن سات آسمان سے بھی آگے تک رسائی رکھتا ہے۔ حضورؐ کے واقعہ معراج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ اقبال لکھتے ہیں:

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰؐ سے مجھے　　کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں[33]

آپؐ کی معراج کے ذریعے درحقیقت معراجِ انسانیت کا اک نیا باب رقم کر دیا گیا، جسے اقبال نے ایک شعر میں یوں بیان کیا:

ولیکن من ندانم گوہرم چیست　　نگاہم بر تراز گردوں، تنم خاک[34]

"اور میں نہیں جانتا کہ میرا گہر یا موتی کیا ہے میری نگاہ آسمانوں سے بلند تر ہے جب کہ میرا جسم خاکی ہے"

اس شعر میں اقبال ایک مرد مومن کے خاکی وجود رکھنے کے باوجود اس کی بلند پروازی کی نشان دہی کرتے ہیں۔ دراصل یہاں بھی حضورؐ کے واقعہ معراج کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ وہ آپؐ کی ہستی کو مومن کامل کے روپ میں پیش کرتے ہیں خاص طور پر خودی ک کا مرکز آپؐ کی شخصیت کو قرار دیتے ہیں:

خودی کی جلوتوں میں مصطفائیؐ　　خودی کی خلوتوں میں کبریائی
زمین و آسماں و کرسی و عرش　　خودی کی زد میں ہے ساری خدائی![35]

اقبال نے آپؐ کی بے مثال اور ہمہ جہت شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔اللہ نے انھیں آخری نبی بنا کر دین کو مکمل کر دیا۔اقبال کے نزدیک دین زندگی کے راستے کی تقویم ہے اور دین محمدؐ اور حضرت ابراہیم کی کامیاب زندگیوں کا راز ہے۔علامہ آپؐ کے انسانیت پر احسانات کا ذکر کرتے ہیں، جن کی بدولت انسان کو حقیقتاً اشرف المخلوقات کے درجے پر فائز کیا گیا،انسانوں کو غلامی سے نجات ملی۔گوہر ملسیانی نے اقبال کی آپؐ اور اسلام سے محبت کو ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

"اقبال کی تقریباً تمام شاعری اسلامی جذبات کی شاعری ہے۔حضور اکرم ﷺ کی سیرت کے عملی پہلو، ان کے کلام میں موتیوں کی طرح چمکتے ہیں۔۔۔علامہ نے اپنے اشعار میں انسانیت کو عمل کا پیغام دیا ہے۔ ان کا مردِ مومن سرورِ کونین ﷺ کے اسوہ حسنہ اور سیرت و کردار کا حامل انسان ہے۔اقبال کو سیرتِ طیبہ کے وہ انداز از حد مرغوب تھے جن میں حرکت اور عمل کی دعوت ہے۔"[36]

نبی اکرمؐ کا وجود اطہر اس روئے زمیں پر رحمتِ ایزدی کا عملی اظہار ہے۔آپؐ نے لوگوں کے دلوں کو "لاالٰہ الااللہ" سے وہ قوت و بینائی عطا کی جس نے مسلمانوں میں عالمگیر اخوت کے جذبے کو فروغ دیا۔اُن میں اُلفت پیدا کی اور انہیں جسمِ واحد کی مانند قرار دیا جس کے ایک حصے میں تکلیف ہو تو سارا جسم اُس کی تکلیف کو محسوس کرتا ہے۔آپؐ نے عرب و عجم کی تفریق مٹا کر سب کو علمِ اسلامی تلے یوں جمع کیا کہ قیصر و قصریٰ بھی اُن کے سامنے جم کے کھڑے نہ ہو سکتے تھے:

شش جہت روشن زتابِ روئے تو   ترک و تاجیک و عرب وہندوے تو[37]

"شش جہات مراد دنیا کے چاروں طرف آپؐ کے رخ انور کا عکس ہے۔ترک اور تاجیک اور عرب اور ہند ہر طرف آپؐ ہی آپؐ ہیں"

اقبال حضرت محمدؐ کے روحانی فیض کے بھی معتقد تھے۔اس سلسلے میں وہ اپنے دوست صلاح الدین محمد الیاس برنی کے نام مورخہ ۱۳ جون 1936ء کے ایک خط میں اپنا ایک واقعہ لکھتے ہیں:

"۳ اپریل کی رات، کی رات، ۳ بجے کے قریب (میں اس شب بھوپال میں تھا) میں نے سر سید علیہ الرحمتہ کو خواب میں دیکھا۔پوچھتے ہیں تم کب سے بیمار ہو؟ میں نے عرض کیا دو سال سے اوپر مدت گزر گئی۔فرمایا حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کرو۔میری آنکھ اسی وقت کھل گئی اور اس عرض داشت کے چند شعر ،جواب طویل ہو گئی ہے، میری زبان پر جاری ہو گئے۔انشاء اللہ ایک مثنوی فارسی 'پس چہ باید کرد اے اقوام

شرق'نام کے ساتھ یہ عرض داشت شائع ہو گی۔ ۴ اپریل کی صبح سے میری آواز میں کچھ تبدیلی شروع ہوئی ۔اب پہلے کی نسبت آواز صاف تر ہے اور اس میں وہ رنگ (ring) عود کر رہا ہے، جو انسانی آواز کا خاصہ ہے۔"[38]

اقبال حضورؐ کے فیض سے نہ صرف ذاتی طور پر مستفید ہوئے بلکہ ان کی دلی خواہش تھی کہ پوری ملتِ اسلامیہ ان کی ذات سے فیض یاب ہو۔اس حوالے سے اُن کی مناجات بھی ملتی ہیں:

کرم اے شہِ عرب و عجم، کہ کھڑے ہیں منتظرِ کرم
وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے، جنھیں دماغِ سکندری[39]

مذکورہ بالا شعر میں بھی اقبال آپؐ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اے عرب و عجم کے بادشاہ ہم تیرے لطف و کرم کے منتظر ہیں۔ یہ ایسے گدا ہیں جنھیں تو نے سکندر اعظم جیسا دماغ اور دانائی عطا کی ہے۔ علامہ زوال پذیر معاشرے میں مسلمانوں کے عروج اور اسلام کی نشات ثانیہ چاہتے ہیں اقبال اپنے کلام کے ذریعے اس دین محمدیؐ کی سربلندی کے لیے دن رات کوشاں رہے جس کے لیے اللہ نے آپ ؐکو اس دنیا میں آخری نبی بنا کر بھیجا۔اب ہم اس دین کی سربلندی کے لیے کیا کر سکتے ہیں؟اس کا اندازہ اقبال کے اس خط سے لگایا جا سکتا ہے جو انھوں نے سید غلام میراں شاہ کے نام ۲۹ مارچ ۱۹۳۰ء کو تحریر کیا:

"دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ آپ کو اس امر کی توفیق دے کہ آپ اپنی قوت، ہمت، اثر، رسوخ اور دولت و عظمت کو حقائق اسلام کی نشر و اشاعت میں صرف کریں۔اس تاریک زمانے میں حضور رسالت مآب ﷺ کی سب سے بڑی خدمت یہی ہے"[40]

اقبال کے شعری سرمایے میں ایسی نظمیں اور اشعار ملتے ہیں جن میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و سوانح، اخلاق و کردار اور آپ کے اوصاف کے حوالے سے مدحت پائی جاتی ہے۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری کلامِ اقبال میں اخلاق و سیرت نبویؐ کے بیان کا جائزہ لیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"ان کی پوری شاعری کا حقیقی محور سیرت محمدیؐ اور اسوۂ رسولؐ ہے۔ حتیٰ کہ ان کے فلسفہ خودی کا اصل الاصول بھی یہی ہے۔ اسرار خودی سے لے کر جاوید نامہ تک ان کا کلام دیکھ جائیے، اس محور سے انحراف مشکل سے کہیں ملے گا۔ ان کا کلام صاف بتاتا ہے کہ ان کے فکر و فن کا نقطہ آغاز بھی رسالت ہے اور نقطۂ ارتقا و اتمام بھی رسالت ہے۔ ان کی شاعری رسمی انداز کے نعتیہ شاعری نہیں

بلکہ ذات وصفات محمدیؐ کے بیان کے ساتھ ساتھ دین مصطفویؐ کے اساسی پہلوئوں کی بھی مظہر بن گئی ہے۔ان پہلووں کی تشریح وتوضیح میں اکثر جگہ آنحضرت کے اخلاق وسیرت کا ذکر آیاہے اوراقبال کی طبعِ عاشقانہ اور مزاج شاعرانہ نے ہر جگہ اس ذکر میں ایک خاص قسم کا لطف سمودیاہے۔چنانچہ اس ذکر میں اقبال کے یہاں بہت سے اشعار، بہت سے ٹکڑے اور بہت سے ایسے قطعات مل جاتے ہیں جو اقبال کو ایک بلند پایہ نعت نگار ثابت کرتے ہیں۔''[41]

اقبال نے آپؐ کی عظمت ورفعت کو اپنے اشعار میں سمو کر بیان کرتے ہوئے ان کے پیغام ونام کی عظمت کا حوالہ دیتے ہوئے کہا:

رفعتِ شانِ'رفعنا لک ذکرک'دیکھے چشمِ اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے[42]

الغرض علامہ اقبال جیسے نابغہ روزگار شاعر وفلسفی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہستی کی جامعیت وسعت اور رفعت کو اپنے منفرد فکری وشعری اسلوب میں ڈھال کر امت مسلمہ کے لیے ایک مثال بنا کر پیش کی جس کی پیروِی میں قوم کی فلاح ونجات کا راز پنہاں ہے۔اقبال نے خود اپنے کلام سے اسم محمدؐ کے فروغ اور سیرتِ مطہرہ کے مختلف گوشوں کو اپنے قاری پر عیاں کرنے کی سعی کی، جس میں وہ بہت حد تک کامیاب بھی رہے۔اور وہ ہستی جس کے نام کو تا قیامت باقی رکھنے کے فیصلے کی توثیق قرآن نے کر دی اُس کے کل عالم میں فروغ کو کون روک سکتاہے۔

حوالہ جات

1 الم نشرح، ۹۴ :۴

2 محمد ثانی، ڈاکٹر حافظ ، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی، غیر مسلم حلقوں کے اعتراضات وشبہات کا علمی اور تحقیقی جائزہ۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۲ء، ص ۱۷

3 اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج/۱۴۔۱ص/۴۷، لاہور، دانش گاہ پنجاب، ۱۹۸۰ء

4 فقیر، سید وحید الدین، روزگار فقیر، جلد اول، کراچی سپننگ ملز، 1964ء، ص 94-95

5 محمد عبدالرشید، پروفیسر سید، اقبال اور عشق رسولؐ، دہلی: اعتقاد پبلشنگ ہاوس، ۱۹۷۷ء، ص ۴۸

6 محمد طاہر فاروقی، ڈاکٹر، اقبال اور محبت رسول ﷺ، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، 2009ء، ص اول

7 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، کلیات اقبال فارسی، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ص 19

8 محمد عثمان، پروفیسر، اقبال کا فلسفۂ خودی (بنیادی تصورات)، دہلی، شاہین بک ڈپو، 1983، ص 33

9 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، کلیات اقبال، اردو، لاہور، اقبال اکادمی، 1994ء، ص 754

10 ایضا، فارسی، ص 353

11 النساء، 80:4

12 الانفال، 20:7

13 بخاری، محمد بن اسماعیل (۲۵۶ھ)، صحیح بخاری، حب الرسولؐ من الایمان، ۱۴: ۱

14 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، کلیات اقبال، فارسی، ص 58

15 عطاءاللہ، شیخ، مرتبہ، اقبال نامہ، مجموعہ مکاتیب اقبال، یک جلدی، لاہور، اقبال اکادمی، 2012ء، ص 256

16 حسان بن ثابتؓ، حضرت، دیوان، لبنان، بیروت، دارالکتب العلمیہ، 1994ء، ص 21

17 الضحیٰ، 93:1-3

18 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، کلیات اقبال، فارسی، ص 716

19 الانبیاء، 107:21

20 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، کلیات اقبال، فارسی، ص 715

21 التوبہ، 128:9

22 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، کلیات اقبال، فارسی، ص 175

23 القلم، 4:68

24 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، کلیات اقبال، اردو، ص 363

25 ایضا، ص 150

26 ایضا، ص 363

27 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، اسرار و رموز، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، 1973ء ص 166

[28] ایضا،کلیات اقبال،فارسی،ص643

[29] محمد اقبال،ڈاکٹر علامہ،پیام مشرق،لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز،ص۱۹۹

[30] الاحزاب،33:45-46

[31] محمد اقبال،ڈاکٹر علامہ،کلیات اقبال فارسی،ص132

[32] بنی اسرائیل،17:1

[33] محمد اقبال،ڈاکٹر علامہ،کلیات اقبال،اردو،ص364

[34] ایضا،فارسی،ص206

[35] ایضا،اردوص408

[36] گوہر ملسیانی،عصرِ حاضر کے نعت گو،جلد اول،لاہور،بیت الحکمت،2013ء،ص79

[37] محمد اقبال،ڈاکٹر علامہ،کلیات اقبال فارسی،ص166

[38] عطااللہ،شیخ،مرتب،اقبال نامہ،یک جلدی،اقبال اکادمی،ص305-306

[39] محمد اقبال،ڈاکٹر علامہ،کلیات اقبال،اردو،ص280

[40] عطااللہ،شیخ،مرتب،اقبال نامہ،یک جلدی،ص211

[41] فرمان فتحپوری،ڈاکٹر،اردو کی نعتیہ شاعری،لاہور،آئینہ ادب،1974ء،ص۷۷-۷۵

[42] محمد اقبال،ڈاکٹر علامہ،کلیات اقبال،اردو،ص236

یوتھینیزیا کی اخلاقی حیثیت: تجزیاتی مطالعہ

*مریم سلیم

**سمیرا ربیعہ

Abstract

Euthanasia is getting popular day by day and it's proponents present different argument in favor of it's ethical justification. According to them it is the basic right of every human being to decide about its life and death. If life becomes unbearably painful it's better to die rather to live in such conditions. we have the right to end our life if its standard become low and we become a burden on our family, relatives and society. Moreover its against the kindness that we allow to live patients with incurable and painful diseases. But the teachings of Quran and Sunnah donot justify these arguments of proponents of Euthanasia. We donot have any right to end our lives whenever and in whatever way we want. Life is a gift given to us by Allah so only Allah has the right to decide it's end.

قطع حیات بجذبہ رحم کو عصر حاضر کے ان مباحث اور افعال میں شامل کیا جا سکتا ہے جن کی مقبولیت میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ دنیا کے کئی ممالک میں اس کو خصوصاً Passive Euthanasia کو قانونی طور پر جائز سمجھا جانے لگا ہے۔ دنیا کے بیشتر ممالک میں اس کے قانونی طور پر جائز ہونے کے لیے قانونی جنگ لڑی جا رہی ہے۔ تحریکیں چل رہی ہیں۔ اس کے حق میں مختلف دلائل پیش کیے جا رہے ہیں۔ جن کی رو سے اس کو نسل انسانی کا بنیادی حق، ان کی عزت و وقار کا محافظ اور ان کی آزادی و خود مختاری کا لازمی جزو قرار دیا جا رہا ہے۔ انسانی زندگی پر اب صحت مندی، آزادی و خود مختاری، عظمت و وقار کی بناء پر موت کو ترجیح دی جانے لگی ہے۔ زندگی کیسے گزارنی ہے اس بات کی آزادی کے ساتھ کب اور کس طرح اس زندگی کا خاتمہ کرنا چاہیے یہ حق بھی قانونی طور پر انسانوں کو دیا جانے لگا ہے۔ دنیا کے کئی ممالک میں زندگی کے خاتمہ کے لیے خود ساختہ یا دوسروں کی مدد سے زندگی کے خاتمہ کو قانونی جواز فراہم کیا جا چکا ہے۔ اس کے لیے خاص اصطلاح یوتھینیزیا (Euthanasia) استعمال ہوتی ہے، جس کا اردو مفہوم " قطع حیات بجذبہ رحم " کے الفاظ میں ادا کیا جاتا ہے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص انتہائی تکلیف میں مبتلا ہو۔ اس کے تکلیف کے خاتمہ کا امکان باقی نہ رہے۔ یا وہ ایسی بیماری میں مبتلا ہو جس سے صحت یاب ہونا خارج از امکان ہو تو ایسے شخص کی زندگی کے

---

*پی۔ایچ۔ڈی سکالر، گفٹ یونیورسٹی، گوجرانولہ

**وزٹنگ لیکچرار، ادارہ عربی و علوم اسلامیہ، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

قصداً خاتمہ کو قطع حیات بجذبہ رحم یا یوتھینیزیا کہا جاتا ہے۔[1] یوتھینیزیا کا لفظ یونانی زبان کے لفظ (Euthanotos) سے ماخوذ ہے۔Eu سے مراد ہے اچھی اور Thanatos سے مراد ہے موت پس اس کا مطلب ہے اچھی موت۔[2]

آکسفورڈ ڈکشنری (Oxford Dictionary) کے مطابق یوتھینیزیا سے مراد ہے:

The painless killing of a patient suffering from an incurable and painful disease or in an irreversible coma.[3]

" ایسے مریض کی بغیر تکلیف کے موت جو کہ کسی لاعلاج اور تکلیف دہ بیماری میں مبتلا ہو یا کومہ کی ایسی حالت میں ہو جہاں سے صحت یابی کی امید نہ ہو"

اسی طرح اگر کسی لاعلاج بیماری میں مبتلا شخص کا علاج ترک کر دیا جائے تو یہ امر بھی یوتھینیزیا کے ضمن میں شمار ہوگا۔لہذا اگر کسی بیماری میں مبتلا یا بے انتہا زخمی انسان کو جس کے ٹھیک ہونے کی امید نہ ہو کسی دوا یا انجکشن کے استعمال سے نسبتاً کم تکلیف دے موت دے دی جائے یا علاج ترک کر دیا جائے تو یہ عمل یوتھینیزیا کہلائے گا۔[4]

یوتھینیزیا کے جواز کے قائل افراد اسے اخلاقی لحاظ سے درست جانتے ہیں اور اس حوالے سے کئی دلائل پیش کرتے ہیں۔ جن میں سے چند اہم دلائل کا تجزیہ یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

انسانی جان کا تقدس

یوتھینیزیا کے جواز کے جو دلائل دیئے جاتے ہیں ان میں سے ایک زندگی کا معیار (Quality of life) ہے۔یوتھینیزیا کے قائلین کے نزدیک بہتر اور معیاری زندگی ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔اگر زندگی کا معیار بہت زیادہ پست ہو جائے۔انسان کی حالت دگرگوں ہو جائے تو پھر انسان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ایسی زندگی سے چھٹکارا حاصل کر سکتا ہے۔[5]

اس جواز کے قائلین کے نزدیک وہ انسان جو اس حالت میں ہوتے ہیں کہ ان کی زندگی کے تسلسل کو برقرار رکھنے کے مصنوعی آلات کا سہارا لیا جا رہا ہوتا ہے یا پھر ان کے حواس ان کا ساتھ چھوڑ چکے ہوتے ہیں (Persistent Vegetative State)۔ان کا معیار زندگی اس حد تک گر چکا ہوتا ہے وہ اتنی اذیت میں ہوتے ہیں کہ ان کے لیے زندگی سے زیادہ موت قابل ترجیح ہوتی ہے۔[6] امریکی فلسفی اور

دانشور لوئس پال پوجمین (Louis Paul Pojman) جو کہ سو سے زیادہ کتابوں کے مصنف ہیں اپنی

کتاب "Life and Death" میں یوتھینیزیا کے حق میں دلائل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

Watching a person suffering excruciating pain, or who is in a persistent vegetative state offend the sensibilities of his relations, friends, associates and anyone who knew that individual while active, therefore allowing the individual to remain in such a sub-human condition is incompatible with human dignity.[7]

"ایک انسان جو کہ انتہائی تکلیف دہ حالت میں مبتلا ہو یا مکمل طور پر طبّی آلات پر اس کی زندگی کا انحصار ہو، اس کو ایسے ہی رہنے دینا دراصل اس کے رشتے داروں، دوستوں یا جو کوئی بھی اس سے واقف ہو ان کی سمجھ داری پر شک کرنا ہے۔ اس لیے ایک فرد کو ایسی حالت میں پڑے رہنے دینا انسانی عظمت سے مطابقت نہیں رکھتا"

لہذا قطع حیات کے قائلین کے مطابق یوتھینیزیا دراصل ان کو اس پست اور کمتر معیار سے نجات دلانے کا ایک ذریعہ ہے۔ جس کو اختیار کرنے کی اجازت سب کو ہونی چاہیے۔ لیکن جب ہم اسلام کی اخلاقی تعلیمات کی روشنی میں یوتھینیزیا کے جواز کے قائل افراد کے اس موقف کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ دیکھنے کو ملتا ہے کہ انسان جب اپنی زندگی کا خود اپنے ہاتھوں خاتمہ کرلیتا ہے تو دراصل تب وہ اس تقدس اور مرتبہ سے محروم ہو جاتا ہے جس سے رب کائنات نے اس کو پیدائشی طور پر نوازا ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ یہی فرماتے ہیں کہ انھوں نے انسانوں کو دوسری مخلوقات پر فضیلت اور تقدس عطا کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا [8]

"اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی، اور خشکی اور تری دونوں میں ان کو سواری عطا کی اور ان کو پاکیزہ چیزوں کا رزق دیا، اور ہم نے انھیں نمایاں فضیلت دی بہت سی چیزوں پر جن کو ہم نے پیدا فرمایا"

جب انسان اپنی زندگی کو خود ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے اور پھر اس کوشش میں کامیاب بھی ہو جاتا ہے تو دراصل وہ اس شرف اور تقدس سے محروم ہو جاتا ہے جس سے اس کو نوازا گیا ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

كان برجل جراح فقتل نفسه، فقال الله : بدرنی عبدی بنفسه ، حرمت عليه الجنة۔[9]

"ایک شخص کو کوئی زخم لگ گیا تو اس نے اپنے آپ کو قتل کر لیا، اللہ نے فرمایا: میرے بندے نے اپنی جان کے بارے میں مجھ سے سبقت لی ہے، لہذا میں نے اس پر جنت حرام کر دی ہے"

ہمدردی اور رحم دلی کا تقاضا

یوتھینیزیا کے جواز کے قائل افراد یہ سمجھتے ہیں کہ جب کوئی انسان ایسی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ بہت زیادہ تکلیف کا شکار ہو چکا ہوتا ہے اور اس کی وہ تکلیف دائمی قرار دی جا چکی ہوتی ہے تو پھر انسانی ہمدردی اور رحم دلی کا تقاضا یہ ہے کہ اس انسان کو اس تکلیف سے نجات دلا دی جائے۔ یہ ظلم اور پتھر دلی ہے کہ ہم اس تکلیف کے وقت اس انسان کو درد اور تکلیف میں بلکتا چھوڑ دیں۔ رحم دلی اور باہمی احساس کا یہ تقاضا ہے کہ ہم اس مریض کا احساس کریں اور اس کو اس درد اور اذیت سے نجات دلائیں۔[10]

سر اسٹیفورڈ ہاکنگ جو کہ ایک مشہور ماہر طبیعات ہیں اسی نقطہ نظر کے حامی ہیں۔ ان کے مطابق:

I think those who have a terminal illness and are in great pain should have the right to choose to end their lives and thosethat help them should be free be free from prosecution. We don't let animals suffer, so why humans.[11]

"میرے نزدیک ان لوگوں کو جو مہلک امراض میں مبتلا ہوں یا جو بے پناہ تکلیف کا شکار ہوں ان کو اپنی زندگی کے خاتمہ کا حق حاصل ہونا چاہیے۔ جو ان کی مدد کریں ان کو قانون سے تحفظ دیا جانا چاہیے۔ جب ہم جانوروں کو تکلیف میں رہنے نہیں دیتے تو پھر انسانوں کے ساتھ ایسا کیوں؟"

اسلام یہ کہتا ہے کہ باہمی محبت و شفقت کا اخلاقی تقاضا یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کی تکلیف کو محسوس کریں۔ دکھ سکھ میں ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے ہوں نہ کہ کسی دوسرے انسان کی جان لینا یا ایسا کرنے میں اس کی مدد کی جائے۔ اسلام میں مسلمان کے جو باہمی حقوق بیان کیے گئے ہیں ان میں سے ایک بیمار مسلمان بھائی کی عیادت کرنا بھی ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے:

قال رسول الله ﷺ خمس تجب للمسلم على اخيه رد السلام وتشميت العاطس واجابة الدعوة وعيادة المريض واتباع الجنائز[12]

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک مسلمان کے لیے اس کے بھائی پر پانچ چیزیں واجب ہیں: سلام کا جواب دینا، چھینک مارنے والے کے لیے رحمت کی دعا کرنا، دعوت قبول کرنا، مریض کی عیادت کرنا، جنازوں کے ساتھ جانا۔"

مریض کی عیادت کرنا، اس کا حال احوال پوچھنا اس کو تسلی دینا یہ سب باہمی ہمدردی اور محبت کی عکاسی کرتے ہیں۔ کسی کی تکلیف اور اذیت کو ختم کرنے کے اس کی جان لے لینا حقیقی ہمدردی نہیں ہے۔ خصوصا اس وقت جب کہ مذہبی تعلیمات اس کو غلط قرار دیتی ہوں۔ سورہ النساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا [13]

"اور جو کوئی کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرڈالے تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ (ہمیشہ) رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لئے بڑا (سخت) عذاب تیار کر رکھا ہے"

سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي
الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا [14]

"اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جو بھی کوئی شخص کسی شخص کو بلا عوض جان کے یا بغیر کسی فساد کے قتل کر دے جو زمین میں ہو تو گویا قتل کرنے والے نے سب لوگوں کو قتل کر دیا، اور جس نے کسی جان کو زندہ رکھا تو گویا اس نے `سب لوگوں کو زندہ کر دیا"

قرآن اور سنت کی یہ تعلیمات اس حقیقت کو عیاں کرتی ہیں کہ جب آپ اپنی زندگی کو ختم کر لیتے ہیں یا پھر کسی دوسرے کی جان لیتے ہیں چاہے اس کی وجہ کچھ بھی ہو تو آپ اخلاقی لحاظ سے ہمدردی اور رحم دلی کا مظاہرہ ہرگز نہیں کر رہے ہوتے۔ بلکہ آپ ایک دوسرے کے ساتھ دشمنی نبھاتے ہیں۔

بنیادی حق

قطع حیات بجذبہ رحم کے جواز میں جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہر انسان کا یہ بنیادی حق ہے کہ وہ اپنی مرضی سے زندگی گزارے لیکن اگر کوئی شخص زندگی کی بقا کے اپنے بنیادی حق سے دستبردار ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ اس کی زندگی کو

ختم کر سکیں۔یو تھینیزیا کے قائل افراد کے نزدیک یہ حق انھیں اقوام متحدہ کے بنیادی انسانی حقوق کے منشور سے ملا ہے۔[15]

ڈیرک ہمفری(Derek Humphrey)جو کہ ایک برطانوی مصنف اور جرنلسٹ ہیں اور جنھوں نے

اپنی بیوی کی وفات کے بعد 1957 سے یو تھینیزیا کے جواز کے حق میں تحریک کا آغاز کیا، اپنی کتاب "Right to Die"میں لکھتے ہیں:

There is a common presumption that there is a ' right to die', in the sense of an autonomous right to choose the time and manner of one's death and that an appeal to this right will be sufficient ground for legalizing euthanasia.[16]

"یہ ایک عام مفروضہ کہ انسان کو مرنے کا حق حاصل ہے اس طرح کہ وہ آزادانہ طور پر اپنے مرنے کے طریقے اور وقت کو منتخب کرنے کا حق رکھتا ہے اور اس حق کا تقاضا ہی یو تھینیزیا کو قانونی جواز فراہم کرنے کے لیے کافی ہو گا"

ان کے نزدیک انسان کا یہ بنیادی حق ہے کہ اسے اس کی مرضی سے جینے اور مرنے دیا جائے۔وہ جو طریقہ اور وقت چاہے اپنے مرنے کے لیے منتخب کر سکتا ہے۔کوئی اسے روکنے کا حق نہیں رکھتا خصوصا اس صورت میں جب کہ اس کے زندگی ختم کرنے سے کسی دوسرے کے مفادات کو ضرب نہ لگتی ہو۔

قرآن وسنت کے مطابق انسان کی جان پر بنیادی حق اس کے خالق ہے۔کس کو کب تک اس دنیا میں رہنا ہے یہ طے کرنا انسان کا نہیں اس کے خالق کا کام ہے۔چونکہ زندگی عطا کرنے والی ذات وہ ہے لہذا زندگی کب تک ہو گی یہ فیصلہ بھی وہی کرے گا۔

قرآن مجید میں بھی یہی فرمایا گیا ہے۔ارشاد ہوتا ہے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ[17]

"اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے"

جبکہ سورۃ الحج میں اللہ تعالیٰ زندگی اور موت پر اپنی قدرت کو ظاہر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ۡ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ[18]

ـ

"اور اللہ وہی ہے جس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں موت دے گا پھر تمہیں زندہ فرمائے گا، بلاشبہ انسان بڑا ناشکرا ہے"

جب انسان کی زندگی کا مالک کوئی اور ہے تو پھر انسان اپنی موت کا تعین کیسے کر سکتا ہے۔ اللہ نے قرآن میں واضح طور پر فرمادیا ہے کہ موت کا وقت متعین ہے اور اس کے طے کردہ ہے۔ تو پھر ہم کس طرح یہ مان سکتے ہیں کہ ہم اپنی مرضی سے اپنے طے شدہ وقت پر اور اپنے طے شدہ طریقے سے زندگی کو ختم کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ[19]

"جب ان کا وہ وقت آجاتا ہے تو وہ ایک ساعت نہ پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔"

لہٰذا اخلاقی لحاظ سے یہ کسی طور پر بھی درست نہیں کہ انسان کی زندگی کا خاتمہ اس کا بنیادی حق تصور کیا جائے۔ نہ ہی کسی دوسرے کو یہ اجازت دی جاتی ہے کہ اس حق کے تفویض کرنے کی صورت میں وہ اس کو استعمال میں لا سکے۔

وسائل کا بہترین مصرف

جو لوگ یوتھینیزیا کو درست سمجھتے ہیں اور اس کے حق میں دلائل پیش کرتے ہیں ان کی ایک دلیل یہ بھی ہوتی ہے کہ جب کوئی شخص ایسی ناقابل علاج بیماری میں مبتلا ہوتا ہے جس سے تندرست ہونے کی امید نہیں ہوتی یا پھر اس کی حالت اتنی خراب ہو چکی ہوتی ہے کہ اس کو مصنوعی تنفس یا دیگر آلات کے ذریعے زندہ رکھا جا رہا ہو تو پھر اس کے اوپر علاج کی صورت میں جو اخراجات آرہے ہوتے ہیں وہ ضائع ہو رہے ہوتے ہیں۔ بعض اوقات اہل خانہ پر وہ اخراجات بوجھ بن جاتے ہیں اور وہ ان کو ادا کرنے کی سکت نہ رکھنے کی وجہ سے یا تو قرض اٹھانے پر مجبور ہر جاتے ہیں یا پھر اپنی قیمتی چیزیں گروی رکھنے پر۔ اگر حکومت ان اخراجات کو برداشت کر رہی ہو تب بھی عوام کے ٹیکسوں سے اکٹھا کیا جانے والا روپیہ ضائع کیا جا رہا ہوتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ان لاعلاج مریضوں پر استعمال ہونے وسائل کو کہیں اور استعمال کیا جائے۔ جس کا کوئی فائدہ بھی ہو۔[20] لہٰذا ایسے افراد کے نزدیک یہ اخلاقی لحاظ سے درست نہیں ہے کہ ہم وسائل کو اس طرح استعمال کریں جس سے کوئی نفع نہ پہنچ رہا ہو۔ اس کی بجائے اگر انہی وسائل کو عوام کی فلاح و بہبود اور غربت کے خاتمے کے لیے استعمال کیا جائے تو اخلاقی لحاظ سے یہ قدر و قیمت کا حامل ہو گا۔[21]

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی قسمت میں جتنا رزق لکھا ہے وہ اس کو مل کر رہتا ہے۔ ہر انسان کی زندگی کے ایام کی طرح اس کے نصیب کا فضل بھی مقرر ہے جو اس کو مل کر رہے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ۭ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ[22]

"اور یہ کہ تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو اور اس کی طرف پلٹ آؤ۔ وہ تم کو ایک مدت معین تک زندگی کی راحتوں سے لطف اندوز کرے گا اور ہر صاحب فضل کو اس کا فضل عطا کرے گا۔ اور اگر تم رو گرداں رہے تو میں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں"

قرآن مجید میں واضح طور پر فرمایا گیا ہے کہ انسان کی تنگدستی کے خوف سے اولاد کو قتل نہیں کرنا چاہیے[23] یہ حکم صرف اولاد کی حد تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ قرآن کی دیگر آیات جو انسانی جان کی حرمت کی نشاندہی کرتی ہیں اور اس آیت کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ تنگدستی کے خوف سے کسی کو بھی قتل کرنا یا مرنے دینا اخلاقی لحاظ سے جائز نہیں ہوگا۔ تنگدستی کے خوف سے قتل کرنا رسول خدا ﷺ کے نزدیک بدترین گناہوں میں سے ایک گناہ ہے ۔[24]

نبی کریم ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کی قسمت میں جتنا رزق لکھا ہوتا ہے وہ اسے مل کر رہتا ہے۔ اس لیے تنگدستی کے خوف سے قتل کرنا درست نہیں ہے۔ ارشاد نبوی ؐ ہے: "جب نطفے پر بیالیس راتیں گزر جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس ایک فرشتہ بھیجتا ہے وہ اس کی صورت بناتا ہے، اس کے کان، آنکھیں، کھال، گوشت، اور اس کی ہڈیاں بناتا ہے، پھر کہتا ہے: اے میرے رب! یہ مرد ہوگا کہ عورت؟ پھر تمھارا رب جو چاہتا ہوتا ہے وہ فیصلہ بتاتا ہے اور فرشتہ لکھ لیتا ہے، پھر وہ کہتا ہے: اے میرے رب! اس کی مدت حیات (کتنی ہو گی؟) پھر تمھارا رب اس کی جو مشیت ہوتی ہے، بتاتا ہے اور فرشتہ لکھ لیتا ہے پھر وہ فرشتہ (کہتا ہے: اے میرے رب! اس کا رزق (کتنا ہوگا؟) تو تمھارا رب جو چاہتا ہوتا ہے وہ فیصلہ بتاتا ہے اور فرشتہ لکھ لیتا ہے، پھر فرشتہ اپنے ہاتھ میں صحیفہ کے کر نکل جاتا ہے چنانچہ وہ شخص کسی معاملے میں نہ اس سے بڑھتا ہے، نہ کم ہوتا ہے"[25]

قرآن و حدیث کے مطالعے سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ جب کوئی انسان کسی ضعیف، کمزور یا بیمار انسان کی مدد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے انسان کے رزق میں اضافہ فرماتے ہیں:

عن ابی درداء قال: سمعت النبی ﷺ یقول: ابغونی ضعفاءکم، فانما ترزقون وتنصرون بضعافکم[26]

"حضرت ابو درداء سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے سنا: مجھے تم ضعیفوں اور کمزوروں میں تلاش کرو، اس لیے کہ تم اپنے ضعیفوں اور کمزوروں کی (دعاؤں کی برکت کی) وجہ سے رزق دیئے جاتے ہو اور تمھاری مدد کی جاتی ہے"

اپنے اہل خانہ اور رشتہ داروں سے نیک سلوک کرنا ان کی ضروریات کو پورا کرنا مصیبت اور بیماری میں ان کے کام آنا ان کے رزق کے ساتھ ساتھ ان کی عمر میں اضافے کا باعث بھی بنتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس کے لیے یہ بات باعث مسرت ہو کہ اس کے رزق میں اور عمر میں درازی ہو تو اسے چاہیے کہ وہ صلہ رحمی کرے۔ (یعنی قرابت داروں کا خیال رکھے"[27]

ان آیات واحادیث کے تجزیہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بیماری کے اوپر خرچ کرنا وسائل کا ضیاع نہیں ہوتا۔ انسانی جان کی اہمیت کے تحت اس کو بچانے کی خاطر وسائل کو صرف کرنا دیگر مقاصد پر وسائل صرف کرنے سے زیادہ ضروری ہے۔ انسان جب بیماری یا مصیبت کی حالت میں اپنے اہل خانہ یا رشتہ داروں پر خرچ کرے گا تو یہ چیز اس کے لیے بذات خود فائدہ کا باعث ہو گی۔ اس کو نہ صرف آخرت میں اجر وثواب عطا کیا جائے بلکہ اس دنیا میں بھی اس کے رزق میں اضافہ اور عمر میں درازی عطا ہو گی۔

تکلیف سے نجات

قطع حیات بجذبہ رحم کے قائلین کے نزدیک اس کے اخلاقی جواز کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس سے ہم انسانوں کو تکلیف سے نجات دلا سکتی ہیں۔ انسان کا یہ بنیادی حق ہے کہ وہ اپنی تکلیف کے خاتمہ کے لیے قدم اٹھا سکے۔ سر اسٹیفورڈ ہاکنگ جو کہ ایک مشہور ماہر طبیعات ہیں اسی نقطہ نظر کے حامی ہیں۔ ان کے مطابق:

I think those who have a terminal illness and are in great pain should have the right to choose to end their lives and thosethat help them should be free be free from prosecution. We don't let animals suffer, so why humans.[28]

"میرے نزدیک ان لوگوں کو جو مہلک امراض میں مبتلا ہوں یا جو بے پناہ تکلیف کا شکار ہوں ان کو اپنی زندگی کے خاتمہ کا حق حاصل ہونا چاہیے۔ جو ان کی مدد کریں ان کو قانون سے تحفظ دیا جانا چاہیے۔ جب ہم جانوروں کو تکلیف میں رہنے نہیں دیتے تو پھر انسانوں کے ساتھ ایسا کیوں؟"

یو تھینیزیا کے جواز کے حامل افراد کا یہ بھی ماننا ہے کہ یو تھینیزیا کے تحت زندگی کا خاتمہ بعض اوقات ناگزیر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جس طرح بیمہ آپ کو مشکل وقت میں تکلیف سے بچاتا ہے اور مددگار ثابت ہوتا ہے بالکل اسی طرح یو تھینیزیا کے ذریعے بھی انسان کو تکالیف سے نجات ملتی ہے۔ یہ بھی مشکل وقت میں ایک سہارے کا کام دیتا ہے۔

قرآنی تعلیمات کی رو سے انسانوں کو بیماری کی شکل میں یا کسی اور طرح جو تکالیف پہنچتی ہیں وہ بے مقصد نہیں ہوتی ہیں۔ لہذا ان کو ختم کرنے کے لیے اپنی جان لے لینے کا جواز کسی بھی صورت میں پیدا نہیں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں کہ انسان کو جو بھی بیماری یا تکلیف پہنچتی ہے وہ دراصل اس کی آزمائش ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ [29]

"اور ہم ضرور تمہیں خوف و خطر، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے۔ اور خوشخبری سنائیں ان صبر کرنے والوں کو"

انسان کو بیماری یا دیگر مصائب میں مبتلا ہونے کی وجہ سے مایوسی اور تکلیف کا شکار ہو کر اپنی جان لینے اور خدا کے عذاب میں مبتلا ہونے کی بجائے یہ سوچنا چاہیے کہ یہ تکالیف اس کے نجات اور ثواب کا باعث بنیں گی۔ اس کے گناہوں کا کفارہ ان کی وجہ سے ادا ہو جائے گا۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

قال رسول الله ﷺ : مامن مصيبة تصيب المسلم الا كفر الله بها عنه، حتى الشوكة يشاكها[30]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جو مصیبت بھی کسی مسلمان کو پہنچتی ہے اللہ تعالیٰ اسے اس کے گناہ کا کفارہ کر دیتا ہے۔ (کسی مسلمان کے) ایک کانٹا بھی اگر جسم کے کسی حصے میں چبھ جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی روایت میں نبی کریم ﷺ بخار جو کہ بیماری کی ایک شکل ہے انسانی گناہوں کی معافی کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

"میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپؐ کو شدید بخار تھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ کو بہت تیز بخار ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ ہاں مجھے تنہا ایسا بخار ہوتا ہے جتنا تم میں سے دو آدمیوں کو ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا یہ اس لیے کہ آپ کا ثواب بھی دوگنا ہے؟ فرمایا: کہ ہاں یہی بات ہے، مسلمان کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے کانٹا ہو یا اس سے زیادہ تکلیف دینے والی کوئی چیز تو جیسے درخت اپنے پتوں کو گراتا ہے اسی طرح اللہ پاک اس تکلیف کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے"[31]

حضرت محمد ﷺ نے ایک موقع پر بخار کو جہنم کی آگ سے نجات کا ذریعہ بھی قرار دیا۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے:

"نبی کریم ﷺ نے بخار کے ایک مریض کی عیادت کی، آپ کے ساتھ ابو ہریرہ بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خوش ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ میری آگ ہے، میں اسے اپنے مومن بندے پر اس دنیا میں اس لیے مسلط کرتا ہوں تاکہ وہ آخرت کی آگ کا بدل بن جائے"[32]

نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو اس بات کی تلقین کی کہ وہ بیماری کو برا نہ جانیں۔ کیونکہ یہ بظاہر تکلیف دہ ہونے کے باوجود مومن کے لیے اپنے اندر بھلائی اور خیر سمیٹے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب کسی انسان کو بیماری یا تکلیف میں مبتلا کرتے ہیں تو اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی مقصد اور حکمت خداوندی ہوتی ہے۔ اس سے اس انسان کی آزمائش بھی مراد ہو سکتی ہے اور اس کے اندر صبر و تحمل کی پیدائش بھی۔ اس تکلیف کو برداشت کرنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ نہ صرف اس کے درجات کو بلند کرتا ہے بلکہ اس کے گناہوں کو بھی معاف فرما دیا جاتا ہے۔

فطری آزادی اور خود مختاری

یوتھینیزیا کے جواز کے لیے اس کے قائلین ایک اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ انسان بنیادی لحاظ سے فطری آزادی اور خود مختاری کا (PersonalAutonomy) حامل ہے۔ اس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ یہ فیصلہ کرے کہ وہ اپنی زندگی کس طرح گزارے گا۔[33] اسی طرح سے وہ یہ حق بھی رکھتا ہے کہ جب اور جس طرح چاہے وہ اس زندگی کا خاتمہ کر سکے۔ اسی بنیادی حق کو کوہن الما گور (Cohan Almagor) جو کہ ایک یہودی ماہر اخلاقیات، قانون دان اور فلسفی ہیں اپنی کتاب "The Right to Die with Dignity" میں کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

The principle of respect for autonomy tells us to allow rational as tolive on freely according to their own autonomous decision free from coercion and interference, but if rational autonomously choose to die then respect forautonomy will lead us to assist todo as they choose.[34]

"خود مختاری کو اہمیت دینے کا اصول ہمیں یہ بتاتا ہے کہ ہم عاقل لوگوں کو رضامندی اور آزادی کے ساتھ جینے کا حق عطا کریں جو کہ جبر اور مداخلت سے مبرا ہو۔ لیکن اگر کوئی عاقل برضا و رغبت موت کا انتخاب کرے تو اس کی خود مختاری کو اہمیت دینے کا اصول ہمیں اس بات کی طرف لے جاتا ہے کہ ہم اس میں ان کی مدد کریں جو وہ کرنا چاہتے ہیں"

جبکہ اسلامی تعلیمات اس بات کے منافی ہیں۔ ان کی رو سے انسانی کی زندگی اور موت پر اختیار صرف اور صرف خالق کائنات کو حاصل ہے۔ وہ ہستی جس نے انسان کو زندگی عطا کی صرف اور صرف وہی زندگی کے خاتمے کا حق رکھتا ہے۔ انسان اس کا غلام اس کا بندہ ہے۔ اس کو اپنے بدن پر اتنا تصرف حاصل نہیں کہ وہ اپنی زندگی کا خاتمہ کر سکے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ زندگی اور موت کا مالک ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ[35]

"اسی کے لیے سلطنت ہے آسمانوں کی اور زمین کی، وہی حیات دیتا ہے اور موت دیتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے"

وہلوگ جو کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات سے اعراض کرتے ہیں اور اپنی زندگی کا خود خاتمہ کر لیتے ہیں پھر چاہے اس کو وجہ کچھ بھی ہو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جہنم میں داخل فرمائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ[36]

"اور تمہارے رب نے فرمایا ہے: تم لوگ مجھ سے دعا کیا کرو میں ضرور قبول کروں گا، بیشک جو لوگ میری بندگی سے سرکشی کرتے ہیں وہ عنقریب دوزخ میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے"

لہذاانسان کی آزادی اور خود مختاری کی حدود اس حد تک نہیں ہیں کہ ان کی وجہ سے انسان کو یہ اختیار عطا کر دیا جائے کہ وہ اپنی موت کا فیصلہ کر سکے۔ اس کے وقت کو متعین کر سکے یا پھر اس کے لیے طریقہ کار تجویز کر سکے۔ ایسا کرنے کی صورت میں اس کو عذاب الٰہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

حضرت ثابت بن ضحاک سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

من قتل نفس بشی فی الدنیا عذاب بہ یوم القیامۃ۔[37]

"جس شخص نے اپنے آپ کو جس چیز کے ساتھ قتل کیا تو اسے قیامت کے دن اسی چیز سے عذاب دیا جائے گا"

جبکہ حضرت جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

کان برجل جراح فقتل نفسہ، فقال اللہ : بدرنی عبدی ینفسہ ، حرمت علیہ الجنۃ۔[38]

"ایک شخص کو کوئی زخم لگ گیا تو اس نے اپنے آپ کو قتل کر لیا، اللہ نے فرمایا: میرے بندے نے اپنی جان کے بارے میں مجھ سے سبقت لی ہے، لہذا میں نے اس پر جنت حرام کر دی ہے"

نتائج بحث

- انسانی جان کا تقدس بیماری یا تکلیف میں اپنی یا دوسروں کی جان لے کر بحال نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہ صرف اور صرف اللہ تعالی کی اطاعت اور فرمانبرداری سے برقرار رہ سکتا ہے۔
- رحم دلی اور ہمدردی کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ بیمار لوگوں کی زندگی کی خاتمہ کر دیا جائے بلکہ ان کی عیادت اور دلجوئی کے ساتھ ان کے علاج کی کوشش کرنا ہی ان سے حقیقی محبت و ہمدردی ہے۔
- اللہ نے ہر شخص کا رزق مقرر کر رکھا ہے ناداری کے خوف سے بیمار افراد کی جان لینا درست نہیں ہے۔
- دنیاوی تکالیف کے خاتمہ کے لیے جان لے لینا انسان کو دائمی عذاب میں مبتلا کرنے کا باعث بنتا ہے۔
- انسان کی فطری آزادی اسے اپنی یا دوسروں کی جان لینے کا حق ہر گز فراہم نہیں کرتی ہے۔ ایسا کرنے کی صورت میں انسان اپنی حدود سے تجاوز کر جاتا ہے جو خالق کی ناراضگی کا سبب بنتا ہے۔ انسان کی زندگی پر سب سے زیادہ حق اس کے خالق کا ہی ہے

حوالہ جات

[1] : Medical Definition of Euthanasia, https://www.Medicinenet.com/script/main/ art.asparticlekey:7365, Accessed on:12/6/2018, at:10:00AM

[2] : Definition of Euthanasia, https://www.Merriam-Webster.com/ Dictionary/Euthanasia,Accessed on: 12/6/2018, at: 04:45PM

[3]: Euthanasia,https://en.oxforddictionaries.com/definition/euthanasia, Accessed on: 12/6/2018 at: 2:30PM

[4] : Definition of Euthanasia,https://www.merriam-webster.com /dictionary/euthanasia, Accessed on:12/6 /2018, at:4:45PM

[5] :R. Baird, S. Rosenbaum, *Euthanasia: the Moral Issues*, New York: Prometheus Books, 2003, p:138

[6] : Marker RL, Euthanasia, Assisted Suicide &Healthcare Decision: Protecting Yourself and Your Family and Patient Right,Council.www://patientsrightscouncil.org/euthanasia-assisted , Accessed on12/05/2018, at:1:15PM

[7] : Louis Pojman, *Life and Death: Grappling with Moral Dilemma of Our Time*, Boston: Jones and Barlett, 1992, p:57

[8]:الاسراء۱۷:۷۰

[9]:بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، امام، الجامع الصحیح، بیروت: دارالاحیاء الارشاد العربی، 2006ء، کتاب الجنائز، باب: ماجاء فی قتل النفس، حدیث:۱۳۶۴

[10]:Donnison D, *Matters of Life and Death: Attitudes to Euthanasia*, Aldershot: Dartmouth Publishing, 1996,p:49

[11] : Biography of Stephen Hawking, http://www.biography.com/biog-stephen-hawking-9331710, Accessed on 11/05/2018, at: 8:30AM

[12]: مسلم، مسلم بن حجاج قشیری، امام الجامع الصحیح، ریاض: دارالسلام للنشر والتوزیع، ت۔ن۔، کتاب السلام، حدیث:۵۶۵۰

[13]:النساء۴:۹۳

[14]:المائدہ۵:۳۲

[15]: http://www.treaties.un.org/pages/viewdetails.aspx, *International Covenant on Civil and Political Rights- UNT,* Accessed on:15/5/2018, at:10:45AM

[16] : Derek Humphry , *Right to Die*, USA: Berkely Heights, 1996, p:129

[17]:الاعراف۷:۱۵۸

[18]:الحج۲۲:۶۶

[19]:النحل۱۶:۶۱

[20]:J Donald Boudreau, *Euthanasia and Assisted Suicide: a Physician's and Ethicist's Perspective,* Dovepress Journal: Medical and Bioethics, Accessed on: 17/05/2015, at:6:50PM p:28

[21]: Raphael Cohen Almagor, *The Right to Die with Dignity: An Argument in Ethics, Medicine and Law*, USA: Rutgers University Press,2009, p:74

[22]:ھود۱۱:۳

[23]:الانعام۶:۱۵۱

[24]:امام بخاری،الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، حدیث:۴۷۶۱

[25]:امام مسلم،الجامع الصحیح، کتاب التقدیر، باب اعمال بالنیہ، حدیث:۶۷۲۸

[26]:ترمذی، ابوعیسی محمد بن عیسی، امام، الجامع، بیروت: دارإحیاء التراث العربي—1386ھ۔، کتاب الجهاد، حدیث:۱۷۰۲

[27]:داؤد، سلیمان بن اشعث، امام، السنن، کتاب الزکوۃ، سعودی عرب: دارلسلام للنشر والتوزیع، ت-ن، حدیث:۱۶۹۳

[28] : Biography of Stephen Hawking, http://www.biography.com/biog-stephen-hawking-9331710, Accessed on 11/05/2018, at: 8:30AM

[29]:البقرہ۲:۱۵۵

[30]:ایضا، کتاب المریض، باب عیادۃ المریض، حدیث:۵۶۴۰

[31]:ایضا، کتاب المریض، باب شدت المرض، حدیث:۵۶۴۸

[32]:ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید، امام، السنن، کتاب الادویات، سعودی عرب: دارالسلام للنشر والتوزیع،2002ء، باب: بخار کا بیان، حدیث:۳۴۷۰

[33] : Bauer Maglin, *Final acts. Death, Dying and the Choice We Make,* USA: Rutgers University Press, 2011, p:58

[34] : Raphael Cohen Almagor, *The Right to Die with Dignity: An Argument in Ethics, Medicine and Law*, USA: Rutgers University Press,2009, p:74

[35]:الحدید۵۷:۲

[36]:مومن۴۰:۶۰

[37]:امام بخاری،الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب: ماینھی من السباب والعن، حدیث:۶۰۴۷

[38]:ایضا، کتاب الجنائز، باب: ماجاء فی قتل النفس، حدیث:۱۳۶۴

شرح الشاطبیہ لملا علی قاری: تعارفی، تجزیاتی و تقابلی مطالعہ

*حافظ محمد حسن

**ہمایوں عباس

Abstract

The holy Quran, the last revealed book on the last prophet, is a source of guidance for the universe. The Book is descended in seven tones (Saba'a Huroof) for the facilitation of the ummah in reading and understanding. The Holy Prophet PBUH himself taught his companion to read it in these tones. Travelling from person to person, when this came to the process of collection and compilation many books were composed. Touching the zenith of popularity the book of qirat *Al_Taseer*, attained a special place in the study of qira'. Then its explanations and precis came to public. Among them *Al-Hirz ul Amani,* arrained a special place ، even it replaced that and occupied *Al_Taseer* 's place. Due to its popularity and rank in the court of Allah and his prophet, to make its comprehension public and to get benefit of it, every skilled writer wrote its explanation. *Mullah_Ali Al_Qari* occupies a special place in the tones of Quran. He also wrote an explanatory book on it that is unavailable publicly. No doubt this book is special among the books of past on the same topic and a source of guidance for the coming works.

This article provides an introduction and characteristics of this book. It also provides a comparative study with other explanatory notes.

Keywords: Seven tones (Saba'a Huroof), book of qirat *Al_Taseer*, explanations and précis , *Al-Hirz ul Amani,*

قرآن کریم منزل من اللہ کتب میں آخری الہامی کتاب ہے۔ جسے اللہ تعالی نے تسہیل امت کے لئے سات حروف پر نازل فرمایا۔ یہ تمام کے تمام ساتوں حروف عین قرآن ہیں اور ان پر ایمان وایقان واجب ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی میں صحابہ کرام کے سامنے اس کی مکمل تشریح و تفسیر پیش فرمائی اور اسے پڑھنا بھی سکھایا۔ صحابہ کرام کے بعد آئمہ قرأت نے ان قرأت کو آگے بڑھایا۔ کتب احادیث میں احادیث کی طرز پر ان قرأتِ مختلفہ کی اسناد بھی موجود ہیں۔ "سبعہ احرف" پر مبنی دس قرأت اور بیس روایات دنیا بھر میں پڑھی پڑھائی جا رہی ہیں۔ ان میں سے چار روایات (قالون، ورش، دوری، حفص) ایسی ہیں جو دنیا کے کسی نہ کسی حصے میں رائج و متداول ہیں۔ عہدِ تروینِ علوم سے لے کر آج تک قرأت قرآنیہ کے موضوع پر بے شمار اہل علم قراء نے کتب تصنیف فرمائی ہیں اور ہنوز یہ سلسلہ جاری وساری

---

*پی ایچ ڈی اسکالر، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد/لیکچرار گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ اسلامیہ کالج فیصل آباد

**پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ و عربی، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

ہے۔

الحرز الامانی و وجہ التھانی (**شاطبیہ**) امام شاطبیؒ کی قرأت سبعہ میں اہم ترین اساسی اور نصابی کتاب ہے۔ یہ کتاب تدریسِ قرأتِ سبعہ میں مصدر کی حیثیت رکھتی ہے۔ "**شاطبیہ**" جزیرہ اندلس کے قصبہ شاطبہ میں ۵۳۸ھ میں پیدا ہونے والے بصارت سے محروم، امام القراء قاسم بن فیرُّہ[1] بن خلف بن احمد الاندلسی الشاطبیؒ[2] کی قرأت پر مشتمل بحر بے بہا کا نام ہے۔ جس کو علامہ نے انتہائی جانفشانی کے ساتھ ترتیب دیا۔ اگرچہ علم قرأت پر امام شاطبیؒ کے ۳ منظوم قصائد بنام

۱۔ زیر تبصرہ، قصیدہ لامیہ {المعروف "**شاطبیہ**" (۱۱۷۳ اشعار)}

۲۔ قصیدہ رائی {جو مصحف عثمانی کے رسم الخط کے بیان میں ہے (۲۹۸ اشعار)}

۳۔ قصیدہ ناظمہ الزہر {جس میں آیات کا شمار اور تعداد آیات میں اختلاف کا بیان ہے (۲۹۷ اشعار)} موجود ہیں، لیکن قصیدہ لامیہ، المعروف **شاطبیہ** کو جو شہرت و دوام حاصل ہوئی وہ کسی اور کو نہیں ہوئی۔[3]

"باب الاستعاذہ" سے ابتدا اور "باب مخارج الحروف وصفاتھا" پر ختم ہونے والا یہ قصیدہ "۷۷" ابواب مع خطبۃ الکتاب، ۹۴ صفحات اور "۱۱۷۳" اشعار پر مشتمل ہے۔ جس کے بارے میں خود امام شاطبیؒ قصیدہ شاطبیہ میں رقمطراز ہیں۔

ـــو ابیاتھا الف تزید ثلاثۃ
ومع مائۃ سبعین زھرا وکملا[4]

"شاطبیہ "بنیادی طور پر کتاب التیسیر فی القرأت السبع از ابو عمرو عثمان بن سعید الدانی الاندلسی (۴۴۴ھ م) کی منظوم تخلیص ہے[5]۔ جس کے بارے میں ابن الجزری فرماتے ہیں۔

التیسیر من اصح کتب القرأت[6]

امام شاطبیؒ نے اگرچہ "شاطبیہ" میں "امام دانی" کی بیان کردہ کچھ قرات کو حذف اور کچھ غیر مذکور کو ذکر کیا ہے (جن کو اہل فن متروکات و زیادات سے تعبیر کرتے ہیں) لیکن آپ نے بعینہ "کتاب التیسیر" کی تقسیم پر فصول و ابحاث منقسم کیے اور اس کا نام خود تجویز کیا۔ مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

ـــ وفی یسرھا التیسیر رمت اختصارہ
فا جنت بعون اللہ منہ موملا
وسمیتھا حرز الامانی تیمنا
ووجہ التھانی فاہنہ متقبلا[7]

اس قصیدہ میں "کتاب التیسیر" کی تسہیل (آسانی) ہے۔ جس کو میں نے ملخص و مختصراً پیش کیا ہے۔ پس یہ (قصیدہ) توفیق و مدد خدا کے سبب (کتاب تیسیر) سے زیادہ پھل لے آیا، یہی مطلوب بھی تھا۔ میں نے تبرکاً اس کا نام "حرز الامانی ووجہ التھانی (امید و خواہشات کی محافظ اور لذتوں کا رخ زیبا) رکھا۔ پس تم اس کو قبول کرتے ہوئے پکڑ لو۔

شاطبیہ کی لذتوں اور خوبیوں سے پوری طرح وہی حضرات واقف ہیں جو اس کے پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہیں۔ یہ قصیدہ نہایت فصیح و بلیغ نظم پر مشتمل ہے جس میں علم ووجوہ قرأت کے ساتھ ساتھ قاری کی رہنمائی اور پند و نصائح بھی موجود ہیں۔

ابتداء میں امام شاطبیؒ "۹۴" اشعار پر مشتمل خطبہ میں قراء سبعہ اور ان کے راویوں سے متعلقہ توضیحات پیش کرنے کے بعد مذکور قراء کے مابین بیانِ قراءت کے اختلاف میں کتاب میں طے کردہ اپنا نہج و طریقہ واضح کر دیتے ہیں جو کہ مبتدی و ماہرین کے لئے نشانِ منزل کی حیثیت اختیار کئے ہوئے ہے۔ نیز ہر باب میں اس باب سے متعلقہ قاری کو اصولِ قرأت کے متعلق آگاہی اور نصائح بھی کئے دیتے ہیں۔ جیسے "باب البسملہ" میں رقمطراز ہیں۔

ـمهما تصلها مع اواخر سورة
فلا تفضن الدهر فيها فتثقلا

جب بسم اللہ کو سورۃ کے آخر میں ملا کر پڑھو، بسم اللہ پر وقف نہ کرنا ورنہ تم (قراء کی نظر میں) گراں گزر معلوم ہو گے۔ (کیونکہ بسم اللہ سورۃ کے شروع پر آتی ہے نہ کہ آخر پر)

بلاشبہ شاطبیہ علم قرأت میں مرکزیت کی حامل کتاب ہے۔ جس میں مخارج، انکی کیفیات وصفات، مجموعہ حروف اور متعلقہ حالتیں، ادغام، فصل و وصل سے لے کر قراء اور انکی روایات نیز وجوہِ قرات واختلافات کا مفصل اور آسان ذکر ہے۔ ابن خلکان رقمطراز ہیں:

قرأت سے وابستہ تمام لوگ اس کو یاد کرتے ہیں یہ ایسا قصیدہ ہے جس کی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی۔[8]

اس کی مقبولیت و تداول نیز بارگاہ ایزدی و نبی رحمت سے مقبول و مشرف ہونے [9] کے پیش نظر قراء و مشائخ نے اس کی تشریحات و تعبیرات کو اپنا اعزاز سمجھا ہے۔ شرح شاطبیہ کی شروحات کی تعداد ۵۰ سے زائد ہیں۔[10] جن میں سے معروف مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔الوصید فی شرح القصید از علم الدین علی بن حسن السخاوی (۶۴۳ھ م) ملا علی قاری نے اس کو شاطبیہ کی اول شرح قرار دیا ہے۔[11]

2۔الدرۃ الفریدہ فی شرح قصیدہ از ابو یوسف حسین ہمدانی (۶۴۳ھ م)

3۔کنز المعانی از عبد اللہ محمد بن احمد موصلی (۶۵۶ھ م)

4۔اللائی الفریدہ فی شرح القصیدہ از محمد بن حسن الفاسی (۶۵۶ھ م)

5۔المفید فی شرح القصید از محمد بن احمد اللورقی (۶۶۱ھ م)

6۔ابراز المعانی از ابو شامہ مقدسی (۶۶۵ھ م)

7۔کنز المعانی از ابو محمد ابراہیم الجعبری (۷۳۲ھ م)

8۔الفریدہ البارزیہ فی شرح الشاطبیہ از ابو القاسم البارزی (۷۳۸ھ م)

9۔العقد النفید فی شرح القصید از احمد بن یوسف حلبی (۶۵۶ھ م)

10۔شرح القصیدہ الشاطبیہ از شمس الدین محمد سمرقندی (۷۸۰ھ م)

11۔کنز الامانی از عجلان البقاعی (۸۶۸ھ م)

12۔شرح الشاطبیہ از جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ م)

13۔توضیح المعانی از شہاب الدین قسطلانی (۹۲۳ھ م)

14۔شرح الشاطبیہ از ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ م) { زیر تبصرہ }

15۔الفتح الرحمانی از سلیمان بن حسین جمزوری (۱۱۹۸ھ م)

16۔اتحاف الحاذی از محمد بن عبد السلام الفاسی (۱۲۱۴ھ م)[12]

برصغیر میں شروحات

1۔تشریح المعانی از قاری عبد المالک علی گڑھی، (۱۹۵۱ء م)

2۔تنشیط الطبع فی اجراء السبع از اشرف علی تھانوی (۱۹۴۳ء م)

3۔عنایات رحمانی از فتح محمد پانی پتی (۱۴۰۷ھ م)

4۔تلخیص المعانی فی شرح حرز الامانیاز تقی الاسلام دہلوی (۱۳۰۷ھ م)

5۔امانیہ شرح شاطبیہ از قاری اظہار احمد، ۱۴۱۲ھ

ہماری زیر تبصرہ "شرح الشاطبیہ لملا علی قاری" کو عدم دستیابی کی بناء پر مخطوط کے طور پر سمجھا جاتا ہے جو کہ صحیح نہیں۔ مطبع مجتبائی دہلی سے شائع شدہ کتاب اگرچہ عام میسر نہیں اور اب چھپتی بھی نہیں لیکن بہر حال کتابی شکل میں موجود ہے، راقم کے پاس اس کا عکس موجود ہے۔ کتاب میں غوطہ زن ہونے سے پہلے کچھ مصنف کتاب کے بارے میں:

ترجمۃ الملا علی قاری

آپ کا نام علی اور آپ کے والد کا نام سلطان محمد ہے۔[13] آپ ملا علی قاری کے نام سے مشہور تھے۔ "ملا" خراسان، ایشیاء اور ہند میں علوم عقلیہ و نقلیہ کے ماہر کو کہا جاتا تھا۔[14] مولوی، مولانا، ملا ایک ہی معنی میں آتے ہیں۔ عہد تیموریہ اور صفویہ کی کتابوں میں ملا کے القابات عام ملتے ہیں۔ ہرات میں اس لفظ کا اجراء ملا جامی سے معلوم ہوتا ہے۔[15] ہرات میں پیدا ہوئے اور وہیں سے "ابن خطیب معین الدین الھروی" سے قرآن مع التجوید حفظ کیا۔[16] آپ کی کنیت ابوالحسن اور لقب نور الدین ہے۔ مکہ معظمہ میں 1014ھ میں وفات پائی۔[17]

جب پہلے صفوی سلطان اسماعیل بن حیدر[18] نے ہرات پر تسلط قائم کیا اور قتل و غارت گری اور رافضی عقائد کی اشاعت کی تو آپ ہجرت کر کے مکہ چلے گئے۔ آپ نے مکہ میں اجل قراء کرام سے قرآن پڑھا اور "شاطبیہ" کو حفظ کیا نیز ساتوں قرأتوں کو "**شاطبیہ**" کے طریق سے پڑھا۔ آپ حسنِ ترتیل میں اس قدر مشہور ہوئے کہ قاری سے ملقب ہوئے۔[19] آپ کی قرأت کی روایت شیخ القراء المکہ " سراج الدین یمنی " سے ہوتی ہوئی، شمس الدین جزری اور ابوالقاسم شاطبیؒ تک جاتی ہے۔ ملا علی قاری سندِ قرات کی توضیح خود فرماتے ہیں۔

"و اما سندی فی تحقیق القرات و تدقیق الروایات علی الشیخ سراج الدین الیمنی،وقد قرا علی الجماعۃ قرؤ وا علی الامام خطیب المدینہ محمد بن یقظان، وھو قرا علی زین الدین الھیتمی، وھو علی شمس الدین الجزری، وھو اخذ عن شمس الدین الکیلانی، عن اللبان، عن التقی الصالح عن ابی القاسم الشاطبی، عن ابن نجاح، عن ابن ھذیل، عن ابی عمرو الدانی وسندہ مذکور فی کتابہ التیسیر منتھیا الی البشیر النذیر ﷺ" [20]

سراج الدین یمنی جیسے استاد کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے سے ملا علی قاری علیہ الرحمۃ کو علم قرأت میں اس قدر اتقان حاصل ہوا کہ آپ نے حرز الامانی (الشاطبیہ) کی شرح تحریر کر ڈالی۔

شرح شاطبیہ لملا علی قاری کا تعارف

مطبع مجتبائی دہلی انڈیا سے طباعت شدہ کتابِ قرأت "شرح الشاطبیہ "اپنی مثال آپ ہے۔ شیخ محمود الحسن معتمد دار العلوم دیوبند" شرح شاطبیہ "کے متعلق رقمطراز ہیں۔

لا یمکن استقصاء محاسنہ و استیعاب محامدہ محتویا علی غرر التحقیقات الرائعات و درر النکات المعجبات الفائقات۔[21]

راقم مقالہ کا دعویٰ ہے کہ اس شرح کے بعد جتنی بھی شروحات لکھی گئی سب کی اصل یہی شرح رہی۔ کوئی بھی شارح اس کتاب سے استفادہ کئے بغیر اپنی کتاب کی تکمیل نا کر سکا۔ نیلی خوبصورت جلد بعینہ شاطبیہ کے طرز پر منقسم 431 صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب کی ابتداء میں " الحرز المعانی "مکمل اشعار، واضح ابواب میں منقسم، مندرج ہیں۔ جبکہ دوران شرح ابواب، غیر واضح اور عام عبارت میں لف ہیں جنکو تلاش بسیار کے بعد پہچانا جاتا ہے۔

مقدمہ ءکتاب میں ملا علی قاری، حمد و ثنا کے بعد کلام اللہ کے فضائل میں قرآن و احادیث ذکر کرتے ہیں۔ پھر ''سبعہ احرف'' وانواع قرأت پر احادیث مع الاسناد ذکر کرتے ہیں۔ مزید براں قرأت متواترہ و شاذہ کے حکم و حجیت پر بحث کرتے ہیں۔ اس کے بعد کتاب شاطبیہ کی اہمیت اور اس میں مشغول ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قد تطلفتُ بہذا الشرح رجاء الدخول فی زمرة اصحابہ[22]

میں نے اس قصیدہ کا انتخاب اس لیے کیا تاکہ میں بھی اس کے خوش بخت شارحین کی صف میں شامل ہو جاؤں۔

مزید لکھتے ہیں؛

والقصیدہ الشاطبیہ تلتقة الائمہ باالقبول عجما و عربا وہی اقرب الکتب المصنفہ فی ہذاالفن ،واتفق العلماء ان ما تغمنتہ متواترة بالطرق و موافقة لرسم المصاحف العثمالی۔[23]

قصیدہ شاطبیہ کو عرب و عجم میں اہل فن میں مقبولیت حاصل ہے (میں نے اسی وجہ سے لیا ہے)۔ بلاشبہ یہ قرأت کے فن میں تصنیف کی گئی کتب میں سے سب سے زیادہ قریب ہے۔ اور علماء اعیان کا اتفاق ہے کہ

اس میں موجود طرق، متواتر ہیں اور رسم عثمانی کے موافق ہے۔ بعد ازاں شمائلِ امام شاطبیؒ اور اس کتاب کے قبولِ بارگاہ ایزدی ور سول کے متعلق تصریح کرنے کے ساتھ خطبہ کی تکمیل کرتے ہیں۔ نیز کتاب کے اختتام پر شاطبیہ کے آخری شعر کے تحت بارِ دِگر امام شاطبیؒ کی مہارت اور اس کتاب کے کامل ہونے پر گفتگو کرتے دکھائی دیتے ہیں۔[24]

مصادر و مراجع

بلاشبہ شرح الشاطبیہ لملا علی قاری بیش قیمت علمی سرمایہ ہے۔ ملا علی قاری نے دوران توضیح کے لئے بنیادی امہات الکتب قرات، امہات الکتب لغات اور امہات الکتب حدیث جن سے استفادہ کیا۔

منہج و اسلوب

☆شرح الشاطبیہ میں ملا علی قاری نے ابتداء سے انتہاء تک تحقیقی و استشہادی منہج اختیار کیا ہے۔

☆اس کتاب میں کچھ مقامات پر فصاحت و بلاغت کا اسلوب اپنایا گیا ہے۔

☆عام فہمی کے پیش نظر بعید از تکلفات، عبارت نہایت آسان، جامع، محیط و مبنی بر موضوع ہے۔

☆ملا علی "الحرز الامانی ووجہ التھانی المعروف شاطبیہ" میں سے ہر ایک شعر کی الگ الگ تشریح کرتے ہیں

☆ فصیح الفاظ جو بلیغ معانی پر دال ہوں، تشریحِ مطالب میں استعمال کرتے ہیں۔

☆ تفہیمِ مطالب میں سہولت کے پیش نظر مالوف و مانوسۃ الاستعمال تراکیب کا استعمال کرتے ہیں۔

☆شعر ذکر کرنے کے بعد سب سے پہلے صرفی و نحوی تعلیل و ترکیب ذکر کرتے ہیں۔ پھر اس نظریہ و موضوع سے متعلق جید اسلاف قراء کی رائے ذکر کرتے ہیں۔ بعد ازاں الفاظ یا معانی کی تفہیم میں قرآن سے استشہاد لاتے ہیں اور تفسیری نکات بھرپور انداز میں ذکر کرتے ہیں۔ مزید براں تحقیقی اسلوب اپناتے ہوئے حدیث مع السند کے ذریعے استشہاد کرتے ہیں۔

☆سورتوں سے متعلقہ ابواب میں قرأت سے غیر متعلقہ مباحث، شان نزول، فضائل، مکی مدنی اختلافات، تعددِ آیات ذکر کرتے ہیں۔[25]

☆کسی موضوع سے متعلق اگر باقاعدہ کوئی تالیف ہو تو اس فن کی کتاب کی نشاندہی کرتے ہوئے محض اشارہ کر کے گزر جاتے ہیں۔

*والاحادیث فی فضل القران والقاری کثیرۃ وجمعت فیہ اربعون حدیثا [26]

*فی التفخیم والترقیق، حققناہ فی شرح المقد مہ الجزریہ[27]

توضیح الشعر بیان الترکیب

ملا علی قاری اشعارِ شاطبیہ کے معانی کی وضاحت اولاً صرفی ونحوی تعلیل اور ترکیب سے کرتے ہیں۔

مندرجہ ذیل شعر سے مروجہ انداز ونہج واضح ہوتا

ہے۔اول تا آخر ملا علی قاری کا توضیح مطالب میں تراکیب کا بیان کرنا اسی نہج پر ہے۔

ــوقارئہ المرضی قَر مثالہ
کالا ترج حالیہ مریحا و موکلا

قرآن کا قاری پسندیدہ ہے۔اس کی مثال اترج (بوٹی) کی سی ہے جو خوشبودار بھی ہوتی ہے اور خوش ذائقہ بھی۔

" قارئہ "ترکیب میں مبتدا ہے جو قرآن کی مرجع ضمیر کی طرف مضاف ہے۔"المرضی"اسم مفعول اس کی خبر ہے۔

"قر" ثبت اور استقر کے معنی میں جملہ مستانفہ ہے۔یا" مرضی" قاری کی صفت ہے اور "قر مثالہ "خبر ہے۔

اترج"قر" کے فاعل "مثالہ" سے حال ہے یا"قر"کا فاعل ضمیر ہے۔جس کا مرجع " قاری" ہے۔

"حالیہ"اترج سے بدل اشتمال ہے،اور" مریحا و موکلا" دونوں اترج سے حال ہیں۔

"اُترج" ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ ہے۔یہ ایک قسم کی بوٹی ہے جس کی خوشبو اچھی اور ذائقہ عمدہ ہوتا ہے۔"اترج، الترنجہ، الترنج "مختلف لغات ہیں جیسا کہ قاموس میں ہے۔اور شعلہ (امام موصلی) کا قول کہ "اترج" جمع ہے "اترجہ "کی۔اپنے ظاہر پر نہیں ہے، بلکہ یہاں اس کی جنس مراد لی گئی ہے۔[28]

☆جبکہ ابتداء مبحث پر اگرچہ تراکیب سے اجتناب کرتے ہیں لیکن لفاظی توضیحات یہاں بھی سابقہ نہج پر ہیں۔

"باب الفتح والامالہ وبین اللفظین" کے تحت لکھتے ہیں:

''فتح'' یہاں امالہ کی ضد ہے۔ یہی اصل ہے کیونکہ یہ کسے امر زائد پر موقوف نہیں. جبکہ ''امالہ'' فرع ہے۔ ''فتح'' حجازیوں کی لغت ہے اور " امالہ " اہل نجد، بنی اسد، تمیم اور قیس کی ہے۔ (دونوں درست ہیں)۔ کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا قرآن کو عرب لہجے میں پڑھو۔ بہرحال یہ بھی ''سبعہ احرف'' سے ہے۔ "امالہ " بمعنی میلان و جھکاؤ ہے۔ الف کو یاء کی طرف جھکانا اور فتح کو کسرہ کی طرف، اگر میلان تام ہو تو امالہ کبریٰ اور اضجاع کہتے ہیں۔ اگر تام نہ ہو تو اسے امالہ صغریٰ، بین بین اور تلطیف کہتے ہیں۔[29]

استشہاد بالقرآن

حسب روایت، توضیح مطالب میں ملا علی قاری ماثورہ اسلوب اپنائے ہوئے سب سے پہلے قران سے استشہاد کرتے ہیں۔

ـو بعد فحبل الله فينا كتابہ،
فجاہد بہ حِبل العِدا متحبلا[30]

حمد و ثناء کے بعد! حق تعالی (تک پہنچنے کا) ذریعہ ہمارے درمیان اس کی کتاب (قران) ہے۔ پس تم اس سے دشمنان دین کے حوادث کا مقابلہ کرو اور اس کے دفاع کی کوشش کرو بایں طور کہ تم اس کے (قوی و روشن دلائل کے) جال سے شکار کرنے والے ہو۔ چنانچہ فرماتے ہیں

فی المصراع الاول ایماء الی قولہ تعالٰی { وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا[31]
وقد قال تعالٰی: ' وَالَّذِينَ يُمَسِّكُونَ بِالْكِتَابِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُصْلِحِينَ[32]

ـو خير جليس لا يمل حديثہ
و ترداده يزداد فيہ تجملا[33]

قرآن ایسا بہترین ہم نشین ہے کہ جس کی بات (تلاوت) ناگوار نہیں گزرتی۔ اس کا بار بار پڑھنا (قاری یا قران) کے جمال میں اضافہ کرتا ہے۔ اس مصرعہ کی توضیح میں قرانی آیات یوں ذکر کرتے ہیں۔

كما قال تعالى وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ[34] يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا[35]

استشہاد بالحدیث

ملا علی قاری کا محدثانہ رنگ حسب روایت اس تصنیف میں بھی غالب نظر آتا ہے۔ جابجا احادیث کا ذکر مع السند کے ساتھ ساتھ اس کا حکم بھی بیان کرتے نظر آتے ہیں۔

ـو اخلِقُ بہ اذلبس يخلق جدة

جديدا مواليہ على الجد مقبلا

قران (کس قدر عجیب، عظیم الشان اور لائق مجاہدہ ہے کہ) وہ اپنے نئے ہونے کے اعتبار سے پرانا نہیں ہوتا۔

اس کی طرف متوجہ ہونے والا دوست درستگی اور بہتری پر ہے۔ مذکورہ بالا ابیاتِ شاطبیہ کے تحت لکھتے ہیں۔

*راوى ابن مسعود مرفوعا و موقوفا كما اخرجہ البهيقى فى كتاب المدخل ان ہذ القران لا ينقفى عجائبہ

*يا ابا هريره تعلم القران و علمہ الناس ولا تزال كذالک حتٰى ياتيک الموت

*واصحها واصحها حديث خيركم من تعلمرواه البخارى و احمد[36]

☆"اترج" کی توضیح میں لکھتے ہیں،

ثبت صفتہ فى الحديث، والتمثيل المصطفوى ہو ما رواه احمد واصحاب الستۃ عن سعيد الخدرى،مثل المومن الذى يقراء القران كمِثل الاترجۃ ريحها طيب و طعمها طيب دمثل المومن الذى لا يقراء القران كمثل التمرة لا ريح لها و طعمها حلو، ومثل المنافق الذى لا يقرء القران كمثل الحنطۃ ليس لها ريح و طعمها مرو۔[37]

اسلاف قراء سے استشهاد اور اس پر تبصرہ

اختلافِ مسئلہ میں ملا علی قاری اسلاف قُرّاء اعیان کی رائے ذکر کرتے ہیں۔ اگر متفق ہوں تو ویسے ہی ذکر کرتے ہیں جبکہ محل نظر ہو تو تبصرہ کرتے نظر آتے ہیں۔ تلمیذِ تلمیذِ سیوطی[38] کی سب سے بڑی خوبی نقد و تبصرہ ہے۔ آپ نے محض جمع آوری کا کام نہیں کیا۔ چند امثلہ درج ذیل ہیں۔

*ذكره الحافظ اصفہانى تلميذ الشيخ الجزرى فى المد يقدم المد فى اللين [39]

*وضميره للحمد لا لِا سم الله كما قال السخاوى و تبعہ اكثر الشراح حتى الجعبرى[40]

☆فتح و امالہ کی توضیحات کے تحت رقمطراز ہیں۔

*ذكره الجعبرى و بعضهم ان الاصل تغير الحروف ، واماله الالف تابع لہ، وقال بعضهم الاصل تغير الالف ، وتغيرالحرف تابع، ہذا ضعيف عند المحققين۔

*قال اصفہانى و كثير من المتقدين اقروہا باالكسر، ينبغى ان يجتنب فى الامالۃ الشديد ۃمن القلب الخالص[41]

*واصحها واصحها حديث خيركم من تعلم[42]

*ففول شعلہ "والاترج جمع الترجۃ ليس على ظاہره بل اراد انہ جنسہ[43]

موازنہ شرح شاطبیہ لملا علی قاری مع الشرحین (الشاطبیہ لسیوطی و موصلی)

کنزالمعانی شرح حرزالمعانی از محمد موصِلی[44] ۶۵۶ھ م[45] وشرح الشاطبیہ از امام جلال الدین سیوطی ۹۱۱ھ م[46] کا شرح الشاطبیہ لملا علی قاری سے موازنہ پیش خدمت ہے:

☆شرح **شاطبیہ** لملا علی قاری کے ابتداء میں متن شاطبیہ مکمل موجود ہے نیز ملا علی قاری، شاطبیہ کا شعر ذکر کرتے ہیں اور ایک ایک شعر کی الگ، الگ توضیحات کرتے ہیں برعکس سیوطی و موصلی کے۔ امام سیوطی کی شرح شاطبیہ میں نہ تو متنِ شاطبیہ اجمالا مذکور ہے بلکہ وہ تو اس قدر ایجاز عبارت پر عمل پیرا ہیں کہ شعرِ شاطبیہ کا ذکر کیے بغیر ہی اس کی توضیحات میں اتر جاتے ہیں۔[47] دوسری طرف امام موصلی کبھی 2 اشعار حتی کہ موضوع سے متعلقہ اکٹھے 3،3 اشعار کو ایک ہی پیرائے میں نقل کر دیتے ہیں۔ اور ان کی صرفی و نحوی تعلیل سمیت تمام توضیحات و مباحث اکٹھی ذکر کر دیتے ہیں۔[48]

☆امام سیوطی "شرح **شاطبیہ**" میں بھی طرز جلالین کو اپنائے ہوئے اختصار و ایجاز عبارت پر عمل پیرا ہیں حتی کہ ایک شعر کی زیادہ سے زیادہ توضیح 3 سے 4 سطور میں مکمل کر دیتے ہیں اسی طرح امام موصلی بھی توضیح اشعار میں 7 سے 8 سطروں میں معاملہ نپٹا دیتے ہیں۔ اس کے بالکل برعکس شرح شاطبیہ لملا علی قاری میں ملا علی قاری ایک شعر کی توضیح میں چار سے پانچ صفحات تک طویل مباحث ذکر کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ تعلیلات و اقتباسات کے علاوہ علم قرات سے غیر متعلقہ مباحث (سورتوں کے، شان نزول، فضائل، مکی مدنی اختلافات، تعددِ آیات وغیرہ) بھی بکثرت موجود ہیں جو نہ صرف کتاب کی ضخامت کا سبب بنیں بلکہ کبھی کبھی تو اس طوالت سے اصل منشاء ہی فوت ہوتا دکھائی دیتا ہے۔[49]

☆شرح شاطبیہ لسیوطی و موصلی میں توضیح مطالب میں قرانی امثال بکثرت موجود ہیں جب کہ ملا علی قاری میں ان کی نسبت کم ہیں۔

☆سیوطی و موصلی، اشعار کی توضیح میں مشکل الفاظ و تراکیب استعمال کرتے ہیں، جب کہ علی قاری، قاری کو آسان الفاظ سے معانی تک رسائی دیتے ہیں۔

☆صرفی و نحوی توضیحات شرح الشاطبیہ سیوطی میں بہت کم ہیں ان کا اصل منشاء محض معانی کی تفہیم ہے جبکہ ملا علی قاری اور امام موصلی عربی ادب کے شائقین کی پوری تسکین کرتے ہوئے بکثرت تعلیلات و تراکیب کا استعمال کرتے ہوئے عربی ادب پر کمال گرفت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

☆امام موصلی اقتباسات کے بغیر ہی توضیحات کرتے ہیں اسی طرح امام سیوطی کا منہج بھی جمع آوری ہے نقد و تبصرہ نہ ہونے کے برابر ہے جب کہ ملا علی قاری عبارت کی تفہیم میں منقول اقوال پر رائے بھی دیتے ہیں۔

نتائج بحث

ماہر قرات ملا علی قاری کے فن قرات کے کمال ملکہ کی مظہر یہ کتابِ شرح، قرات کی کتب سابقہ کی جامع اور مابعد کے لیے مصدر رہے۔ عربی ادب کے شائقین کے لیے بیک وقت تراکیب اور لغت کی کتاب ہے۔ نقد و آراء سے مزین یہ تالیف مبتدی و ماہرین کے لیے نشان منزل ہونے کے ساتھ ساتھ جادہ کی بھی حیثیت رکھتی ہے۔

حوالہ جات

1 بکسر الفاء بعدھا یاء، آخر الحروف ساکنہ ثم راء مشددۃ مضمومۃ۔/ابن اسماعیل، عبدالرحمن، ابراز المعانی من حرز الامانی، مدینہ منورہ، جامعہ اسلامیہ ۱۴۱۳ھ، ۱:۱

2 الذھبی، شمس الدین محمد بن احمد، سیر اعلام النبلاء، بیروت، موسسۃ الرسالہ، 1405، 262:21/کحالہ، عمر رضا، معجم المولفین، باب القاف، بیروت، دار احیاء التراث، ۸: ۱۱۰

3 الخلیلی، ابراہیم بن عمر، کنز المعانی، ریاض، وزارت الاوقاف وشئون الاسلامی، ۲۰۱۱ء، ۱: ۳۲

4 الشاطبیؒ، ابوالقاسم بن فیرہ، الحرز الامانی ووجہ التھانی فی القرات السبع، لاہور، مکتبہ القرات، :۹۳

5 دانیہ کے باشندے تھے، پیدائش ۵۳۸ھ ہے۔/الذھبی، شمس الدین، تذکرۃ الحفاظ، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۵ھ، ۱۱۲۰:۳

6 حاجی خلیفہ، کشف الظنون، بیروت، دار الفکر، 1982ھ، ۱: ۵۲۰/ابن جزری، محمد بن محمد، غایۃ النھایہ فی طبقات القراء، بیروت، دار لکتب العلمیہ، ۲: ۲۰-۲۳

7 الشاطبیؒ، ابوالقاسم بن فیرہ، الحرز الامانی ووجہ التھانی فی القرات السبع، لاہور، مکتبہ القرات، ۶:

8 ابن خلکان، محمد بن احمد، وفیات الاعیان، بیروت، دار صادر، ۴: ۷۰

9 ملا علی قاری نے شرح شاطبیہ کے آخر میں امام قرطبیؒ سے نقل کیا ہے کہ تالیفِ شاطبیہ کی فراغت کے بعد علامہ شاطبیؒ نے اس قصیدے کو لیکر بیت اللہ کے 12000 طواف کیے اور مقام دعا پر یہ کہا۔ اللھم فاطر السموات والارض عالم الغیب والشھادۃ رب ھذا البیت العظیم انفع بھا کل من قراھا۔ سو یہ دعا مقبول ہوئی۔ نیز رسول اللہ ﷺ علامہ موصوف کے خواب میں آئے اور اس کتاب کو دست مبارک میں لے کر فرمایا ھی مبارکۃ من حفظھا دخل الجنۃ / قاری، علی بن سلطان، **شرح شاطبیہ**، انڈیا، مطبع مجتبائی، : ۴۳۰/نیز الحفیان، احمد محمود، **اشہر المصطلحات فی فن اداء و علم القرات**، بیروت، دار الکتب العلمیہ، : ۸۷

10 الفھرش الشامل لتراث العربی الاسلامی المخطوط/القرآت، : ۸۴-۹۹

11 قاری، علی بن سلطان، شرح شاطبیہ، انڈیا، مطبع مجتبائی، : ۳/تھانوی، اظہار احمد، شرح شاطبیہ،، لاہور، قرأت اکیڈمی، : ۵

12 حاجی خلیفہ، کشف الظنون فی اسامی الکتب والفنون، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱: ۶۴۷

13 عبدالملک عصامی شافعی 1111ھ م نے **سمط النجوم العوالی والتوالی**، ۴: ۳۹۴ میں ملا علی قاری کے والد کا نام ذکر کرتے ہوئے فقط سلطان پر اکتفاء کیا ہے۔ نیز ابوالفیض مرتضیٰ بلگرامی 1205ھ م نے **تاج العروس من جواہر القاموس** کے مقدمے ۱: ۳ اور شیخ عبدالحی لکھنوی نے اپنی کتاب **طرب الاماثل بتراجم الافاضل**، ۲۲۵ میں بھی اسی پر اکتفاء کیا ہے۔ عبدالحکیم چشتی نے اپنی تصنیف **البضاعۃ المزجاۃ لمن یطالع المرقاۃ** ص ا میں تصریح کی ہے کہ میں نے سندھ میں موجود مصحف مخطوط پر ملا علی قاری کی خطاطی میں علی بن سلطان محمد خود دیکھا ہے۔ اسی طرح تمام مطبوعات جو آستانہ، مصر اور ہند میں شائع ہوئیں ان پر بھی ایسے ہی ہے۔

14 مزید دیکھیے الموسوعۃ العربیۃ العالمیۃ مادہ "ملا"

15 اردو دائرہ معارف اسلامیہ جامعہ پنجاب، مادہ "ملا"

16 ملا علی قاری نے خود تصریح فرمائی، دیکھیے، رسالہ شم العوارض فی ذم الروافض، تحقیق محمد احمد، المکتبہ المعروفیہ، کوئٹہ، ۶: ۳۵۷

17 لکھنوی، عبدالحیء بن عبدالحلیم، التعلیقات السنیہ علی الفوائد البھیہ، کراچی، قدیمی کتب خانہ، : ۸/المحبی، محمد امین فضل اللہ، خلاصۃ الاثر فی اعیان القرن الحادی عشر، بیروت، المطبعۃ الوھبیہ، 1284ھ، ۳: ۱۸۵

18 بیگ، مرزا مقبول، ادب نامہ ایران، لاہور، یونیورسٹی بک ایجنسی، : ۴۸۴

19 چشتی، عبدالحکیم، البضاعۃ المزجاۃ لمن یطالع المرقاۃ، ملتان، مکتبہ امداد العلوم، ۱: ۳

20 ملا، علی قاری، المنح الفکریہ، تحقیق، دکتور احمد شکری، دمشق، دار الغوثانی لدراسات القرآنیہ، 2012ھ، : ۳۲۴

21 قاری، علی بن سلطان، شرح شاطبیہ، انڈیا، مطبع مجتبائی، سرورق

22 ایضا مجتنائی، : ۴۳۰

23 ایضا، : ۲

24 ایضا، : ۴۳۰

25 مزید دیکھیے، ابواب متعلقہ بالسورۃ، قاری، علی بن سلطان، شرح شاطبیہ، انڈیا، مطبع مجتبائی، :۱۲۱، ۱۳۰، ۱۴۹، ۱۶۷

26 قاری، علی بن سلطان، شرح شاطبیہ، انڈیا، مطبع مجتبائی، :5

27 ایضا، :۱۱۰

28 قاری، علی بن سلطان، شرح شاطبیہ، انڈیا، مطبع مجتبائی، :۵

29 ایضا، :۱۱۰

30 الشاطبیؒ، ابوالقاسم بن فیرہ، الحرز الامانی ووجہ التھانی فی القرات السبع، لاہور، مکتبہ القرات، :۱

31 ال عمران ۳:۱۰۳

32 قاری، علی بن سلطان، شرح شاطبیہ، انڈیا، مطبع مجتبائی، :۴

33 ایضا، :۷

34 بنی اسرائیل، ۱۷:۸۲

35 البقرۃ، ۲:۲۶

36 قاری، علی بن سلطان، شرح شاطبیہ، انڈیا، مطبع مجتبائی، :۵

37 ایضا

38 ملا علی قاری، امام سیوطی کے شاگرد "الشیخ علی الجنانی" کے شاگرد ہیں۔/جمالین کے مقدمہ میں ملا علی قاری خود تصریح فرماتے ہیںمولانا و شیخ مشائخنا خاتمۃ المجتهدین الشیخ جلال الدین السیوطی/ قاری، علی بن سلطان، الجمالین للجلالین، کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ، ۱:۱۱

/مرقاۃ شرح مشکوۃ کے مقدمہ میں نام کیساتھ رقمطراز ہیں۔قد حصل لی اجازۃ عامۃ ورخصۃ تامۃ من الشیخ علی الجنانی الشافعی،قد قال ، قراتُ علیٰ جلال الدین السیوطی من الحدیث و غیرہ۔/ قاری، ملا علی بن سلطان، مرقاۃ المفاتیح، ملتان، مکتبہ امداد العلوم، ۱:۲

39 قاری، علی بن سلطان، شرح شاطبیہ، انڈیا، مطبع مجتبائی، :۵۶

40 ایضا، :۸

41 ایضا، :۱۱۰

42 ایضا، :۵

43 ایضا

44 میم کے فتحہ اور صاد کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ یہ نسبت، شہر موصل میں رہنے کی وجہ سے ہے جو کہ نینویٰ کے مقابل نہرِ دجلہ کے کنارے واقع ہے۔/ابن الجزری، شمس الدین محمد، غایۃ النہایۃ فہ طبقات القراء، بیروت، دار لکتب العلمیہ، ۲:۷۳/ حموی، یاقوت بن عبداللہ، معجم البلدان، بیروت، دار صاد، ۵:۲۲۳

45 الإمَامُ، المُجَوِّدُ، الذّکی، ابو عَبْدِ اللهِ مُحَمَّدُ بنُ احْمَدَ بنِ مُحَمَّدِ بنِ احْمَدَ بنِ حُسَيْنٍ المَوْصِلِى، الحَنْبَلِى، المُقْرِى، شُعْلَةُ، تُوُفِّيَ فِي صَفَرٍ، سَنَةَ سِتٍّ وَخَمْسِيْنَ وَسِتِّ مائَةٍ، عَاشَ ثَلاَثاً وَثَلاَثِيْنَ سَنَةً/ الذھبی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد، سیر اعلام النبلاء، بیروت، مؤسسہ الرسالہ، 1405ھ، ۲۳:۳۶۰/الزرکلی، خیر الدین بن محمود، الاعلام، بیروت، دار العلم للملایین، ،۶۱:۲۱۸

46ابو الفضل عبد الرحمان بن ابی بکر جلال الدین السیوطی 849ھ کو مصر میں پیدا ہوئے اور 19 جمادی الاول 911ھ میں وفات پائی۔/ العیدروس، عبد القادر الیمنی الہندی، النور السافر عن اخبار القرن العاشر، بیروت، دار صاد، 2001: ۹۰

47 یاد رہے کہ مخطوط کے مرتبین نے اشعار شاطبیہ کا ذکر سہولت کے پیش نظر خود سے کیا ہے جب کہ اصل مخطوط میں معاملہ ایسا نہیں ہے۔/ دیکھیے۔ سیوطی، جلال الدین، شرح شاطبیہ، اندلس، مؤسسۃ قرطبہ، تحقیق ابو عاصم حسین، :۳۔۱۱

48 موصلی، کنز المعانی، دمشق، مطبعہ المصحف الشریف، ص ۹۳، ۴۴، ۲۵

49 مزید دیکھیے، ابواب متعلقہ بالسورۃ، قاری، علی بن سلطان، شرح شاطبیہ، انڈیا، مطبع مجتبائی، ص ۱۲۱، ۱۳۰، ۱۴۹، ۱۶۷

معاشرتی مصالحت میں حائل رکاوٹیں اور ان کا تدارک سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں

*حافظ محمد شفیق

**محمد ارشد

Abstract

Hindrances in Social Reconciliation and their Eradication in perspective of Fiqh-ul –Alseerah is the title of this article. Violation of basic human rights, unreal behaviors, superiority of the male in domestic affairs, reluctance in accepting women rights, lust for permanence of leadership, intolerance and sentimentalism, lack of arbitration, communication gap between the parties, imbalance in division of legacy, imbalance of power and authority, bias and hostility are the factors of these hindrances. Suggestions to resolve hindrances in reconciliation have been proposed in perspective of Islamic Teachings. Islamic concept of reconciliation should be highlighted and the role of reconciliation council should be made more effective.

اللہ جل مجدہ نے انسان کو اشرف المخلوق بنایا ہے۔اس کا رہن سہن باقی مخلوقات سے ممتاز اور اعلیٰ ہے۔اس کا مل جل کر رہنا بھی کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے مخصوص اصولوں کے تحت ہوتا ہے۔انہیں اصولوں کو انسانی قدریں کہتے ہیں۔جملہ انسانی قدریں فطری اور عقل و شعور کے مطابق ہیں۔جب تک انسان اپنی جبلت اور فطرت پر ہوتا ہے،اس کا یہ رہن سہن دوسری مخلوقات سے ممتاز اور منفرد نظر آتا ہے ۔اور جب یہ اپنی فطرت سے ہٹ کر نفسِ امارہ کی حیوانیت کا شکار ہو کر غیر انسانی عادات کو اپناتا ہے تو اس کا معاشرہ دوسری مخلوقات کی منفی عادات کا نقشہ پیش کرتا ہے۔کچھ منفی عادات اور رویے انسانی جبلت میں بطور آزمائش ایسے رکھ دیے گئے ہیں جن کی بنا پر افراد ایک دوسرے سے صلح اور امن و آشتی سے رہنے میں ناکام ہو جاتے ہیں جبکہ مل جل کر رہنا انسان کی ضرورت ہے۔اسلام نے انسان کی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اسے فطری طور ایک دوسرے سے مانوس تو کر دیا ہے لیکن جب تک ان منفی رویوں کو کنٹرول نہیں کیا جاتا تب تک وہ معاشرتی مصالحت قائم نہیں کر سکتا۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوق بنایا ہے اس لئے اسے نیکی اور بدی کا فرق و امتیاز الہام کر دیا ہے تاکہ یہ اپنی معاشرت کو بدی سے پاک کرتے ہوئے نیکی سے مزین کر لے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

*اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علومِ اسلامیہ گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج شکر گڑھ

**پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، شکر گڑھ

فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَتَقۡوٰىهَا [1] "پس اس نے اس انسان کو سرکشی اور نیکی الہام کر دی"

اور کامیاب اسے قرار دیا جس نے اپنے آپ کو فسق وفجور سے بچالیا اور ناکام اور خائب وخاسر وہ قرار دیا گیا جو نیکی کی بجائے برائی میں پڑ کر خراب ہو گیا۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰىهَا ۔وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰىهَا [2]

"تحقیق کامیاب وہ ہوا جس نے اپنے نفس کو پاک کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اسے خراب کر دیا"

پہلی آیت میں مذکور انسانی فضیلت کی بنا پر رب ذوالجلال نے اسے احسنِ تقویم کا حامل قرار دیا جبکہ مذکورہ بالا سورہ شمس کی آیت نمبر 10 کے مصداق اسے اسفل السافلین قرار دیا۔قرآنِ حکیم میں ہے:

لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِيۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِيۡمٍ۔ ثُمَّ رَدَدۡنٰهُ اَسۡفَلَ سٰفِلِيۡنَ [3]

"بلاشبہ ہم نے انسان کو بہترین انداز پر تخلیق کیا پھر ہم نے اسے سب سے نچلے گڑھے میں گرا دیا"

اس مضمون میں معاشرتی مصالحت کا مفہوم،اہمیت،اس میں حائل رکاوٹیں اوران کے سد باب پر فقہ السیرہ کی روشنی میں بحث کی جائے گی۔معاشرتی مصالحت کے مفہوم کا جہاں تک تعلق ہے تو یہ واضح ہے کہ مصالحت کا لفظ صلح سے باب مفاعلہ پر مصدر ہے جس لغوی معنٰی باہم صلح سے رہنا،امن وسلامتی سے معاشرتی زندگی گزارنا اور ایک دوسرے سے مصالحانہ رویہ اختیار کرنا ہے۔اس کا متضاد فساد انگیزی،انتشار ،لڑائی جھگڑا کرنا اور بدامنی پھیلانا ہے۔معاشرتی زندگی میں افرادِ معاشرہ باہم مختلف نسبتوں سے منسلک ہوتے ہیں۔کوئی ہمسایہ ہے تو کوئی رشتہ دار کوئی استاد ہے تو کوئی شاگرد، کوئی باپ ہے تو کوئی اولاد، کوئی خاوند ہے تو کوئی بیوی، کوئی حاکم ہے تو کوئی محکوم اور کوئی عام شہری ہے تو کوئی اقلیتی ذمی شہری۔یعنی اسلامی معاشرے کا ہر فرد دینی اخوت کے رشتے میں پروئے جانے کے ساتھ ساتھ مختلف ذیلی حیثیتوں کا حامل ہوتا ہے۔اس لحاظ سے اس کے حقوق وفرائض بھی متعین ہیں۔اگر معاشرے میں مصالحت ،امن، سلامتی ، تحمل اور بردباری ہو گی تو معاشرہ ان رشتوں کا تقدس ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی مقصدیت پورا کر سکے گا لیکن اگراس کے برعکس معاشرہ بدامنی، فساد انگیزی اور دنگا فساد کا مرکز رہا تو وہاں انسان کی یہ سوشل ضرورتیں پوری نہ ہو سکیں گی۔معاشرے کا بنیادی یونٹ یعنی خاندانی اور عائلی زندگی بھی مصالحت کے بغیر اپنی افادیت کھو دیتی ہے۔میاں بیوی میں اگر مصالحانہ رویے نہ ہوں تو گھر ہر

وقت دوزخ کا سا نقشہ پیش کرتا ہے۔

جہاں تک اسلام اور اسلامی تعلیمات کا تعلق ہے تو یہ بات عنوان سے ہی واضح ہوجاتی ہے کہ جس معاشرے کی نسبت اسلام اور ایمان سے ہوگی وہاں سلامتی اور امن لازمی تقاضا ہوگا۔اسلامی شہری کی تعریف ہی ان الفاظ میں کی گئی ہے:

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ[4]

"حقیقی مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان سلامت رہیں"

سب سے بڑھ کر اسلام نے معاشرے میں صلح و آشتی قائم رکھنے کا ماحول دیا ہے۔یہاں تک کہ اسلام کا تصور جہاد بھی اپنے اندر یہی مقصدیت رکھتا ہے کہ معاشرے سے برائی کو مغلوب کر کے مصالحت کی راہ ہموار کی جائے۔آج اس حقیقت سے عاری لوگ اسلام کے تصور جہاد پر تشدد اور دہشت گردی کا من گھڑت الزام لگانے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔حضور نبیِ اکرم ﷺ نے اپنی مدنی زندگی میں اپنی سیرت ،تعلیمات اور جہادی کوششوں کی بنا پر معاشرتی مصالحت کا آئیڈیل ماحول پیش کیا۔ذیل میں ان چند اسباب اور ان کے تدارک کا ذکر کیا جاتا ہے جو معاشرے میں مصالحانہ رویوں کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں:

1۔بنیادی حقوق پامال کرنے کی روش

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بنیادی حقوق عطا کیے ہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ[5]

"اور ہم نے کہا زمین میں اتر جاو تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہوں گے اور تمہارے لئے زمین میں ایک مقررہ مدت تک ٹھہرنا اور فائدہ حاصل کرنا ہے"

یہاں اس آیت مبارکہ سے یہ بات بھی معلوم ہو رہی ہے کہ انسان باہم ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے حالانکہ ان میں سے ہر ایک کے بنیادی حقوق مقرر کر دے گئے ہیں۔اب یہ بھی واضح ہے کہ باہم اس دشمنی اور عدمِ مصالحت کی وجہ ایک دوسرے کے حقوق پر حملہ آور ہونا ہو سکتی ہے۔آج معاشرے میں یہی بات عام ہے کہ لوگ ایک دوسرے کی جان،مال اور عزت پر جب ڈاکے ڈالتے ہیں تو پھر امن تباہ ہوتا ہے، صلح و آشتی کا ماحول ختم ہو جاتا ہے۔یوں جس کی لاٹھی اس کی بھینس والا قانون معاشرتی مصالحت میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔حضور نبیِ اکرم ﷺ نے اس رکاوٹ کو معاشرے سے ختم کرنے کے لئے ایک دوسرے پر جان،مال اور عزت حرام قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

كل المسلم على المسلم حرام دمه وماله وعرضه[6]

"ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، مال اور عزت حرام ہے"

ایک مقام پر آپ ﷺ نے مومن کی تعریف یوں فرمائی ہے:

المومن من امنه الناس علىٰ دمائهم واموالهم[7]

"مومن وہ ہے جس سے لوگوں کے جان و مال محفوظ ہوں"

پس مسلمان اور مومن کے اپنے اعزاز اور عنوان کو محفوظ رکھنے کے لئے دوسروں کے ان بنیادی حقوق کی پامالی سے احتراز ضروری ہے۔اس کے باوجود اگر کوئی ہوسِ مال وزر میں کسی کی جان و مال یا عصمت و عزت کو پامال کرے تو اس کے لئے باقاعدہ سزا بصورت قصاص، حدود و تعزیرات کا نظام دیا گیا ہے۔ مثلاً عزت پامال کرنے والے پر ہتکِ عزت کا دعوہ کرنے کا حق دیا گیا، مال چوری کرنے والے کو ہاتھ کاٹنے کی سزا بطور حد دی گئی ہے، قتل کے بدلے قتل بطور قصاص حکم دیا گیا، زنا اور بدکاری کی سزا بطور حد سو کوڑے اور رجم مقرر کی گئی۔

2۔ غیر تحقیقی رویے

معاشرتی مصالحت میں ایک بہت بڑی رکاوٹ غیر تحقیقی رویے بھی ہیں۔ایک دوسرے کے بارے میں گردش کرنے والی افواہوں کو بغیر سوچے سمجھے آگے پہنچا دینے سے معاملات خراب سے خراب تر ہو جاتے ہیں۔ قطع تعلقی کی خلیج بڑھتی چلی جاتی ہے۔انفرادی سطح سے لے کر قومی سطح تک بدامنی اور بگاڑ پھیلتا ہے۔معاشرتی سطح پر خود کو اور دوسروں کو مصیبت و پریشانی سے بچانے کے لیے افواہوں پر کان دھرنے سے قبل تحقیق کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ارشادِ باری ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَاۗءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَــهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰي مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ [8]

"اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی اعلانیہ گناہگار کوئی خبر لائے تو خوب چھان بین کر لو وگرنہ تم اپنی نادانی کی وجہ سے کسی گروہ کو مصیبت میں ڈال دو پھر تمہیں شرمندگی اٹھانا پڑے"

عصرِ حاضر میں سوشل میڈیا کی ترقی نے جہاں بہت سی آگاہی دی وہاں ایک دوسرے کے خلاف اپنے بغض و عناد کو پورا کرنے کے لئے میڈیا وار میں مصالحت نام کی کوئی چیز دور تک نظر نہیں آتی۔

معاشرتی مصالحت کے لیے درمیانی واسطوں کو ختم کر کے براہِ راست گفت وشنید اور حق و باطل کو ثابت کر لینا ضروری ہوتا ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جھوٹے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ سنی سنائی بات آگے پہنچادی جائے۔

3۔ گھر میں مرد کی قوامیت اور عورت کے حقوق تسلیم کرنے میں پس و پیش

گھر معاشرے کی ایک بنیادی اکائی ہے۔ گھر میں میاں بیوی بنیادی افراد ہوتے ہیں ۔ معاشرے میں مصالحت قائم ہونے میں بڑی رکاوٹ یہ ہوتی ہے کہ مرد اور عورت ایک دوسرے کے مقام اور منصب کو قبول کرنے سے گریزاں ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کو وہ حقوق دینے کے تیار نہیں ہوتے جو اسلام اور پیغمبرِ اسلام نے انہیں دیے ہیں۔ مثلاً گھر میں مردوں کو نگہبان اور نگران مقرر کیا ہے یوں بیوی اور عورت کو اس کے تابع قرار دیا ہے، ضروریاتِ زندگی پورا کرنا مرد کی ذمہ داری قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد، ربانی ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَي النِّسَاۗءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَھُمْ عَلٰي بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ[9]

"خاوند اپنی بیویوں پر نگران ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے اور اس لیے کہ انہوں (مردوں) نے اپنے مال میں سے (ان پر) خرچ کیا ہے"

مردوں کی اس قوامیت کے ساتھ ساتھ نظامِ زندگی کو متوازن کرنے کے لئے اسلام نے عورتوں کے بھی مردوں کی طرح حقوق مقرر کیے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ [10]

"اور ان (بیویوں) کے بھی دستور کے مطابق حقوق ہیں جس طرح ان پر حقوق ہیں اور خاوندوں کو ان پر مرتبہ حاصل ہے"

عائلی زندگی میں اگر بگاڑ پیدا ہو جائے اور میاں بیوی میں تعلقات کشیدہ ہو جائیں تو اس گھر کو انتشار اور ویران ہونے سے محفوظ رکھنے کے لئے شریعت نے جانبین سے ایسے افراد کو حکم مقرر کرنے کی ہدایت کی ہے کہ جو غیر جانبداری سے فریقین کی بات سن کر اعتدال اور توازن سے معاملے کو سدھار سکیں ارشادِ ربانی ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَھْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَھْلِھَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِــيْمًا خَبِيْرًا[11]

"اور اگر تمہیں ان دونوں (میاں بیوی) کی مخالفت کا ڈر ہو تو ایک حکم مرد کی طرف سے مقرر کرو اور ایک عورت کی طرف سے اگر وہ دونوں صلح چاہتے ہوں گے تو اللہ جل جلالہ ان کے مابین موافقت پیدا کر دے گا۔ بلاشبہ رب تعالیٰ خوب جاننے والا انتہائی خبر والا ہے"

حضور نبیِ مکرم ﷺ نے اپنی بیویوں کو ان کے تمام حقوق عطا کیے،ان کے ساتھ محبت کا رویہ اختیار فرمایا،ان سے حسنِ معاشرت کی اعلیٰ مثال قائم فرمائی ان کی آزادیِ رائے اور عزتِ نفس کا لحاظ فرمایا۔اس ضمن میں آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

خیارکم خیارکم لنسآئهم[12]

"تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنی بیویوں سے بہترین سلوک کرنے والا ہو"

اور ازواجِ مطہرات نے بھی آپ ﷺ کی قوامیت اور سیادت و سرپرستی کو اپنے لئے سعادتِ دارین سمجھا۔ آپ ﷺ نے انہیں گھر میں عزت و عظمت کا وہ ماحول دیا جو پوری انسانیت کے لیے اسوہ کامل کا درجہ رکھتا ہے،آج کا نام نہاد آزادی اور ترقی کا دور بھی دعووں کے باوجود عورت کو وہ مقام نہیں دے سکا بلکہ الٹا اسے رسوا کر دیا ہے۔ عصرِ حاضر میں تہذیبِ حاضر ترقی اور آزادی کے نام پر مرد اور عورت میں یہ اعتدال پر مبنی تعلق مجروح ہو کے رہ گیا ہے۔ بعض اوقات تو مردوں کے بجائے عورت کی قوامیت عملاً نظر آتی ہے۔اور بعض مقامات پر اس کے برعکس عورت کو بالکل ہی انسانوں کی صف سے گویا نکال دیا جاتا ہے۔عائلی زندگی کا یہ افراط و تفریط کا ماحول گھر خاندان اور معاشرے میں مصالحت کے قیام میں رکاوٹ ہوتا ہے۔

4۔ قیادت وسیادت کو دوام بخشنے کا رویہ

معاشرے میں جن لوگوں کو اقتدار اور سرداری کا نشہ ہو جاتا ہے وہ ہر ممکن کوشاں رہتے ہیں کہ اسے دوام بخش سکیں۔ایسے افراد معاشرے میں انتشار اور بگاڑ کا باعث ہوتے ہیں۔ایسے لوگ عوام الناس میں اپنی حیثیت منوانے کے لیے یہ حربہ بھرپور استعمال کرتے ہیں کہ خود ہی لڑائی جھگڑا کروا دیتے ہیں اور خود ہی مختلف منافقانہ کرداروں کی صورت میں ثالث بن جاتے ہیں۔ گلی محلے سے بین الاقوامی سطح پر یہ حربہ استعمال ہو رہا ہے۔اس وجہ سے بھی معاشرہ مصالحت کے ماحول سے عاری نظر آتا ہے۔اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے ہاں اس معاشرتی بیماری کا علاج یوں ہے کہ سیادت و قیادت میں عہدے اور منصب کی

بجائے ذمہ داری، مسئولیت اور خدمت کا تصور دیا ہے، عہدے کی خواہش کرنے والے کو اس کا حق دار قرار نہیں دیا۔ منصب اور عہدے کو ایک امانت کی حیثیت دی گئی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا [13]

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کے سپرد کرو"

عہد و پیمان پورا کرنے کہ اہمیت بتاتے ہوئے آقاء دوجہاں ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب امانتیں ضائع ہونے لگیں تو قیامت کا انتظار کر۔ پوچھا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ امانتوں کا ضائع ہونا کیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب قیادت وسیادت غیر اہل لوگوں کے سپرد کی جانے لگے۔[14]

دوسری طرف اس طرح کے مفادپرست اور منافق گروہ کی شناخت رب ذوالجلال نے خود قرآنِ حکیم میں کرادی ہے تاکہ معاشرہ ان کی چال بازیوں سے محفوظ رہ سکے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ [15]

ان آیات میں اللہ جل مجدہ نے منافقین کی شناخت کرواتے ہوئے ان کی حسب ذیل علامات بیان فرمادی ہیں 1۔ ایمان کا جھوٹا دعوی۔ 2۔ اللہ تعالیٰ اور اہلِ ایمان کو دھوکہ دہی کی ناکام کوشش کرنا۔ 3۔ روحانی مرضِ نفاق میں مبتلا 4۔ جھوٹ بولنا۔ 5۔ اصلاح کے نام پر فساد انگیزی۔ 6۔ اہلِ ایمان کو بیوقوف سمجھنا۔ 7۔ مفادپرستی کے لئے دوغلی پالیسی پر عمل پیرا رہنا۔ 8۔ ان کو سرکشی کے باوجود ڈھیل دی گئی ہوتی ہے 9۔ ہدایت وایمان کے بدلے گمراہی اور ضلالت کے خریدار۔

مراد یہ کہ ان علامات کے حامل لوگ اپنے اقتدار کو طول دینے کے لئے مصالحت میں رکاوٹ ہوتے ہیں۔ قرآن وسنت میں اہلِ ایمان کو بصیرت وحکمت کی دولت سے مالامال کردیا گیا ہے جس بناپر ایسے لوگوں کے شر سے بچا جاسکتا ہے۔

5۔ عدمِ تحمل اور جذباتیت

ہر دور کی طرح عصرِ حاضر میں بھی معاشرتی مصالحت کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ تحمل و برداشت کا فقدان ہے۔ تنازعات اور جھگڑوں کے دوران فریقین میں پائے جانے والے بے قابو جذبات تعلقات اور معاملات کو انا کی بھینٹ چڑھا کر لوگوں کو صلح اور آشتی سے دور رکھتا ہے۔ جذبات کی رو میں بہہ کر درست فیصلہ کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اس حوالہ سے سیرت سے بہترین ہدایت ملتی ہے۔ آپ ﷺ نے تبلیغِ دین کی خاطر دشمن کے طعن و تشنیع کے حملوں کو نہ صرف برداشت کیا بلکہ دشمن کی ہر موقع پر خیر خواہی کی

ہے۔ کفارِ مکہ نے آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے غلاموں کو جسمانی اذیتیں بھی دیں لیکن آپ ﷺ اور صحابہ کرام کرام علیھم الرضوان نے ان مشکلات اور آزمائشوں کو خوشدلی سے برداشت کیا۔ مکی زندگی اس طرح کی مثالوں سے مزین ہے۔ آپ ﷺ نے تحمل و برداشت کی عملی تربیت سے متعلق حدیث نبوی ہے:

حدثنا سلیمان بن صرد :استب رجلان عند النبیﷺونحن عندہ جلوس فاحدھما سب صاحبہ مغضباً قداحمر وجھہ فقال النبیﷺ انی لاعلم کلمۃ لو قالھا لذھب عنہ ما یجد لو قال:اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم[16]

"سلیمان بن صرد نے بیان کیا کہ دو آدمی نبی اکرم ﷺ کے سامنے گالی گلوچ کر رہے تھے۔اور ہم آپ ﷺ کی بارگاہ میں بیٹھے تھے۔ان میں سے ایک نے اپنے دوسرے ساتھی کو غصے میں اس طرح گالی دی کہ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا پس نبی ﷺ نے فرمایا یقینا میں ایک جملہ جانتا ہوں اگر یہ وہ پڑھ لے تو اس کا غصہ نہ رہے گا۔ کاش یہ پڑھ لے :اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم"

تحمل و برداشت کی اہمیت بتاتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

لیس الشدید بالصرعۃ انما الشدید الذی یملک نفسہ عند الغضب[17]

"طاقتور وہ نہیں جو مقابل کو گرادے بلکہ طاقتور وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو پالے"

صلح حدیبیہ کے وقت پر آپ ﷺ نے اپنے جذبات پر قابو پاکر ہمیں نمونہ عطا کیا حدیث نبوی میں ہے:لما کاتب رسول اللہ ﷺ سھیل بن عمرو یوم الحدیبیہ علیٰ قضیۃ المدۃ وکان فیما اشترط سھیل بن عمروانہ قال لا یاتیک منا احد وان کان علیٰ دینک الا رددتہ الینا وخلیت بیننا وبینہ وابی سھیل ان یقاضی رسول اللہ ﷺ الا علیٰ ذالک فکرہ المومنون ذالک وامتعضوا فتکلموا فیہ[18]

"جب آپ ﷺ حدیبیہ کے دن سہیل بن عمرو کے ساتھ تحریری معاہدہ طے کر رہے تھے اس دوران سہیل بن عمرو نے یہ شرط رکھی کہ ہم میں سے یعنی مکہ سے جو کوئی آپ کے پاس جائے گا، اگرچہ آپ کا دین قبول کر لینے کے بعد ہی ہو، آپ اسے ہمیں واپس کر دینے کے پابند ہوں گے۔اس کے اور ہمارے درمیان آپ حائل نہیں ہوں گے۔اس پر صحابہ نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور اسے اپنی کمزوری سمجھتے ہوئے باتیں کیں"

یعنی جب یہ شرط طے پاگئی کہ اگر مکہ سے کوئی مدینہ جانا چاہے گا تو نہیں جانے دیا جائے گا لیکن اگر کوئی مدینہ سے مکہ آنا چاہے گا تو اسے نہیں روکا جائے گا۔ یعنی بظاہر انتہائی کمزور شرط پر کفارِ مکہ سے صلح کی جارہی تھی جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام نے جذبات میں گزارش کی کہ یا رسول اللہ کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ لیکن آپ ﷺ نے جذباتیت کو کنٹرول کیا اور دور اندیشی دکھائی اور یہ شرائط قبول فرمالیں۔ عصرِ حاضر میں اگر اسوہ حسنہ سے سبق حاصل کرتے ہوئے ہم بھی دور اندیشی سے کام لیں اور جذبات پر کنٹرول رکھیں تو معاشرتی مصالحت میں کوئی رکاوٹ نہیں رہتی۔

6۔ ثالثی کردار کا فقدان

عصرِ حاضر الزام تراشی کا دور ہے۔ عام طور پر لوگ اپنے آپ کو پیچیدگی سے دور رکھنے کی غرض سے معاشرے میں ضرورت کے وقت بھی صلح کروانے میں اپنا کردار ادا نہیں کرتے فریقین خود ہی ایک دوسرے سے اپنے جذبات سے انتقام کی آگ میں جلتے رہتے ہیں۔ ظلم وستم کی روش جاری رہتی ہے۔ اس ضمن میں سیرت طیبہ سے معاہدہ حلف الفضول مشعل راہ بن سکتا ہے پیر کرم شاہ الازہریؒ اس معاہدے کا پس منظر بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ چونکہ مکہ میں کوئی منظم اور باقاعدہ حکومت نہیں تھی اور نہ کوئی باقاعدہ عدالتی نظام تھا کہ جہاں مظلوم کی دادرسی ممکن ہوتی۔ پورا عرب قبائلی نظام میں جکڑا ہوا تھا۔ اگر کوئی قتل ہو جاتا تو سال ہا سال تک قبائل کے قبائل جنگ میں خون بہاتے رہتے، یہ بھی معلوم نہ ہوتا کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا۔ اگر کوئی مسافر یا اجنبی آجاتا اور اس پر ظلم ہوتا تو وہ کسی سے دادرسی کی اپیل نہ کر سکتا تھا۔ اسی اثنا میں زبید نامی ایک یمن کا تاجر وہاں آیا۔ مکہ کے ایک رئیس عاص بن وائل نے اس سے مال خریدا لیکن رقم ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ اب وہ بے چارا تاجر بے یار و مددگار تھا کہ وہ زبیر بن عبد المطلب کے پاس پہنچا۔ انہوں نے مظلوموں کی مدد کے لئے اس معاہدے کی تحریک چلائی، اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک بیس سال تھی آپ ﷺ نے اس معاہدے میں شرکت کی اور بعد میں بھی اس پر مسرت کا اظہار فرماتے تھے۔ اس معاہدے میں شریک افراد نے مظلوم کی مدد کی قسم اٹھائی[19] اس سے یہ استدلال کیا جاسکتا ہے کہ معاشرے سے ظلم وانتشار ختم کرنے اور مظلوم و محروم کی مدد کے لئے بھرپور کردار ادا کیا جائے بلکہ اس مقصد کے لئے باہم معاہدات بھی طے کیے جائیں۔ تنازعات میں ثالثی کا کردار ادا کرنا آپ ﷺ کا طریقہ ہے۔

7۔ فریقین کے مابین رابطے اور مذاکرات کا فقدان

انفرادی زندگی سے زندگی تک ہر سطح پر مصالحت قائم کرنے میں ایک رکاوٹ، نزاع سے متاثرہ فریقین کے درمیان رابطے کا فقدان ہے۔ اختلافات کی موجودگی میں انانیت اور جذباتیت فریقین کو ایک دوسرے سے قریب نہیں آنے دیتی۔ حالانکہ عام طور پر ہمارے جذبات اپنے ذاتی اور سطحی قسم کے مفادات سے وابستہ ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں سیرتِ طیبہ کے اہم باب صلح حدیبیہ سے بھرپور رہنمائی ملتی ہے۔ یعنی باوجود اس کے کہ قریشِ مکہ نے آپ ﷺ اور صحابہ کرام کو خانہ کعبہ کا طواف اور عمرہ کرنے سے روک دیا تھا، معاہدے کے آغاز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم اور محمد رسول اللہ لکھنے سے بھی وہ انکاری رہے، قریش کا سفیر کہتا تھا کہ ہم اللہ کو رحمن ورحیم مانتے ہیں نہ آپ کو رسول اللہ مانتے ہیں اگر ایسا مانتے ہوتے تو جنگ نہ ہوتی لہٰذا صرف محمد بن عبداللہ لکھا جائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ یہ الفاظ مٹادو لیکن آپ نے فرطِ عقیدت ومحبت میں انکار کردیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے علی! جو یہ قریشِ مکہ چارہے ہیں وہی لکھ دو ایک وقت آئے گا تمہیں بھی اپنے مخالف کو ایسی ہی رعایت دیناپڑے گی۔ یہ پیشگوئی من وعن جنگ صفین کے موقع پر پوری ہوگئی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ حکم حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی طرف سے معاہدے کی تحریر کو قبول کرنے سے انکار کردیا اور کہا کہ صرف علی بن ابی طالب لکھا جائے چنانچہ مجبوری میں ان کی یہ بات مان لی گئی اور مصالحت کی خاطر صلح نامہ لکھ لیا گیا۔[20]

اس صورت حال میں جذبات کو توقدم قدم پر دھچکا لگا لیکن آپ نے پھر بھی ان سے مذاکرات کیے اور باقاعدہ ایک معاہدہ بھی طے کیا۔ جب مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے آپ ﷺ کو روک دیا تو آپ جذبات میں آکر فوراً واپس نہیں چلے گئے یا آپ ﷺ نے مکہ پر چڑھائی کا حکم نہیں دے دیا۔ اس سے قبل ہجرتِ مدینہ کے وقت وہاں موجود اہل کتاب سے بھی میثاقِ مدینہ کی صورت میں مسلسل رابطہ قائم کیا اور معاشرتی مصالحت کا ماحول پیدا فرمایا۔

8۔ تقسیمِ وراثت میں بے اعتدالی

باہم تعلقات میں مصالحانہ رویے قائم رکھنے کے لئے مالی معاملات کا اعتدال پر ہونا ضروری ہے۔ اگر جائیداد اور وراثت کی تقسیم میں بے اعتدالی اور زیادتی کا عنصر آجائے تو یقینی طور پر تعلقات میں خرابی پیدا ہو جاتی

ہے۔اگر تو تقسیمِ دولت انسان کی خواہش کے مطابق ہو تو پھر بدامنی اور بگاڑ کو ٹالا نہیں کیا جاتا۔ مصالحت میں بننے والی اس رکاوٹ کو ہٹانے کے لئے تقسیم وراثت کا سارا شیڈول احکم الحاکمین نے خود عطا کر دیا۔ قرآنِ حکیم کی سورہ نساء کا دوسرا رکوع اس موضوع کو بیان کرتا ہے۔آج ہمارے معاشرے کا المیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیے گئے تقسیمِ وراثت کے شیڈول کو چھوڑ کر من مانی کی جاتی ہے جسے چاہتے ہیں وراثت میں سے حصہ دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں محروم کر دیتے ہیں۔مزید برآں بیٹیاں اور بہنیں اگر وراثت میں سے اپنا حصہ مانگ لیں تو ان سے بھائی نسبی رشتہ ہی توڑ لیتے ہیں۔اسے اپنے میکے گھر جانے کی خوشی سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے۔

9۔طاقت واختیارات کا عدم توازن

چونکہ دولت اور اختیارات کی تقسیم ہی ہمارے ہاں غیر منصفانہ ہے لہٰذا معاشرے میں طاقت اور اختیارات کا توازن نہیں ہے۔ایک طرف ایسا حکمران اور سرمایہ دار طبقہ ہے جس کے پاس وقت اور اختیارات کی زیادتی ہے جو اپنے آپ کو آقا اور مالک سمجھتا ہے جبکہ دوسری طرف معاشرے میں مظلوم و مقہور اور غریب طبقہ ہے جو ان صاحب دولت واختیارات کی غلامی و نوکری کر رہا ہے۔دونوں طبقات میں فرق اس قدر ہے کہ معاشرتی مصالحت کا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔اس مشکل کا حل سیرتِ طیبہ سے یوں ملتا ہے کہ آپ ﷺ کائنات میں ربِ ذوالجلال کے بعد سب سے اعلیٰ منصب پر فائز ہونے کے باوجود معاشرے کے مجبور طبقے کی خدمت میں عملی طور پر پیش پیش ہیں۔بیواؤں کی مدد کرتے ہیں، جن گھروں کوئی کام کرنے والا نہیں ان کی بکریوں کا دودھ دھو دیتے۔

10۔مصالحت میں منافقانہ رویہ

یہ بات واضح رہے کہ صلح اور منافقت دو الگ اور باہم متضاد راستے ہیں۔ حق اور باطل، سچ اور جھوٹ کا امتیاز اور تشخص ختم نہ ہونے پائے اور حالات اور ماحول کے مطابق احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے فریضے کی بجاآوری کا سلسلہ بھی جاری رہے مصالحت قائم رکھتے ہوئے یہ بات ملحوظِ خاطر رہے کہ حق اور باطل کو خلط ملط نہ ہونے دیا جائے۔آج کل معاشرے میں زیادہ تر مصالحت کے نام پر منافقت اختیار کی جاتی ہے۔سچ اور جھوٹ دونوں کو ایک ساتھ راضی رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔[21] حضور نبی اکرم ﷺ اس مصالحت کی اجازت نہیں دیتے۔آپ ﷺ نے صلح اور مصالحت کی جتنی بھی کوششیں کیں، سب میں اپنا

تشخص اور وجود منوایا۔ اپنے بنیادی موقف پر قائم رہتے ہوئے، اپنے ہی موقف کو مزید مؤثر طریقے سے ثابت کرنے کے لئے معاہدات بھی کیے ہیں اور حالات اور ماحول کے مطابق مخالف کو کچھ رعائتیں بھی دی ہیں جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر ہوا۔ سورہ کافرون کا پورا مضمون ہی اس اسوہ حسنہ کی تائید کر رہا ہے۔

11۔ بغض وعداوت

مصالحت میں ایک بنیادی رکاوٹ باہم بغض وعداوت ہے۔ یہ بغض وعداوت باہمی جنگ وجدال کا باعث بنتا ہے۔ اسلام کس قدر امن پسند اور صلح جو ہے اس کا پتہ اس بات سے ہو جاتا ہے کہ جنگ جیسی حالت میں بھی مخالف فریق سے مصالحت قائم کرنے یا اگر وہ صلح کی پیشکش کرے تو اسے قبول کرنے میں گریز نہیں کیا جاتا۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ[22]

"اے اہلِ ایمان! جب تم اللہ کی راستے میں (جہاد کے لئے) سفر پر نکلو تو تحقیق کر لیا کرو اور اس کو جو تمہیں سلام کرے اسے مت کہو کہ تم مسلمان نہیں ہو"

کسی قوم کی اصلی اور حقیقی شخصیت کا چہرہ حالتِ جنگ میں ہی بے نقاب ہوتا ہے۔ اسلام نے حالتِ جنگ میں بھی اپنے پیروؤں کو حتی الوسع صلح پسندی کی ہدایات دی ہیں۔ خود آپ ﷺ کا بھی تمام زندگی یہی عمل رہا کہ جنگ برپا ہونے سے پہلے آپ ﷺ ہمیشہ دشمن کو صلح کی دعوت پیش فرماتے۔ جنگ شروع ہونے کے بعد بھی آپ ﷺ اس کا التزام فرماتے تھے[23]

سو آج کے دور میں حالتِ جنگ میں صلح کے طریق پر عمل کی بہت ضرورت ہے۔ اس ضمن میں فریقین کو باہم اعتماد کی فضا کو برقرار رکھنا چاہئے اور کسی ایک کی صلح کی پیشکش کو شک کی بنا پر رد نہ کیا جائے۔

نتائج بحث

ان مذکورہ بالا سطور میں زیرِ مطالعہ موضوع کے ضمن میں اسلام میں معاشرتی مصالحت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے اس راہ کی رکاوٹوں کا کھوج لگایا گیا ہے۔ صلح کی راہ سے ہٹانے والے اسباب میں ایک دوسرے کے حقوق پامال کرنے کی روش، غیر تحقیقی رویے، جذباتیت میں بہہ جانا، عدمِ تحمل وبرداشت، مخالف سے عدمِ رابطہ، دوسروں کی جائز حیثیت کو ماننے سے راہِ فرار اختیار کرنا، طاقت واختیار کا عدمِ توازن اور

سرداریوں کو ہمیشہ قائم رکھنے کا منفی جذبہ ، تقسیمِ وراثت میں بے اعتدالی ،مصالحت میں منافقانہ رویے،بغض وعداوت وغیرہ ہیں ۔حضورِ اکرم ﷺ کی معاشرتی زندگی سے حاصل ہونے والی فہم وفراست کی روشنی میں ان رکاوٹوں کو وسعتِ نظری،دوراندیشی، تحمل وبرداشت، مخالفین سے اختلاف کے باوجود اپنے مقصد کے وسیع تر مفاد کی خاطر ان سے رابطوں کو آخری حد تک قائم رکھنے کی کوششوں اور افرادِ معاشرہ کے جائز مقام کو تسلیم کرنے اور طاقت واختیارات کے غیر فطری فرق کو ختم کرکے دور کیا جاسکتا ہے۔

سفارشات

اس مضمون کی سفارشات حسب ذیل ہیں:

1۔اسلام کے تصورِ صلح کو سمجھا جائے اور اس کو عام کرنے کے لئے تعلیمی اداروں میں سیمینارز کا انعقاد کیا جائے۔

2۔سیرتِ طیبہ پر عمل کرتے ہوئے مصالحت میں حائل رکاوٹیں دور کی جائیں تاکہ مصالحت پر عمل آسان ہوسکے۔

3۔مصالحانہ کونسل کے کردار کو زیادہ فعال بنایا جائے تاکہ عدالتوں پر زیادہ بوجھ نہ بڑھے۔

حوالہ جات

[1] ۔الشمس، 8:91

[2] ۔ایضا، 91:9۔10

[3] ۔التین، 95:4،5

[4] ۔بخاری، محمد بن اسماعیل(۲۵۶ھ)،الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول اللہ ﷺ وسننہ وایامہ، مکتبہ رحمانیہ،لاہور، کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ، 1:62

5 ۔البقرۃ،36:2

6 ۔المسلم، مسلم بن الحجاج، الصحیح، قدیمی کتب خانہ، کراچی، کتاب البر والصلۃ والادب، باب تحریم ظلم المسلم وخذلہ والاحتقار، 2: 317

7 ۔ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ (۲۷۹ھ)، الجامع، فاروقی کتب خانہ، ملتان، ابواب الایمان، باب ماجاء فی ان المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ، 87:2

8 ۔الحجرات، 6:49

9 ۔النسآء، 34:4

10 ۔البقرۃ، 228:2

11 ۔النسآء، 35:4

12 ۔الترمذی، الجامع، ابواب الرضاع، باب حق المراۃ علی زوجھا، 138:1

13 ۔النسآء، 58:4

14 ۔بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، رقم الحدیث: 59

15 ۔البقرۃ، 8:2تا20

16 ۔بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب الحذر من الغضب۔۔۔2: 430

17 ۔ایضا

18 ۔بخاری، الجامع الصحیح، کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیۃ۔۔۔، 76:2

19 ۔الازہری، پیر محمد کرم شاہ، ضیاء النبی، ضیاء القران پبلیکیشنز، لاہور، 2: 123۔125

20 ۔الحلبی، علی بن برہان الدین، مترجم محمد اسلم قاسمی، سیرت حلبیہ، دار الاشاعت، کراچی، 5-6: 81تا83

21 ۔محمد طاہر القادری، ڈاکٹر، سیرۃ الرسول، منہاج القرآن پبلیکیشنز، لاہور، 7: 487۔488

22 ۔النسآء، 94:4

23 ۔سیرۃ الرسول، 7: 483

بین المسالک ہم آہنگی کے اصول و حصولِ اتحاد کے لیے تجاویز

*علاؤالدین سارنگ

**طاہرہ فردوس

Abstract

Unity has an immense role in developing nations and achieving higher goals. Unity in Muslim *Ummah* is one of the basic and major issues of the time. The increasing sectarian ethnocentrism has covered and freckled the fundamental teachings of Islam. In today's era Muslim *Ummah* is suffering from various major and minor problems and the fundamental reasons of their problems are seatrain hatred, difference of opinions in creeds, lust for power and fame, intolerance etc. All these problems took scattered Muslim *Ummah* into pieces and made them to fight on minor issues based on only difference of opinions. On the other hand the enemies of Muslim *Ummah* are united and fully aware that their strength lies in the disunity of Muslims. Moreover they are steeped in dividing Muslims into different sects and groups. It is a historical fact that in every age Muslims were disunited and disintegrated to weaken them. It is only possible when *Ummah* unites in one plate form. At the same time it is the responsibility of the Muslim rulers to play their role in for Muslim unity and Universal Brotherhood.

کسی بھی قوم کی کامیابی وکامرانی اس کے افراد کے باہمی اتحاد میں مضمر ہے۔ جس طرح پانی کا قطرہ قطرہ مل کر دریا بنتا ہے اسی طرح انسانوں کے متحد اور مجتمع ہونے سے ایسی اجتماعیت تشکیل پاتی ہے کہ جس پر نگاہ ڈالتے ہی دشمن وحشت زدہ ہو جاتا ہے اور کبھی بھی اس کی طرف میلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔ قرآنِ مجید نے ہمیں اپنے زمانہ نزول سے ہی یہ راز سکھادیا تھا:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ[1]

"اور تیار کروانکی لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کر سکو قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے کہ اس سے دھاک پڑے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر اور دوسروں پر ان کے سوا"

علاوہ ازیں قرآن مجید میں متعدد مقامات پر امت کو متحد و مجتمع ہونے کی ہدایت کی گئی ہے چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا[2]

---

*اسکالر ایم فل علوم اسلامیہ جامعہ بلوچستان کوئٹہ۔

**لیکچرار شعبہ علوم اسلامیہ جامعہ بلوچستان، کوئٹہ۔

"اور تم سب ملکر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو"

آیتِ بالا میں فردِ واحد کے بجائے پوری امت سے خطاب ہے، اللہ کی رسی یعنی شریعتِ اسلامیہ کو مضبوطی سے تھام لینا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ صرف اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کے حکم پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ "جَمِيعاً"، یعنی سب مل جل کر اللہ کی رسی کو تھامے رکھو۔ مسلمانوں کو باہمی اتفاق سے ایک واحد قوت کی شکل میں اعتصام بحبل اللہ کرنا ہوگا اور ایک دوسرے کے ساتھ متحد ہونا ہوگا۔ اسی طرح جہاں اتحادِ امت کا حکم دیا گیا ہے وہیں اس آیتِ مبارکہ سے یہ بات بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ تفرقہ باز اور امت میں پھوٹ پیدا کرنے سے گریز کیا جائے۔ حبل اللہ سے مراد جمہور علماء کے نزدیک کتاب و سنت ہیں اس اعتبار سے امتِ مسلمہ کے سامنے اتحاد و اتفاق کی دو مضبوط بنیادیں موجود ہیں جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کی حدیث کا مفہوم ہے کہ:

تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ[3]

"میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں جب تک ان کو مضبوطی سے تھامے رہو گے کبھی گمراہ نہیں ہوگے ایک کتاب اللہ اور دوسری میری سنت۔"

اللہ تعالیٰ کا پیغام اور اس کی تعلیم و ہدایات قرآن مجید کی صورت میں امت کو عطا کی گئی ہیں جس میں انسانوں کے لیے ایک ضابطہ حیات مقرر کیا گیا ہے جس کی عملی صورت حضور اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ ہے، لہٰذا امت مسلمہ کو چاہیے کہ کتاب و سنت کی بنیاد پر متحد و متفق ہوں اور آپس کی تفرقہ باز سے مکمل اجتناب کریں۔

یہاں یہ بات بھی نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ اتحاد مسلمانوں کو انفرادی رائے، اعتقادات و مسلک میں اختلاف سے رائے سے نہیں روکتی بلکہ اتحاد سے مراد یہ ہے کہ ہر فرد اپنے اعتقادات پر قائم رہتے ہوئے ان پر عمل پیرا ہو اور دوسرے کی رائے کے کا احترام و سعت قلبی اور رواداری سے کرے اور فرقہ وارانہ تعصب سے پرہیز کرے کیونکہ تعصب تنازعہ و تصادم کو جنم دیتا ہے۔ جس طرح صحابہ کرام اور تابعین عظام باوجود اختلافِ رائے کے ایک دوسرے کے ساتھ باہمی احترام اور اخوت و محبت سے زندگی بسر کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو تعصب کی بنیاد پر اختلاف اور باہمی انتشار و بدامنی کی مذمت بیان کرتے ہوئے اسے بدترین عذاب قرار دیا ہے چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓي اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ[4]

''تو کہہ اسی کو قدرت ہے اس پر کہ بھیجے تم پر عذاب اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا بھڑادے تم کو مختلف فرقے کر کے اور چکھاوے ایک کو لڑائی ایک کی دیکھ کس کس طرح ہم بیان کرتے ہیں آیتوں کو تاکہ وہ سمجھ جاویں۔''

آیتِ بالا کے ضمن میں ابن اثیرؒ فرماتے ہیں کہ:" شِيَعًا "سے مراد امتِ اسلام کے درمیان تفرقہ بازی پھیلانا ہے۔[5]

اتحاد کے حقیقی معنیٰ و مفہوم

وحدت کا مطلب یہ ہے کہ دو فرد، دو گروہ یا دو مذہب باوجود کہ لوگ اختلاف رائے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر زندگی بسر کریں۔ ہمارے ہاں وحدت بامعنی مسالمیت آمیز اور ایک دوسرے سے متعرض نہ ہونے کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ متعرض نہ ہونا بذاتِ خود بہت مفید، پسندیدہ اور ضروری ہے، لیکن بہر حال یہ وحدت سے سے الگ معنی ہے اور دونوں الگ ایک نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ سورہ الانفال میں فرماتا ہے:

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ[6]

''اور حکم مانو اللہ کا اور اسکے رسول کا اور آپس میں نہ جھگڑو پس نامراد ہو جاؤ گے اور جاتی رہے گی تمہاری ہوا اور صبر کرو بیشک اللہ ساتھ ہے صبر والوں کے''

یہ آیتِ مبارکہ مسلمانوں کا آپس میں متعرض نہ ہونے کے ضمن میں ہے یعنی ایک دوسرے کے ساتھ نزاع اور جھگڑا نہ کرو اور باہم تحمل و برداشت کا مظاہرہ کرو۔

وحدت کے معنی یہ ہیں کہ دو فرد یا دو جماعتیں یا دو ملک اتحاد و اتفاق میں اس درجہ پر پہنچ جائیں کہ ایک دوسرے کی اچھائی و فائدہ کو اپنی اچھائی سمجھیں اور ایک دوسرے کے نقصان و ضرر کو اپنا نقصان و ضرر جانیں اور جس طرح اپنے حقوق کے دفاع کی کوشش کرتے ہیں اسی طرح دوسرے کے حقوق کے دفاع کی کوشش کریں، وحدت کے متعرض نہ ہونے سے عمیق اور بلند معنی ہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا[7]

''اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو''

آیت بالا میں وحدت کا حکم دیا جارہا ہے اگرچہ آیت میں یگانگت اور عالمی بھائی چارگی اور برداری کی تعبیر نہیں آئی ہے لیکن اس کے بعد کی دوسری آیت میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا[8]

''ان لوگوں کی طرح نہ بنو جو متفرق و منتشر ہو گئے اور ایک دوسرے سے اختلاف کیا۔''

سیدنا علی کرم اللہ وجہ نے اہل بصرہ کے متعلق بڑی ظریف تعبیر استعمال کرتے ہوئے فرمایا: ''الْمُجْتَمِعَةُ أَبْدَانُهُ''[9] اہلِ بصرہ کے فقط ابدان ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔

جب ایک سماج اور معاشرہ اس زمانے میں بصرہ کے لوگوں کے مانند ہوگا، اور انسان نظر کرے گا تو ایک ایک دو یا پانچ لاکھ آدمیوں کو دیکھے گا۔ لیکن یہ تمام لوگ یکہ و تنہا ہوں گے، سب الگ ہوں گے۔ اور ہر ایک خود اکیلا نظر آئے گا۔ ہر انسان فقط اپنے منافع کو حاصل کرنے اور اپنے نقصانات کو دور کرنے کی فکر میں رہے گا اور دوسروں سے اس کا کوئی مطلب و سروکار نہیں ہوگا۔

بین المسالک ہم آہنگی کے اصول

مسلمانوں کی آپس میں مختلف مسالک، مکاتب فکر اور فرقوں کے درمیان اختلاف ایک فطری عمل ہے، مگر اختلاف کو فرقہ واریت کا ذریعہ نہ بنایا جائے بلکہ اختلاف کو رحمت سمجھا جائے تو بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں، لہٰذا بین المسالک ہم آہنگی کے لئے ہمیں معاشرے میں کچھ بنیادی اصول اپنانے ہوں گے، جس کی وجہ سے ہم اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور امن سے رہ سکتے ہیں۔

1۔ وسعت قلبی

بین المسالک ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وسعتِ قلبی اختیار کی جائے اس سلسلے میں امام مالک کی مثال دی جاسکتی ہے۔ امام مالکؒ سے خلیفہ وقت نے درخواست کی کہ ان کی تصنیف موطا کو خلافت کی عملداری والے تمام علاقوں میں نافذ کر کے تمام لوگوں کو اس پر عمل کا پابند بنادیا جائے تو امام مالک نے اس تجویز کو پسند نہیں کیا اور خلیفہ کو ایسا کرنے سے منع کر دیا اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ لوگوں تک دین کے بارے میں مختلف باتیں پہنچی ہیں اور انہوں نے مختلف احادیث سن رکھی ہیں، مختلف علاقوں کے لوگوں تک

جس جس انداز سے دین پہنچا وہاں کے لوگوں نے اسے اختیار کر لیا، اب جس چیز کو وہ درست سمجھ کر اختیار کر چکے ہیں انہیں اس سے روکنا بہت سنگین ہو گا، اس لئے لوگ جس حال میں ہیں ان کو اسی پر رہنے دیا جائے۔[10]

مختلف مسالک کے مابین مذہبی اختلافات ایک ناقابل تردید اور ناقابل تبدیل حقیقت ہے۔ قرآن نے اعتقادی اختلافات کے باب میں حق و باطل کو آخری درجے میں واضح کرنے کے بعد بھی مخالف مذہبی گروہوں کے خیالات زبردستی تبدیل کرنے کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ یہ کہا ہے کہ یہ اختلاف ایسے ہی برقرار رہیں گے اور ان کا فیصلہ قیامت کے روز خدا کی بارگاہ میں ہی ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے بھی فرمایا: فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَ عَلَيْنَا الْحِسَابُ[11]

"تمہارا کام تو صرف پیغام پہنچانا ہے۔ حساب کتاب لینا ہمارا کام ہے۔"

2۔ قبولیت اور برداشت

اب اس بات کا امکان موجود نہیں کہ دو مختلف مسالک اپنا اپنا قدیمی یا مروج مسلک ترک کر دیں اور عبادات کے بارے میں احکام سے قطع نظر کرتے ہوئے عقائد و احکام کے کسی نئے پروگرام اور نظام پر اتفاق کر لیں یا پھر کسی ایک مذہب کے ماننے والے اپنے عقائد و نظریات اور نظام عبادات کو ترک کر کے دوسرے مذہب کو پوری طرح اختیار کر لیں۔ ہاں ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک دوسرے کے بارے میں آگاہی کے ساتھ ایک دوسرے کو قبول یا برداشت کرنے کی بنیاد پر اتحاد کر لیا جائے۔

3۔ شائستگی اور خیر خواہی

رواداری اور مسلکی ہم آہنگی کے لیے ضروری ہے کہ دوسروں کو اہلِ بدعت، اور کافر و گستاخ کہنے کی بجائے اپنے نقطہ نظر کو مثبت انداز میں واضح کیا جائے، دوسرے کی اصلاح ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبے کے تحت شائستگی سے کی جائے، اسے اپنا رقیب اور مخالف سمجھنے کی ذہنیت سے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔

ارشادِ نبوی ﷺ ہے "الدِّيْنُ النَّصِيحَةُ"[12] "دین خیر خواہی کا نام ہے۔" امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ ارشادِ نبوی پورے دین کا خلاصہ ہے کیونکہ نصیحت کے معنی اخلاص کے ہیں اور تصوف سے مقصود اخلاص ہے، تصوف کہتے ہیں ہر صالح کام کا اخلاص کے ساتھ کرنا۔ حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے

ہیں کہ یہ ارشادِ نبوی تمام امورِ دین کو شامل ہے کیونکہ ''نصیحۃ للہ'' سے قرآن پاک کے احکام معلوم ہوتے ہیں اور دوسرے جملے ''ولرسولہٖ'' سے سنت نبوی ﷺ اور معاشرتی امور معلوم ہوتے ہیں۔[13]

4۔ایک دوسرے کا احترام

مسلمانوں کے مابین محبت رسول ﷺ، محبتِ آل رسول، احترام صحابہ کرام اور احترام ازواج مطہرات کی بنیاد پر قربت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ تمام مسالک کے علمائے کرام کو دوسرے مسلک کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے احتیاط کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ ہر مسلک کے اندر ایک مختصر طبقہ انتہا پسندانہ نظریات اور نفرتوں کا پرچار کرتا ہے۔ اس حوالے سے یہ امر نہایت اہم ہے کہ تاریخ اسلام کی ایسی شخصیات جو کسی بھی مکتبہ فکر کے نزدیک محترم ہوں ان کی توہین کی اجازت نہیں دی جاسکتی، نہ صرف صراحتاً توہین سے اجتناب کرنا ہوگا بلکہ اشارۃً وکنایۃً بھی ایسا کرنے سے پرہیز کرنا ہوگا۔

5۔بدگمانی سے بچنا

قرآن پاک میں مسلمانوں کو مخاطب کرکے کہا گیا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا [14]

''اے ایمان والو بچتے رہو بہت تہمتیں کرنے سے مقرر بعضی تہمت گناہ ہے اور بھید نہ ٹٹولو کسی کا''

مسلمانوں کے مابین بہت سارے اختلافات محض غلط فہمی یا ایک دوسرے سے بدگمانی کی بنیاد پر پیدا ہوتے ہیں اور اس کی وجہ سے اختلافات میں شدت پیدا ہوتی ہے اور فریقین کے درمیان اختلافات کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی جاتی ہے، لیکن جب ایسے دو افراد یا گروہ باہم ملتے ہیں جن کے درمیان مخاصمت اور عداوت ہو تو باہمی تبادلہَ خیال کے نتیجہ میں ایک دوسرے کے نقطہَ نظر سے واقفیت ہوتی ہے اور ایک دوسرے کی حسن نیت اور پاکیزہ مقصد کے بارے میں اطمینان حاصل ہوتا ہے تو آپس میں الفت و محبت اور وحدت و یگانگت کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔

مفتی رفیع عثمانی اپنے رسالہ ''اختلاف رحمت ہے، فرقہ بندی حرام ہے''میں لکھتے ہیں:

''مختلف فرقوں کے باہمی اختلافات کے ضمن میں مختلف مکاتب فکر کے اختلافات کو اس تناظر میں نہیں دیکھنا چاہیے کہ ایک کا موقف یقیناً غلط اور دوسرے کا یقیناً درست ہے، بلکہ اس ضمن میں دیکھنا یہ چاہیے کہ جس پر ہمارا اطمینان ہے اس کے درست ہونے کا غالب امکان ہے اگرچہ یہ احتمال بھی موجود ہے کہ وہ غلط

ہو۔اسی طرح دوسرے کا موقف ہمارے غالب گمان کے مطابق غلط ہے اگرچہ احتمال اس کا بھی ہے کہ وہ صحیح ہو۔ کسی بھی وقوع پذیر ہونے والے واقعہ پر بلا تحقیق ایک دوسرے پر الزام تراشی کرنا اور اسے فرقہ وارانہ رنگ دینا نفرت اور فساد کو پھیلانے کے مترادف ہے۔''[15]

6۔توہین اور گستاخ کے فتاویٰ سے اجتناب

گستاخِ رسول کو سزا دینا اسلامی حکومت کا کام ہے کیونکہ کوئی گستاخ رسول ہے یا نہیں اس فیصلے کا اختیار صرف اسلامی ریاست کے عہدیداروں کو ہے۔ اگر یہ اختیار عوام کے ہاتھ میں دے دیا جائے تو وہ اس کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے شک کی بنیاد پر بھی لوگوں کو قتل کریں گے جس کی مثالیں موجود ہیں،اس لئے اس پر مقدمہ چلایا جائے۔

7۔آپ دوسروں کے اعمال کے ذمہ دار نہیں

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بطورِ اصول یہ بات واضح کر دی ہے کہ ہر شخص اپنے اچھے برے عمل کا خود ذمہ دار ہے۔ کسی بھی شخص کے کسی بھی فعل کی ذمہ داری دوسرے پر نہیں ڈالی جاسکتی اور نہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے فعل کی ذمہ داری اپنے سر لے سکتا ہے۔ ہر شخص اپنے اعمال و اقوال کا خود ذمہ دار ہے ،چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۔ وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی[16]

''کہ اٹھاتا نہیں کوئی اٹھانے والا بوجھ کسی دوسرے کا۔اور یہ کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جو اُس نے کمایا''

لٰہذا ہر شخص اپنی ذمہ داریوں کے ضمن میں فکر مند رہے۔

فرقہ وارانہ اختلاف کی مذمت اور باہمی محبت کی تلقین

اسلام میں مسلکی منافرت اور مذہبی انتہاپسندی کی ہر گز گنجائش نہیں۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

الَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ ۔ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ[17]

" جنہوں نے کیا ہے قرآن کو بوٹیاں سو قسم ہے تیرے رب کی ہم کو پوچھنا ہے ان سب سے "

قرآن کی بہت سی آیتوں میں مسلمانوں کو اتحاد کا درس دیا گیا ہے اور مسلکی اختلاف کو مسلمانوں کی قوت میں کمزوری کا باعث بتایا گیا ہے۔ارشاد ربانی ہے:

وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِیْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ [18]

''اور حکم مانو اللہ کا اور اسکے رسول کا اور آپس میں نہ جھگڑو''

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے:

تَرَى الْمُؤْمِنِينَ فِي تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى عُضْوًا[19]

''مسلمانوں کی باہمی محبت اور مودت کی مثال ایسی ہے جیسے ایک ہی جسم ہو، جس میں ایک عضو کو تکلیف پہنچے تو سارا جسم بے خواب و بے آرام ہو جاتا ہے۔''

یونس بن عبدالاعلیٰ کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعیؒ سے زیادہ عقلمند انسان کوئی نہیں دیکھا، میرا ان کے ساتھ ایک مرتبہ کسی مسئلہ پر مناظرہ ہو گیا، کچھ عرصہ کے بعد جب میری ان سے دوبارہ ملاقات ہوئی تو میرا ہاتھ پکڑ کر فرمانے لگے کہ کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ہم اس کے باوجود بھائی بھائی رہیں چاہے کہ ہمارا کسی ایک مسئلے میں بھی اتفاق نہ ہو۔ یعنی تمام مسائل میں ایک دوسرے سے اختلاف کے باوجود اخوت کے رشتے میں کوئی فرق نہ آئے۔[20]

سماجی روابط معاشرے کی ضرورت ہیں

کسی مسئلے کے بارے میں اگر ہم سمجھتے ہیں کہ کسی گروہ سے ہمارا اختلاف ہے اور ہمارے پاس اس سلسلے میں منطقی دلائل موجود ہیں تو ہمیں اس مسلک یا گروپ سے ہی قطع تعلقی اختیار نہیں کر لینی چاہیے۔ اختلافات کے باوجود سماجی روابط رکھنے اور ملنے جلنے میں ہی معاشرے کی بہتری ہے۔

تمام مسالک ایک دوسرے کے بارے میں آگاہی حاصل کر کے ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا کریں۔ دوسرے مسلک کو امت مسلمہ کا حصہ سمجھتے ہوئے بین المسالک اتحاد قائم کرنا دین اسلام میں مطلوب ہے۔

مسالک اور اختلافِ اُمت

ائمہ اربعہ امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم کی وہ علمی آراء جو قرآن و سنت کے نصوص کی تفہیم اور احکام خداوندی کی تشریح و توضیح میں منقول ہیں انہی کو مسلک سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چونکہ ان کی آراء میں اختلافات ہیں اور اسی وجہ سے ان کے متبعین میں بھی اختلافِ رائے رونما ہوتا ہے جس کی وجہ سے امت مسلمہ کئی گروہوں میں منقسم ہو گئی ہے۔ تاہم ائمہ مجتہدین کا اس میں کوئی

دخل نہیں ہے مگر مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ انھوں نے ایک امام کی تقلید کو ہر حال میں واجب قرار دے دیا ہے اور دوسرے مسلک کے قول کی مخالفت کو ضروری سمجھ لیا ہے اس کی وجہ سے مسلکی عصبیت پیدا ہوئی اور ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی شروع کر دی گئی۔ مسلمانوں میں مسلکی عصبیت اتنی زیادہ ہو گئی ہے کہ اس سے اسلامی تعلیمات مجروح ہونے لگی ہیں۔ قرآن میں مومنوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا ہے مگر مسلکی تعصب نے لوگوں کو بتایا کہ یہ ساری تعلیمات اپنے ہم مسلکوں سے متعلق ہیں اور دوسرے مسلک والوں سے ویسا ہی معاملہ کرنا بجا ہے جیسا غیر مسلموں و ذمیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے حالانکہ اسلام نے غیر مسلموں اور ذمیوں کے حقوق الگ سے بتائے ہیں مگر مسلکی تعصب اس سے بھی آگے بڑھ گئی ہے اور اب دوسرے مسلک والے اس کے بھی مستحق نہ رہے کہ ان سے ذمیوں جیسے سلوک کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر جگہ لڑائی جھگڑا اور فساد کی کیفیت ہے اور اس کی وجہ سے بعض لوگ سرے سے مسلک کو ہی انتشارِ ملت کا سبب قرار دے رہے ہیں۔

اس وقت عالم اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ اتحاد کا فقدان ہے۔ موجودہ دور میں مسلمانوں کا اتحاد ایک ناقابل فراموش ضرورت ہے۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ تمام اسلامی فرقوں کے درمیان بنیادی قدریں مشترک ہیں۔ اسلامی عقائد کا سارا نظام انہی مشترک بنیادوں پر استوار ہے۔ مسلمانوں میں سے کوئی بھی نہ تو کسی اور نبی یا رسول کی شریعت کی اتباع کرتا ہے نہ ہی اسلام کے سوا کسی اور دین کو بطورِ نظام زندگی مانتا ہے۔ سب مسلمان توحید و رسالت، وحی اور کتب سماوی کے نزول، آخرت کے انعقاد، ملائکہ کے وجود، حضور اقدس ﷺ کی خاتمیت، نماز روزہ، حج، زکوٰۃ کی فرضیت وغیرہ جیسے مسائل پر یکساں ایمان رکھتے ہیں اور اگر کہیں کوئی اختلاف ہے تو صرف فروعی حد تک اور وہ بھی ان کی علمی تفصیلات اور کلامی شروحات متعین کرنے میں ہے کیونکہ اس سے عقائد اسلام کی بنیادوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ جب کوئی اثر نہیں پڑتا تو آخر کیا وجہ ہے کہ ایک خدا ایک نبی ایک کتاب اور ایک کعبہ کے ماننے والوں کے درمیان دینِ الٰہیہ کی سربلندی کے لیے اتحاد و یگانگت کے لازوال رشتے قائم نہ کیے جا سکیں اور ملت واحدہ کا تصور ایک زندہ و جاوید حقیقت نہ بن سکے۔

قرآن مجید نے متعدد مقامات پر مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق کا درس دیا ہے چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَي الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ[21]

''راہ ڈالدی تمہارے لئے دین میں وہی جس کا حکم کیا تھا نوح کو اور جس کا حکم بھیجا ہم نے تیری طرف اور جس کا حکم کیا ہم نے ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو یہ کہ قائم رکھو دین کو اور اختلاف نہ ڈالو اس میں بھاری ہے شرک کرنے والوں کو وہ چیز جسکی طرف تو انکو بلاتا ہے اللہ چن لیتا ہے اپنی طرف سے جسکو چاہے اور راہ دیتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع لائے''

تاریخی حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ آپس میں اختلاف پیدا کرنا یہود و نصاریٰ کا پرانا طریقہ ہے کہ یہودی جناب موسیٰؑ کے بعد فرقوں میں بٹ گئے اور عیسائی جناب عیسیٰؑ کے بعد فرقوں میں۔ ستم یہ ہے کہ مسلمان، اتنی ہدایتوں کے باوجود حصوں میں تقسیم ہو کر رہ گئے جس کا سبب یہی ہے کہ مسلمان تو ضرور ہیں لیکن صحیح معنوں میں اسلام و تسلیم کو سمجھے ہی نہیں، اگر سمجھ گئے ہوتے تو اس کے نافذ کردہ قوانین پر عمل پیرا ضرور ہوتے اور اس طرح فرقوں میں نہ بٹتے۔ اور اس کے قوانین سے ہرگز سرتابی نہ کرتے۔

حصولِ اتحاد کے لیے تجاویز

مسلمانوں کے باہمی اتحاد کے حصول کے لیے ذیل میں بعض تجاویز پیش کی جاتی ہیں۔

1۔ توحید پر استواری

ایک قوم کے مشترکہ عقائد اس قوم و ملت کے افراد کے درمیان اتحاد یکجہتی میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں خاص کر جب یہ عقیدہ خدا کی وحدانیت جیسے ایک فطری امر پر مبنی ہو اور پوری قوم، اپنے تمام شعبہ ہائے زندگی کو اسی توحید پر استوار کرتی ہو۔ قرآن مجید توحید (بشمول تمام پہلوؤں کے) کی بنیاد پر مسلمانوں کو وحدت اور اتحاد کی دعوت دیتا ہے۔ قرآن کریم کی نگاہ میں بعثت انبیاء کا فلسفہ بھی خدا اور توحید کی بنیاد پر لوگوں کو دعوت دینا اور زمانے کی سامراجی اور استعماری طاقتوں سے مقابلہ کرنا رہا ہے جو ملتوں اور قوموں کے تفرقہ اور جدائی کا باعث بنتی ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ[22]

"اور بے شک ہم نے ہر امت کے لیے ایک رسول بھیجا ہے تاکہ (ان کی راہنمائی میں لوگ) خدا کی عبادت کریں اور طاغوت سے دوری اختیار کریں۔"

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا [23]

"اور اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب تم آپس میں دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے۔"

مفسرین حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ اس آیتِ مبارکہ میں "نعمت" سے مراد توحید کی نعمت ہے مسلمانوں میں اتحاد، بھائی چارہ اور اخوّت صرف توحید کی بدولت قائم ہوئی ہے۔ سنت اور اسلامی روایات میں بھی توحید کو اسلامی اتحادِ امت کے بنیادی رکن اور محور کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے۔ حضرت رسول ﷺ اپنی تحریک اسلامی انقلاب کے آغاز پر لوگوں کی کامیابی کے راز کو کلمہ توحید ہی بتلاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قولو لاالہٰ الا اللہ تفلحو [24] "یعنی کہو اللہ اکیلا ہی معبود ہے، کامیاب ہو جاؤ گے"

پس اسلامی روایات میں بھی اسلامی اتحاد کی دعوت اسی توحید کے محور پر بیان ہو رہی ہے تقریباً مذکورہ روایات میں توحید کو پہلے رکن کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ ان ہی آیات اور روایات کی روشنی میں عالم اسلام کے مفکر، اسلامی اتحاد کے داعی و رہبرِ انقلابِ اسلامی ایران، امام خمینی توحید کے محور پر مسلمانوں کو اتحاد اور یکجہتی کی دعوت دیتے ہوئے فرماتے ہیں: "وحدت کلمہ توحید کے پرچم تلے ممکن ہے" [25]

2۔ تکفیر سے اجتناب

تکفیر (کسی کو کافر قرار دینا) اور تکفیری رجحان اسلامی تعلیمات سے متضاد ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں کسی کی تکفیر نہیں کی گئی بلکہ آپ کے بعد یہ بغض و حسد اور تعصبات کی بنا پر اقتدار اور ذاتی مفادات حاصل کرنے کا ہتھکنڈا بن گئی۔ مسلمانوں کے درمیان زیادہ تر تصادم کی بنیاد اصولی نہیں ہے بلکہ سماجی اور مذہبی تعصبات کی بنا پر ہے۔ اسلام میں خوارج وہ پہلا گروہ تھا جس نے مسلمانوں کی تکفیر کو رائج کیا [26]۔ ان کے بعد خوارج کی فکر کے پیروؤں نے مسلمانوں کے درمیان تکفیر کا بازار گرم کیا۔ تمام اسلامی مذاہب کے مطابق توحید اور اصول دین کا زبانی اعتراف کرنے والا ہر شخص مسلمان ہے اور اس کی جان مال اور آبرو

محترم ہے، غیر علمی اور ظاہری دلیلوں سے اسے مرتد یا کافر قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ ہی اسے قتل کیا جا سکتا ہے۔

3۔ مشترکہ دشمن کی پہچان اور متحدہ محاذ کی تشکیل

تمام مسلمانوں، علماء و دانشوروں کو مشترکہ دشمن کی پہچان کرتے ہوئے اس کے خطروں سے آگاہ رہنا چاہیے۔ آج امت اسلامی کو مشترکہ دشمنوں کی جانب سے سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی لحاظ سے شدید خطرے لاحق ہیں۔ آج کی دنیا میں اسلامی فکر و نظریے کو چیلنج کیا جا رہا ہے۔ یہ خطرے اب جغرافیائی سرحدوں سے ماورا ہو چکے ہیں اور ان سے اسلامی اُمہ کے تشخص کو جو دین داری اور دین کی اقدار کی پابندی سے عبارت ہے نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ بنابریں مسلمان علماء اور دانشوروں اور مفکرین پر واجب ہے کہ وہ دین اور ملت کی حفاظت کے لیے ملت کو مشترکہ دشمن اور اس کی چالوں سے آگاہ کریں اور مشترکہ دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک واحد بل کہ متحدہ محاذ تشکیل دیں۔

4۔ مشترکہ امور پر توجہ

ایک اہم مسئلہ جو مسلمانوں کے اتحاد پر منتج ہو سکتا ہے یہ ہے کہ تمام مسلم فرقوں کو اپنے اشتراکات پر توجہ کرنا چاہیے کیونکہ ان کے اشتراکات بہت زیادہ ہیں اور اختلافات و افتراقات بہت کم ہیں۔ لیکن افسوس کہ مشترکہ عقائد اور اصولوں کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ توحید، نبوت، معاد، نماز، روزہ، زکٰوۃ، حج جہاد، قبلہ، قرآن اور بہت سے دیگر امور مسلمانوں میں مشترک ہیں جو ان کے اتحاد کا سبب بن سکتے ہیں لیکن مسلمان نے ان مشترکہ امور کو ایسا نظر انداز کیا ہے جیسے ہیں ہی نہیں۔

5۔ اخوتِ اسلامی پر تاکید

عالم اسلام جغرافیائی اور سیاسی لحاظ سے کئی ملکوں پر مشتمل ہے۔ لیکن اسلام کی رُو سے ایک اکائی ہے لہٰذا امت کی تقدیر بدلنے کے لیے تمام مسلمانوں کو مل کر کام کرنا ہو گا۔ ہر مسلمان دوسرے کا بھائی ہے، ہر مسلمان کو اپنے برادرِ دینی کی صورتحال سے آگاہ ہونا چاہیے اور خود کو اس کے درد و رنج میں شریک سمجھنا چاہیے۔ افراد امت میں ہمدردی کے جذبات کا پھیلاؤ اور اس رجحان کی ترویج کہ ہم ایک ہیں، امت کو متحد

کرنے میں معاون و مددگار ہوگا کیونکہ یہ سارے عوامل مسلمانوں کو نزدیک لانے میں موثر کردار کے حامل ہیں۔

آج دنیا میں مسلمانوں کے درمیان جو مختلف بنیادوں پر عصبیت پائی جارہی ہے وہ شیطانی سازش کے علاوہ کچھ نہیں۔ یہ دشمن کی چال سازی ہے، مسلمانوں میں انتشار وافتراق دشمنوں کا پہلا حربہ ہے جس میں کافی حد تک وہ کامیاب بھی ہیں۔ جہاں بھی مسلمان ہیں وہ آپس میں ہی لڑ مر رہے ہیں۔ لہذا ہمیں دشمنوں کے مقابلے میں اپنی تمام تر قوتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اسلامی اصولوں کو رائج کرنا ہوگا تاکہ مسلمان، اسلامی تعلیمات (قرآن وسنت) کو بطور احسن سمجھ سکیں کیونکہ اسلام خداوند عالم کے احکام کو تسلیم کرنے کا نام ہے اور اللہ کی ہدایت کو تسلیم کئے بغیر نہ ہم اپنے مقصد تخلیق سے واقف ہو سکتے ہیں اور نہ ہی اپنی زندگی کے لیے کوئی اعلیٰ نصب العین معین کر سکتے ہیں۔ پیغمبر اسلام نے مسلمانوں سے ہجرت کے وقت یہ فرمایا تھا کہ:

اِن اللہ عزّو جل قدجعل لکم اخواناً وداراً تامنون بھا[27]

"اے مسلمانو! بیشک خداوند عالم نے تمہیں اخوت و برادری کی دعوت دی ہے اور اسے تمہارے لیے امن کا مسکن قرار دیا ہے۔"

ہمیں یہ اہم نکتہ ذہن نشین رہنا چاہیئے کہ آپس کا اتحاد واخوت اسی وقت ممکن ہے کہ جب مسلمانوں کے پاس وسعتِ قلبی ہو کیونکہ "وحدت واخوت" "فراخی قلب وذہن چاہتی ہے۔

یہ ہمارے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ آج دنیا میں ڈیڑھ عرب سے زیادہ مسلمان صفحہ کائنات پر زندگی بسر کر رہے ہیں لیکن ان سے آج تک ایک بیت المقدس کا مسئلہ حل نہ ہو سکا! اور اگر مسلمانوں کے تفرقہ بندی کی یہی حالت رہی تو یقیناً صرف مسلمانوں کے ملک پر دشمنانِ اسلام حملہ آور ہی نہیں ہوں گے بل کہ ان کی مقدسات اور ناموس پر بھی علی الاعلان حملہ ہوگا۔ یہ لمحہ فکریہ نہیں تو اور کیا ہے کہ دشمن مختلف ادیان باطلہ پر معتقد ہونے کے باوجود اسلام کی بیخ کنی کے لیے یکجا ہو گئے اور ایک ہم، جنھیں رسول اکرم ﷺ نے امتِ واحدہ کی سَنَد دی اور اپنی حیات میں عقدِ اخوت کے ذریعہ آپس میں باندھا، حق پر ہوتے ہوئے بھی منتشر ہیں! اور ایک دوسرے کے قتل کے درپے ہیں۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ کیوں ہم قرآن وسنّت کے لائحہ عمل پر عمل پیرا نہیں ہیں۔

خلاصۂ بحث

بیشک اتحاد واتفاق کسی بھی قوم کی ترقی اور اعلیٰ اہداف کے حاصل کرنے نیز سربلندی اور کامیابی کے حصول میں معجزانہ کردار رکھتا ہے۔ موجودہ دور میں مسلمانوں کا اتحاد ایک اہم ترین مسئلہ اور نا قابل ان کار ضرورت ہے۔ مسلمانوں میں مسلکی عصبیت اتنی زیادہ بڑھ گئی ہے کہ اس سے کئی اسلامی تعلیمات مجروح ہونے لگی ہیں۔ آج مسلمانانِ عالم طرح طرح کے مسائل میں مبتلا ہیں اور اس کی بنیادی وجہ نااتفاقی، فرقہ وارانہ منافرت، مسلکی تعصبات، ح?بِ جاہ واقتدار، حسد، بغض اور دوسرے مادی مفادات، عدم برداشت اور عدم اتحاد ہے۔ مسلمانوں کی عظمت وعزت و سربلندی سب کچھ اختلافات کی نذر ہو گیا۔ اسلام کے دشمن متحد ہیں اور اُن کا اتحاد اسی نکتے کی افادیت سے بخوبی آگاہی کی بنا پر ہے۔ اور وہ مختلف سازشوں کے ذریعے مسلمانوں کو تقسیم کرنے کی کوششوں میں مصروف رہتے ہیں۔ تاریخی حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں باہمی اختلاف پیدا کرنا یہود و نصاریٰ کا پرانا طریقہ ہے۔

قرآن کریم ہمیں یہود و نصاریٰ کی اس نفسیات سے آگاہی کے ساتھ ساتھ متعدد آیات میں مسلمانوں کو متحد و متفق رہنے کا حکم دیتا ہے، تفرقے واختلافات سے دور رہنے، غور وفکر سے کام لینے اور صبر کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ آپس کا اتحاد، تقویٰ واخوت کے اصولوں پر چلنے سے حاصل ہو سکتا ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب مسلمانوں کے پاس وسعتِ قلبی ہو کیونکہ ''وحدت واخوت'' فراخی قلب وذہن چاہتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تمام مسلم حکمرانوں کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اس سلسلے میں اپنا کردار ادا کریں۔

حوالہ جات

[1]۔ الانفال، ۸: ۶۰

[2]۔ آل عمران، ۳: ۱۰۳

[3]۔ مسلم بن حجاج القشیری، النیشاپوری، الجامع الصحیح، كتاب الجنائز، باب البكاء على الميت، حدیث: ۲۱۳۷

[4]۔ الانعام، ۶: ۶۵

[5]۔ ابن اثیر، ابوالحسن علی بن محمد، النہایۃ فی غریب الحدیث والآثر، مصر، دار احیاء الکتب العربیہ، ۲: ۵۲۰

[6]۔الانفال،۸:۴٦

[7]۔آل عمران،۳:۱۰۳

[8]۔ایضا،۳:۱۰۵

[9]۔ سید رضی، محمد بن ابی احمد حسین، مترجم: صبحی صالح، نہج البلاغہ،، خطبہ ۲۹، قم، انتشارات دار الھجرہ،:۷۲

[10]۔الموَطابروایۃ محمد بن الحسن، باب تاریخ تالیف الموَطاطبع دار القلم، 1991ء، تحقیق، تقی الدین ندوی،٦:۱

[11]۔الرعد،۱۳:۴۰

[12]۔مسلم،الجامع الصحیح،کتاب الادب، باب النصیحہ،ریاض،دار السلام،رقم الحدیث ۵۵

[13]۔ایضاً۔

[14]۔الحجرات۴۹:۱۲

[15]۔عثمانی، محمد رفیع،اختلاف رحمت ہے فرقہ بندی حرام ہے، کراچی،ادارہ المعارف، جنوری2006ء،:۲۴

[16]۔النجم،۵۳:۳۸۔۳۹

[17]۔الحجر،۱۵:۹۱۔۹۲

[18]۔الانفال،۸:۴٦

[19]۔بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب رحمۃ الناس والبھائم، ریاض، دار السلام، رقم الحدیث:٦۰۱۱

[20]۔مفتی محمد زاہد، فرقہ وارانہ ہم آہنگی بر صغیر کی دینی روایت میں برداشت کا عنصر، کراچی،دار الاشاعت،2014ء،:۲۵

[21]۔شوریٰ،۴۲:۱۳

[22]۔ نحل،۱٦:۳٦

[23]۔آلِ عمران،۳:۱۰۳

[24]۔حنبل،احمد بن محمد،(متوفی،۲۴۱ھ)المسند،لاہور، مکتبہ نعمانی، س۔ن، رقم الحدیث ۱۵۴۴۸

[25]۔امام خمینی،سید روح اللہ موسوی،صحیفہ نور،وزارتِ فرہنگ والارشاد،ایران۔ س۔ن،:۴۵

[26]۔ابن جوزی،عبدالرحمٰن بن ابوالحسن، تلبیس ابلیس،لاہور، مکتبہ اسلامیہ،۲۰۰۹ء،:۱۵۴۔۱۵٦

[27]۔ایضا،۲:۱۰۹

عصر حاضر میں سفارت کاری کے اصول وضوابط: سیرت طیبہ کا اطلاقی مطالعہ

*فیاض احمد فاروق

Abstract

Diplomacy is a reflection of the values of nations and peoples, their cultural and civilization specificities, political choices, and their religious precepts and traditions. It is a portrait of the past, a reflection of the present and a vision of the future.. Diplomacy can be defined as the art and science of conducting international relations. Diplomacy according to the Islamic Shari'ah is one of the best ways to show the Islamic values, merits and advantages in conducting international affairs with non-Muslims. This research article explores the principles and tools of diplomacy used by Prophet in the first Islamic State of Madinah, and also to analyze the foundations and objectives of Islamic diplomacy. It further discusses briefly diplomacy under rightly guided Caliphs and also under Banu Umayyad. Keeping in view the discussed principles and tools, Pakistan can establish better relationship with other countries, achieve interests of the state and protect the rights of its citizens.

Key Words: Diplomacy, Qualities of diplomat, rule and regulation of diplomacy

تعارف

تمام معاشرتی اداروں میں ریاست کو خاص اہمیت حاصل ہے اور ریاستی نظام میں تصور حکومت کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ جس میں ریاست کی داخلی اور خارجی پالیسیوں کا قیام اور استحکام شامل ہے۔ بین الاقوامی قوانین کی روشنی میں دیگر ریاستوں سے تعلقات کی نوعیت کا انحصار وزارت خارجہ کے ذریعے سے ممکن ہوتا ہے۔ وزارت خارجہ کا ایک اہم منصب سفراء کا تقرر ہوتا ہے جو اپنی سفارت کاری کے ذریعے مختلف ممالک میں رابطے کا کام کرتے ہیں۔ دور جدید میں سفارت کاری کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ آج ہم ایک گلوبل ویلج میں رہتے ہیں تو دوسرے ممالک کے درمیان ہمارے معاہدات، تعلقات اور مفاہمتیں عالمی اور زمینی ضرورتیں بھی ہیں۔ ان حالات کے پیش نظر سفارت کار اپنی بہترین سفارت کاری کے ذریعے دیگر ممالک کے ساتھ بہترین تعلقات استوار کرنے میں اپنی صلاحیتوں کا بہترین استعمال کرتا ہے. سفارت کاری اور اس کے اصول وضوابط کا مفصل جائزہ لینے سے پہلے اس کے مفہوم کی مکمل وضاحت کی جائے تاکہ پوری بحث کو اس کے اصل مفہوم کے ساتھ سمجھا جا سکے۔ ذیل میں ان کی

---

*سابق ریسرچ سکالر، اسلامک ریسرچ سنٹر، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی ملتان

وضاحت کی جاتی ہے۔

سفیر کا مفہوم

سفیر ایک ریاستی نمائندے کے تحت اپنے فرائض سرانجام دیتا ہے جس کا مقصد دو قوموں کا قریب لانا اور اپنے مفادات کو تحفظ دینا شامل ہوتا ہے۔ سفیر کا لفظ سفر سے بنا ہے، جس کا مطلب پردہ اٹھانے کے ہیں۔ جیسے امام راغب اصفہانی ''مفردات القرآن'' میں لکھتے ہیں

سفر العمامۃ عن الراس اتحمار عن الوجہ۔[1]

"اس نے سر سے پگڑی اور چہرے سے اوڑھنی اتار دی۔"

اس کے لیے سفر موضوحۃ کا لفظ بھی بولا جاتا ہے یعنی واضح کرنے کے لیے کسی چیز کو دور کر دینا جیسے ''لسان العرب'' میں ہے: سفرت المراۃ وجھھا اذا کشف لنقاب عن وجھھا۔[2]

''عورت نے اپنا چہرہ کھولا۔ جب اس نے نقاب کو اپنے چہرے سے دور کیا''

گویا سفر کا مطلب دور کرنا، ہٹانا یا کھولنا مراد ہے اور اسی سے لفظ سفیر بنتا ہے سفیر کی وضاحت بھی اہل لغت نے کر دی ہے۔''

سید محمد مرتضی زبیدی اپنی کتاب ''تاج العروس'' میں سفیر کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں

اماالسفیر فھو الرسول المصلح بین القوم [3]

"سفیر قوم کے درمیان صلح کرانے والا فرستادہ ہے"

سفیر وہ بھیجا ہوا مصلح شخص ہوتا ہے جو لوگوں اور اقوام کے مابین صلح کرادے۔ علامہ ابن منظور افریقی نے بھی لسان العرب میں بطور دلیل یہ حدیث پیش کی ہے جو حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ سے بیان فرمائی کہ:

ان الناس قد استسفرونی بینک وبینھم أی جعلو نی سفیرا۔ وھو الرسول المصلح بین القوم یقال سفرت بین القوم اذا سعیت بینھم فی الاصلاح۔ [4]

''لوگوں نے مجھے ہمارے درمیان سفیر بننے کے لیے کہا ہے، یعنی انہوں نے مجھے سفیر بنایا ہے اور سفیر، قاصد، ایلچی وہ ہے جو لوگوں کے درمیان صلح کرانے والا ہو، کہا جاتا ہے، میں نے لوگوں کے درمیان سفر کیا جبکہ میں نے ان کے درمیان اصلاح کی کوشش کی''

عربی میں سفیر کو رسول بھی کہا جاتا ہے جیسے کہ ''نبی اکرم ﷺ نے عامل بحرین منذر بن ساویٰ کی طرف لکھا'' وان رسلی قد حمدوک'' (میرے سفیروں نے تمہاری تعریف کی ہے)۔[5]

گویا سفیر وہ شخص ہے جو بھیجنے والے کے مقصد کو واضح انداز میں اس شخص تک پہنچاتا ہے جس کے لیے اسے بھیجا گیا ہو۔ وہ قوموں کے درمیان رابطے استوار کرتا ہے اور کشیدگی اور غلط فہمی کو دور کرتا ہے اور قوموں کے درمیان صلح کرانے والا ہوتا ہے۔

سفیر کا جدید مفہوم

سیاست کے میدان میں مہارت رکھنے والے اہل علم اور ملکی قانون کے ماہر علماء کرام نے سفیر کی کچھ تعریفیں اس طرح کی ہیں۔ عطیۃ اللہ احمد "القاموس السیاسی" میں رقم طراز ہیں:

"سفارت وہ والی مرتبہ ہے کہ جو تعلقات مملکت اور ربط بین الفرق کا اعلیٰ طریقہ ہے اور وہ اس سیاسی جماعت کا صدر ہوتا ہے جس کو کسی مشن پر بھیجا گیا ہو اور سفارت کار کے نام سے گردانا جاتا ہے"۔[6]

اسماعیل بدوی اپنی کتاب "اختصاصات السلطة التنفيذية في الدولة الاسلامية" میں لکھتا ہے

"سفیر وہ بھیجا ہوا بندہ ہو گا جس کو کوئی بھی ملک کسی ڈپلومیٹک غرض کی تحقیق کے لیے بھیجتا ہے تاکہ ان کاموں کو مذاکرات افہام تفہیم اور دیگر ڈپلومیٹک کے ذریعے حل کیا جا سکے۔"[7]

گویا سفیر سے مراد کسی حکومت کا وہ نمائندہ ہے جس کو اپنی حکومت کی طرف سے بات چیت کرنے، اپنا موقف واضح کرنے اور دوسری حکومت یا قوم کا موقف سننے کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔

ڈپلومیسی کا مفہوم

سفارت کو انگریزی زبان میں Diplomacy ڈپلومیسی ([8]) کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کے معنی

"The management of international relations by negotiation"[9]

ڈپلومیسی گفت وشنید کے ذریعے بین الاقوامی تعلقات کا طریقہ کار ہے۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں لکھا ہے:

"A little examination will show that diplomacy through closely associated with international law is a separate sphere of intellectual exertion"[10]

"ایک مختصر تجزیہ ظاہر کرتا ہے کہ ڈپلومیسی کا اگرچہ بین الاقوامی قانون کے ساتھ بہت قریبی رابطہ ہے، تاہم وہ ایک ذہنی کاوش کی الگ الگ شکل ہے"۔

سفارت کی تاریخی اہمیت

قبل از اسلام جب عرب معاشرتی لحاظ سے مختلف گروہوں، جماعتوں اور قبیلوں میں منقسم رہے اور ان میں صدیوں پرانی رقابتیں اور دشمنیاں چلی آرہی تھیں، تب بھی وہ اصلاح احوال اور حل تنازعات کے لیے سفارت پر یقین رکھتے تھے۔ اور اپنے قبیلے سے سفارت کے لیے اس شخص کا انتخاب کرتے جو فصاحت و بالغت، ہمت و جرات، تہور و شجاعت اور معاملہ فہمی میں یکتائے روزگار ہوتا۔ ابن عبد البر نے الاستیعاب میں لکھا ہے: "اسلام سے پہلے سفارت کے فرائض حضرت سیدنا فاروق اعظمؓ کے سپرد تھے"۔[11]

صاحب الفاروق واضح کرتا ہے

"حضرت عمر فاروق چونکہ خاندان عدی سے تعلق رکھتے ہیں (جو قبیلہ قریش کی ایک شاخ ہے)۔ زمانہ اسلام سے قبل آپ کے جد اعلیٰ دادا عی ''سفارت کے صیغے کے افسر تھے یعنی جب قریش کو کسی قبیلے کے ساتھ معاملہ پیش آتا تو یہ سفیر بن کر جایا کرتے تھے"۔[12]

آپ کے جد اعلیٰ کے انتقال کے بعد قریش نے حضرت عمر فاروق کو اس خاندانی منصب پر برقرار رکھا اور جب کبھی قریش کو کوئی معاملہ درپیش ہوتا تو وہ آپ کو "سفارتی فرائض انجام دینے کے لیے بھیجتے تھے"[13]

اسی طرح علامہ علی الطنطاوی فاروق اعظم کے زمانہ جاہلیت کے سفارت کاری کا ذکر کیا ہے[14]

ابن جریر طبری لکھتے ہیں

"اسلامی ریاست کے ابتدائی دور میں نبی کریم ﷺ بھی دوسری ریاستوں سے معاملات طے کرنے کے لیے نمائندے بھیجتے تھے اور دوسری ریاستوں کے نمائندوں کو اپنے ہاں مدعو کیا جاتا تھا۔ معاہدات کی شرائط طے کرنے میں دونوں طرف سے ان نمائندوں کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں۔ صلح نامہ حدیبیہ کی شرائط طے کرنے کا معاملہ اس کی ایک اعلیٰ ترین[15] مثال ہے۔ بہر حال یہی نمائندے آگے چل کر سفیر کہلائے۔ انہی کی بدولت ریاستوں کے درمیان تعلقات کو ایک موثر ذریعہ تسلیم کر لیا گیا ہے"۔[16]

انسایکلوپیڈیا آف اسلام کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

''عثمانی بادشاہوں کا خیال تھا کہ سولہویں صدی سے ابھرتے ہوئے یورپ کے ساتھ سفارتخانوں کا قیام عمل میں لاکر مستقل سفراء کے ذریعے مسلسل سفارتی تعلقات کا تجربہ کیا جائے اور یورپی ریاستوں اور استنبول میں مستقل مشنری ادارے قائم کیے جائیں۔ ۱۷۹۲ء میں سلیم ثالث نے یورپ میں مستقل طور پر سکونتی سفارت خانے قائم کرنے کا فیصلہ کیا، چنانچہ سب سے پہلا سفارت خانہ ۱۷۹۳ء میں لندن میں کھولا

گیا، اس کے بعد وی آنا برلن اور پیرس میں بھی سفارت خانے کھولے گئے۔ اور ۱۸۲۱ء میں یونانی جنگ آزادی کے خاتمے پر بالکل بند کردیئے گئے"۔[17]

اسی طرح ابن ہشام السیرۃ النبویہ میں لکھتے ہیں:

" بنو قریظہ کو جنگ احزاب کے دوران سازش سے روکنے اور معاہد صلح واتحاد یاد دلانے کی غرض سے حضرت سعد بن معاذ اوسی، سعد بن عبادہ خزرجی اور عبداللہ بن رواحہ خزرجی کو بعض دوسرے صحابہ کے ساتھ بھیجا گیا۔[18] صلح حدیبیہ کے دوران قریش مکہ سے صلح کی گفت وشنید کے لیے کم از کم تین سفیروں حضرت خراش بن امیہ خزاعی، عثمان بن عفان اموی اور علی بن ابی طالب ہاشمی کی تقرری عمل میں آئی[19] دوسرے عرب قبائل اور شیوخ کے پاس جو نبوی سفارتیں روانہ کی گئی ان کی تعداد خاصی ہے۔ حضرت سلیط بن عمرو عامیر کو شاہان یمامہ کے پاس دعوت اسلام دے کر بھیجا گیا۔ اسی زمانے میں حضرات علاء بن حضرمی، عمرو بن عاص سہمی اور مہاجر بن ابی امیہ مخزومی کو بالترتیب بحرین، عمان اور حمیر (یمن) کے بادشاہوں کے دربار میں روانہ کیا گیا۔ متعدد دوسرے سیفروں میں حضرات تمیر بن خرشہ ثقفی، ظبیان بن مرثد سدوسی، عیاش بن ابی ربینہ مخزومی، وحیہ بن خلیفہ کلبی اور علقمہ وعمرو فرزندان فغواء خزامی کو بالترتیب قبائل طائف، بکر بن وائل، حمیر، اسقف نجران اور ابوسفیان بن حرب اموی کے پاس روانہ کیا گیا۔ پہلی چار سفارتیں کلی طور سے مذہبی اور سیاسی تھیں جبکہ آخری دو سفارتیں قریش کے حاجت مندوں کے لیے مالی امداد لے کر گئی تھیں۔[20]

سفیر کی خصوصیات

چونکہ سفیر دوسرے ممالک میں قانونی نمائندہ ہوتا ہے اس لئے اس میں تمام اوصاف حمیدہ، ملکی حالات اور ملکی قوانین سے واقفیت ہوتی ہے۔ ذیل میں سفیر کی چند خصوصیات کا ذکر کی جاتی ہیں

1۔ خاندانی وجاہت کا مالک ہونا

اچھی سفارت کاری کے لیے ضروری ہے کہ ایک ایسے شخص کو سفیر ہونا چاہیے جو خاندانی وجاہت کا مالک ہو تاکہ یہ وجاہت اس کی اور ملک کی عزت وتوقیر میں اضافے کا سبب بن سکے۔ نبی کریم ﷺ کی طرف

سے بادشاہوں کے پاس جانے والے سفیروں میں سب سے مشہور حضرت دحیہ کلبیؓ ہیں جو سب صحابہ کرام سے زیادہ حسین تھے۔[21] ابن الفراء اپنی کتاب رسل الملوک میں رقم طراز ہیں: "سفارت کا کام اس کے سپرد کیا جائے جو شرف و عزت اور شریف خاندان میں سے ہو اور صاحب ہمت ہو"[22]

نظام الملک طوسی "سیاست نامہ" میں لکھتے ہیں: سفیر اگر اونچے گھرانے سے تعلق رکھتا ہوگا تو اس کی خاندانی وجاہت بھی اس کی عزت افزائی کا باعث بنے گی"[23]

لہذا اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ایک ایسے شخص کو سفیر بنانا چاہیے جو اعلیٰ خاندان اور حسب نسب میں اعلیٰ ہو تاکہ وہ ملک و قوم کے لیے باعث توقیر و فخر تسلیم کیا جائے۔

2۔ مختلف زبانوں کا ماہر ہونا

سفیروں کا مختلف زبانوں میں مہارت رکھنا ضروری ہے تاکہ وہ جس ملک میں اپنے فرائض سر انجام دیں وہاں کے معاملات میں ان کی زبان میں ان سے تبادلہ خیال کریں۔ اگر ریاست نبوی کا مطالعہ کیا جائے تو سفارت کاری کے لیے ایسے لوگ مقرر کیے جاتے تھے جو غیر ملکی زبانوں کے ماہر اور ان کے بہترین ترجمان ہوتے تھے۔ ترجمانی کو نبی کریم ﷺ نے نہ صرف پسند کیا بلکہ غیر ملکی زبانوں کو جاننے اور سیکھنے کی ترغیب بھی دی۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: قال امرنی رسول اللهﷺ ان اتعلم السریانیته[24] "مجھے نبی کریم ﷺ نے سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا"

ابن ہشام اپنی کتاب السیرۃ النبویہ میں لکھتے ہیں: "صلح حدیبیہ کے بعد آپ ﷺ نے اسلام کی دعوت کے لیے مختلف سلاطین کو جو سفارتیں روانہ فرمائی تھیں وہ تمام سفراء بھیجے گئے علاقوں کی زبانوں میں گفتگو کر سکتے تھے"۔[25]

اس لیے دور جدید کے ریاستی معاملات میں ایسے شخص کو سفیر بنایا جائے جو مختلف زبانوں کا علم رکھتا ہو اور خاص اسی مقصد کو سامنے رکھ کر مختلف زبانوں پر عبور بھی حاصل کرے تاکہ وہ بہتر طریقے سے سفارت کاری کے فرائض کو سر انجام دے سکے۔

3۔ سفیروں کا امین ہونا

امانت و دیانت انسان کے شخصی اوصاف میں شامل ہے اور سفیر کی شخصیت میں بھی ایسے اوصاف کا ہونا

ضروری ہے کیونکہ سفیر ریاست کا نمائندہ اور وزارت خارجہ کا ایک اہم حصہ ہوتا ہے۔اس لیے بھی سفیر ایک ایسے شخص کو بنانا چاہیے جو کہ امین ہو کیونکہ اس کے پاس ریاست کے اہم راز ہوتے ہیں اس لیے یہ ان رازوں کی بھی حفاظت کرے اور اپنے فرائض کی بجاآوری احسن طریقے سے کرے۔امام ابوالحسن الماوردی اپنی کتاب نصیحۃ الملوک میں لکھتے ہیں کہ

"ایسے شخص کو سفیر بنا کر نا بھیجا جائے جو پوری خبر دینے والا درست عقل والا، حاضر دماغ، ذہین، فصیح لہجہ والا، اچھی عبارت پڑھنے والا اچھی نصیحت کرنے والا اپنے دین دار اور امانت دار ہو، راز دار ہو اور لالچ سے بری ہونے کے ساتھ ساتھ کسی بھی قسم کا نشہ یعنی شراب وغیرہ نہ کرتا ہو"۔[26]

سفیران نبوی کا طبقہ حکام نبوی حکمت عملی اور انتظامیہ کا ایک اہم حصہ تھا۔پروفیسر یاسین مظہر صدیقی اپنی کتاب عہد نبوی کا نظام حکومت میں سفیروں کے اوصاف سے متعلق لکھتے ہیں

"ضروری اوصاف حکمت وفراست، دیانت وامانت، طاقت وفصاحت اور شخصیت وجاذبیت تھے۔موقع ومحل کی موزونیت بھی ایک اضافی صفت تھی"۔[27]

دور جدید میں جس شخص کو سفارت کے عہدے پر فائز کیا جائے وہ اوصاف حمیدہ کا مالک ہو۔امانت دار ہو کیونکہ ریاستی معاملات میں اعلیٰ عہدیدار کا امین ہونا ضروری تصور کیا جاتا ہے۔

4۔سفارتی اہمیت سے واقفیت

سفیر ریاست کا نمائندہ ہوتا ہے اس لیے جس شخص کو یہ ذمہ داری تفویض کی جائے اس کو اس ذمہ داری کا احساس ہونا چاہیے۔سفارت کاری ریاست کی خارجہ پالیسی کا اہم عنصر ہے اس لیے اس عہدے پر اہل لوگوں کا تقرر ضروری ہے۔نبی کریم ﷺ نے اس منصب پر اہل لوگوں کا تقرر کرتے تھے، اس کی اہمیت سے واقف تھے اور بخوبی اس حق کو ادا کر سکتے تھے۔[28]

تاریخی واقعات سے بات واضح ہوتی ہے کہ یہ تمام سفارتیں انتہائی کامیاب ثابت ہوئیں۔ابوالحسن الماوردی اپنی کتاب نصیحۃ الملوک میں لکھتے ہیں

"سفارت کاری کے لیے اموزوں شخص کا ہونا ضروری ہے جو اس کی اہلیت رکھتا ہو، اس ذمہ داری سے واقف ہو، کام کرنے کی لگن رکھتا ہو اور اس کام کو آگے لے کر چلے"۔[29]

دور جدید کی ریاستوں میں اس عہدے پر ایسے شخص کا تقرر ہو جو بدلتے ہوئے حالات سے متعلق سفارت

کاری کی اہمیت سے واقف ہو، معاملات کو سلجھانا جانتا ہو اور ریاست کے باہمی تعلقات اور ان کی نوعیت سے بخوبی واقف ہو۔

5۔ سفارتی آداب سے واقفیت

سفیر کو سفارتی آداب سے واقف ہونا چاہیے اور اس کے مطابق اپنا طرز عمل اختیار کرے۔ کسی کو اپنے طرز عمل سے نقصان یا تکلیف نہ دے بلکہ اپنی گفتگو اور طرز عمل ادب سے پیش کرے۔ ابن سعد اپنی کتاب طبقات الکبری میں لکھتے ہیں

"نبی کریم ﷺ نے جن سفراء کا تقرر کیا وہ آداب سفارت سے پوری طرح واقف ہوتے تھے اور ضروری کارروائی کرنے میں ماہر تھے روابط کے استحکام اور تعلقات خارجہ کی بہتری کے سلسلے میں ہدایا اور تحائف کا بھیجنا بھی عالمگیر روایات میں شامل تھا"۔[30]

تاریخی اوراق اس بات کے شاہد ہیں کہ جب سفیروں کے ساتھ ناروا سلوک کیا گیا، انہیں یرغمال بنایا گیا حتیٰ کہ بعض نمائندوں کو قتل تک بھی کیا گیا۔ لیکن نبی کریم ﷺ نے اپنی تعلیمات اور عمل سے دنیا پر یہ واضح کر دیا کہ سفارتی نمائندے ہمیشہ قابل احترام ہوتے ہیں اور ان کی زندگی کا تحفظ ایک ریاست (خواہ وہ اسلامی ہو یا غیر اسلامی) پر لازم ہے۔ اس کی مثال عامر بن طفیل کے گستاخانہ رویے کے سامنے آپ ﷺ کا طرز عمل ہے۔[31] ابن ہشام اپنی کتاب السیرۃ النبویۃ میں لکھتے ہیں

اسی طرح ایک مرتبہ مسیلمہ کذاب کے نمائندوں نے تمام سفارتی آداب کو نظر انداز کرتے ہوئے بڑی بدتمیزی کا مظاہرہ کیا۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔انا واللہ فولا ان الرسل لاتفعل[32]"اگر قاصد کے قتل کا قاعدہ ہوتا تو ضرور میں تم دونوں کو قتل کرا دیتا"۔

دور جدید کی ریاستوں میں سفارتی آداب کو ضرور پیش نظر رکھنا چاہیے اسی سے انسانی شخصیت کی اصلاح کی جا سکتی ہے اور ریاستوں کے معاملات بھی بہتر انداز میں چلائے جا سکتے ہیں۔

6۔ مختلف ممالک کے حالات سے واقفیت

سفیر مختلف ممالک کے حالات اور ان کی ریاستی پالیسیوں سے واقف ہو ان سے متعلق اپنی ریاست کو لحہ بہ لحہ آگاہ کرتا ہے اور اپنی کارکردگی کی رپورٹ باقاعدہ ارسال کرتا ہے تاکہ ریاست ان معلومات کی بنا پر اپنی

ریاستی پالیسیاں وضع کرتے ہوئے دیگر ریاستوں کے ساتھ اپنے بین الاقوامی تعلقات کو قائم و دائم رکھے ۔انسائیکلوپیڈیا آف امریکانہ میں لکھا ہے کہ

''سفیر حکومت کا نمائندہ ہوتا ہے جس کو اپنے ملک کی طرف سے مکمل اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ یہ بھی اس کا فرض ہے کہ وہ اپنی حکومت کے اہم معاملات کے بارے میں دوسری حکومت سے گفت وشنید کرے اور وہاں کے سربراہ مملکت سے وقتاً فوقتاً ملاقات کرکے اپنی مملکت کے لیے حقوق وفرائض کا تحفظ کرے۔'' 33

آج کا دور سفارت اور ڈپلومیسی کا دور ہے۔ ایک نظریاتی مملکت کے سفراء کی ذمہ داریاں بہت اہم ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے انتخاب اور تقرر کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے اس چیز کا خیال رکھا کہ وہ راسخ العقیدہ مسلمان ہوں، دین کا وسیع علم رکھتے ہوں، اپنے افکار وخیالات کا عمدہ طریقے سے اظہار کر سکیں، لوگوں کی نفسیات کو سمجھتے ہوں اور جس قوم یا جس ملک میں بحیثیت سفیر جارہے ہوں وہاں کے حالات اور ان کی زبان کو سمجھتے ہوں۔

سفارت کاری کے اصول وضوابط

سفیر کی خصوصیات اور سفارت کاری کا عمومی جائزہ لینے کے بعد ہم دور حاضر کے حوالے سے سفارت کاری کے اصول وضوابط کا جائزہ لیتے ہیں۔

1۔ سفیروں کی عزت وتکریم

سفارت کاری میں سفیروں کی عزت و تکریم سب سے اہم ہے۔ ہدایا اور تحائف کا تبادلہ کیا جائے تاکہ سفارت کاری کے ذریعے ریاستوں کے باہمی معاملات خوشگوار انداز میں چلائے جا سکیں۔ ابن ہشام اپنی کتاب السیرۃ النبویۃ میں لکھتے ہیں

''نبی کریم ﷺ ضرورت کے وقت مدینہ آنے والے سفراء اور وفود کی مالی امداد بھی فرماتے تھے۔ قبیلہ مزینہ کے وفد کے پاس جانے کے لیے کھانے پینے کا سامان پورا نہ تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ ان کے لیے اسباب وخورد ونوش کا انتظام کردیا جائے''۔ 34

قبیلہ بنو ثقیف کا وفد کی مثال سے بھی یہ واضح ہے۔ 35 جہاں تک سفیروں کے کے لیے الگ رہائش کے انتظام کا تعلق ہے تو ڈاکٹر وہبہ زحیلی اپنی کتاب بین الاقوامی تعلقات میں لکھتے ہیں:

’’سترہویں صدی عیسوی میں مستقل سیاسی نمائندگی کے وجود میں آنے سے قبل سیاسی وفود کو بیرونی ممالک میں عارضی اقامت ورہائش کا حق حاصل تھا‘‘۔[36]

چناچہ دور جدید میں سفیروں کی عزت وتکریم کی جائے، رہائش اور کھانے پینے کا بندوبست کیا جائے ا، باہمی تحائف کا تبادلہ ہوتا کہ ریاستوں کے باہمی تعلقات محبت واخوت کی بنیاد پر قائم ہو سکیں۔

2۔ جغرافیائی حالات سے آگاہی

سفارت کا دیگر ریاستوں کے جغرافیائی حالات سے واقفیت ضروری ہے تاکہ اس کے مطابق ریاستی پالیسی کو تشکیل دیا جائے۔ قدیم ادوار میں اس کی اہمیت بہت زیادہ ہوتی تھی۔ نظام الملک طوسی اپنی کتاب سیاست نامہ میں لکھتے ہیں:

"قدیم ریاستوں میں سفیروں کے ذریعے اس ملک کے راستوں کے نشیب وفراز سے آگاہی، ان کے پس منظر، دریاؤں، پہاڑوں، میدانی علاقوں، چراگاہوں اور پانی کے حصول کے ذرائع سے باخبر ہونا شامل ہوتا تھا۔ سفیروں کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس ملک کے سفیر بن کر گئے وہاں کے جغرافیائی حالات کا بغور مطالعہ ومشاہدہ کریں"۔[37]

دور جدید میں ریاستوں کے اندرونی حالات سے واقفیت ضروری ہے۔ان حالات کو سامنے رکھتے ہوئے ریاستی پالیسی بنائی جائے گی اور پہلے سے موجود پالیسی پر نظر ثانی بھی کی جائے گی۔

3۔ سفراء سے متعلق تحقیق وتفتیش

ریاست کو سفیروں سے متعلق باخبر رہنا چاہیے اور ان کے معاملات کی تحقیق وتفتیش کرنی چاہیے تاکہ دوسری ریاستوں اور ان میں سفیروں کے حالات اور سرگرمیوں کے بارے میں پوری آگاہی حاصل ہو امام ابوالحسن الماوردی ’’نصیحۃ الملوک‘‘ میں لکھتے ہیں

"بادشاہ کو چاہیے کہ وہ اپنے سفیروں کے کام کی چھان پھٹک کر لیا کرے جن کو دشمنوں کی جانب بھیج دیا گیا ہو بادشاہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے پیغام رساں یعنی رسل کے معاملہ کی صحیح تحقیق وتفتیش کرے جن کو دشمن کے طرف بھیجا جاتا ہے"۔[38]

یہ سفارت کاری کا اہم پہلو ہے کہ سفیر کی شخصیت اور وطن سے محبت کے پیش نظر اس کو یہ ذمہ داری سونپی جاتی ہے کہ ریاستوں کے باہمی تعلقات کو بہتر بنیادوں پر استوار کرے اور اپنے فرائض کی سرانجام دہی ملکی

مفاد کو پیش نظر رکھے۔اس لیے سفراء کے احوال اوران کی حرکات و سکنات پر نظر رکھی جائے گی۔دوسرا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے سفیر کے پاس ریاست کی حساس معلومات ہوتی ہیں اس لئے بھی سربراہ مملکت کو تمام سفیروں پر نظر رکھنی چاہیے اور خفیہ طریقوں سے جائزہ لیتے رہنا چاہیے تاکہ ریاستی معاملات اور خارجہ پالیسی کو امن وسلامتی کے لیے استعمال کیا جاسکے۔

4۔سفراء کا مصلح ہونا

سفیر اپنی ذات سے زیادہ ہمیشہ ریاستی مفاد کے لیے کام کرتا ہے۔اس لیے حالت جنگ اور امن میں سفیر کا کردار مصلح والا ہونا چاہیے تاکہ وہ بگڑے ہوئے حالات میں ریاستوں کے مابین اصلاح کی فضاء کو قائم کر سکے۔انسائیکلوپیڈیا آف امریکانہ کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

"جنگ اور قیام امن سے متعلق سفیر کا کردار مصلح کے طور پر ہوتا ہے۔ یہ سفیر قابل اعتماد بھی ہوتے ہیں۔انھیں اپنی حکومتوں کی طرف سے ہر قسم کے اختلافی معاملات نپٹانے اور مفادات کے حصول کی خاطر طریقہ کار پر بات چیت کرنے کا کلی اختیار حاصل ہوتا ہے"۔[39]

ہیٹ لینڈ ڈبلیو ای اپنی کتاب تاریخ جمہوریہ روما میں لکھتا ہے

"تاریخ میں ایسے بے شمار واقعات ملتے ہیں کہ ان سفیروں کو ریاستوں کے درمیان اختلافات کے تقاضوں کے پیش نظر امن اور جنگ کی صورت میں معاملات طے کرنے کے لیے بھیجا جاتا تھا"۔[40]

اس لیے واضح ہوتا ہے کہ کامیاب سفارت کاری کے لیے ضروری ہے کہ سفیر میں یہ صلاحیت موجود ہو کہ نازک حالات میں دلیری سے معاملات کو سلجھا سکے،ریاستوں کے مابین غلط فہمیوں کو دور کر سکے اور واضح اور مثبت موقف پیش کر سکے۔

5۔ریاستی راز کی حفاظت

ریاست کے داخلی معاملات کو بیرونی عناصر سے چھپایا جاتا ہے اور بیرونی معاملات کو سفارت کاری کے ذریعے حل کیا جاتا ہے۔ریاستی پالیسی کے تحت ریاست کے اہم رازوں کا تحفظ کیا جاتا ہے اور اسے تمام لوگوں سے محفوظ بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔امام محمد بن حسن الشیبانی اپنی کتاب السیر الکبیر میں لکھتے ہیں: "سفراء کو ہر قسم کی معلومات جو ان کے ملک کے مفاد میں نہ ہو نہ دی جائے"۔[41]

ایسی ریاستی پالیسی تشکیل دی جائے جس سے ریاست کے اہم راز کو سفارت کاروں پر آشکارانہ کیا جائے

آج جدید ٹیکنالوجی کا دور ہے اور مختلف لوگ مختلف طریقوں سے ریاست کے اہم راز کو چرانے کی کوشش کرتے ہیں چناچہ ریاست کے لیے ان کا تحفظ بھی ضروری ہے۔

6۔ سفارت کاری کے ذریعے معلومات کا تبادلہ

سفارت کاری کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ سفارت کاری کے ذریعے ممالک کے مابین معلومات کا تبادلہ ہو تا کہ یہ معلومات ریاستی نظم ونسق کے حوالے سے مفید و معاون ثابت ہوں۔ امام محمد بن حسن الشیبانی ''سیر الکبیر'' میں لکھتے ہیں

"بطور خاص رابطوں کے وسائل کی ترقی اور معلومات کے مراکز و مصادر کے ہوتے ہوئے گزشتہ زمانوں میں دولت اسلامیہ اس امر میں احتیاط برتتے تھے کہ سفراء کو ہر قسم کی معلومات جو ان کے ملک کے مفاد میں نہ ہو نہ دی جائے اور مسلمانوں نے پناہ لی تھی معلومات جمع کرنے میں دشمن سے متعلق اپنے رسولوں کو تردد و شک کی وجہ سے مسلمانوں کے شہروں پر ان کے ساتھ مذاکرات کے لیے اجازت دیتی ہیں"۔[42]

7۔ سفیروں کو امان دینا

سفیروں کو دوسری سہولیات کے ساتھ ساتھ امن و امان دی جائے تاکہ اسے بیرون ملک ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے جان و مال کے تحفظ کا احساس رہے اور وہ اپنی ذمہ داریوں سے کلی طور پر عہدہ برا ہو سکے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں:

''جو شخص دار الحرب سے دار السلام کی طرف کسی سفارتی کام، یا کاروبار، کے لیے آئے، یا صلح کی تلاش میں، یا جنگ بندی کی بات کرنے، یا جزیہ دینے یا اس طرح کے کسی دوسرے کام کی خاطر آئے اور تو جب تک وہ دار السلام میں ٹھہرا رہے اسے اس وقت تک امان دی جائے گی یہاں تک کہ وہ اپنے ملک میں واپس چلا جائے۔[43]۔

فقہاء کے نزدیک سفیروں اور وفود کو تحفظ اور امان دینا جائز ہے اور سیاسی مندوب کو مسلمان ممالک میں معاہدہ امان کے بغیر بھی آنے کی اجازت ہے۔[44]

اگر معاصر قانون کا جائزہ لیا جائے تو اس میں سفیروں کے ساتھ بدعہدی اور غداری کو ممنوع قرار دینے کا ضابطہ ۱۹۰۷ء اور ۱۹۴۹ء میں بنایا گیا۔ اس سے پہلے عیسائی لوگ مسلمان سفیروں کو قتل کرتے رہے مگر اسلامی تعلیمات کی پابندی کرتے ہوئے صلاح الدین ایوبی نے کبھی بھی عیسائیوں کے ساتھ اس طرح کا

سلوک نہیں کیا۔[45]

8۔ سفراء کا تحفظ

ریاستی معاملات میں سفراء کا تحفظ شامل ہے اور اسلامی ریاست اس بات کی ضمانت دیتی ہے کہ سفراء کو جان ومال کا تحفظ دیا جائے گا۔ نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ میں اس کی عملی مثالیں ملتی ہیں کہ جب سفراء کو قتل کیا گیا تو آپ ﷺ نے قصاص لینے کے لیے کارروائی کی۔ اشرح السیر الکبیر میں اس اصول کی وضاحت کی گئی ہے: ان الرسول من الجانیبین یکون آمنا من غیر استیمان۔[46]

یعنی فریقین کی طرف سے (حالت جنگ میں) آنے والا ایلچی بغیر امان لیے بھی مامون ومحفوظ ہوگا۔ گویا ہر حال میں سفیر کی جان ومال کا تحفظ شامل ہے، اگر اس اصول کی خلاف ورزی ہوگی تو اس کے خلاف رد عمل دیا جائے بلکہ قانونی کارروائی بھی کی جائے گی۔ نیز سفراء کے شخصی، عدالتی اور مالی تحفظ کا خیال رکھا جائے گا۔

نتائج بحث

ریاستی تنظیم کے لیے منظم اصول بنائے جاتے ہیں تاکہ دور جدید کی تقاضوں کے مطابق ان اصول وضوابط کو منطبق کیا جائے۔ ریاستی نظام میں وزارت خارجہ یعنی دوسری ریاستوں سے تعلقات کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے اور یہ بین الاقوامی تعلقات سفارت کاری کے ذریعے تشکیل پاتے ہیں۔ یہ دور سفارتی ڈپلومیسی کا دور ہے اور اسی سفارتی ڈپلومیسی کے ذریعے مختلف ریاستیں باہمی تعلقات کو درست بنیادوں پر قائم رکھتے ہیں۔ جمہوری اور منظم ریاستی نظام کے وجود میں آنے کے بعد ریاستی اداروں نے وسعت اختیار کی ہے اور اصول وضوابط وجود میں آتے ہیں اور یہ اصول وضوابط ریاستی نظام اور اس کی تنظیم میں بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اہل، دانشور اور اعلیٰ صفات کا حامل نہ صرف سفارت کاری کو بہتر انداز میں سرانجام دیتا ہے بلکہ ملکی اور بین الاقوامی تعلقات کے لیے بھی راہ ہموار کرتا ہے۔ لہذا کہنے میں کوئی شک نہیں کہ ایک اچھا سفارت کار ہی ملکی اور بین الاقوامی تعلقات کے بہتر قیام میں اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ اگر عصری تقاضوں کی روشنی میں ریاستی نظام میں سفارت کاری اور اس کے اصول وضوابط کو اختیار کیا جائے تو کوئی بعید نہیں ریاستی مفادات کا تحفظ اور شہریوں کے حقوق کا تحفظ کرتے ہوئے مختلف ممالک کے درمیان تعلقات کو بہتر نہ بنایا جا سکے۔

حوالہ جات

[1] راغب اصفہانی، امام، المفردات فی غریب القرآن تحقیق محمد سعید کیلانی، مصر، مطبع مصطفی البابی الحلبی، ۱۹۶۱ء، :۲۳۳

[2] افریقی، ابن منظور، بوالفضل محمد بن مکرم، لسان العرب، مطبع دار بیروت، ۱۹۵۵ء، ۴:۳۷

[3] الحسینی، الزبیدی، سید محمد مرتضیٰ، تاج العروس ومن جواہر القاموس، التراث العربیہ الکویت، ۱۹۷۳ء، ۱۲:۴۱

[4] افریقی، لسان العرب، سفارۃ، مطبع بیروت، ۱۹۵۵ء، :۳۵

[5] ڈاکٹر حمید اللہ، السیاسیۃ وثیقہ نمبر ۶۰، :۷۷

[6] عطیۃ اللہ، احمد القاموس السیاسی، دار لنھضۃ العربیۃ القاہرہ ۱۹۸۰ء، :۶۴۴

[7] البدوی، اسماعیل، اختصاسات السلطۃ التنفیذیۃ فی الدولۃ الاسلامیۃ، النظم الدستوریۃ المعاصرۃ، ، دار النھضۃ العربیۃ، القاہرۃ، ۱۹۳، :

۲۱۰

"The word diplomacy was first used in enlgish so late on 1796 by burke". [8] Encyclopedia Britannica, published by university of Chicago, oxford, Cambridge and London, printed in great Bristian 1951, vol.7, p. 404

[9] The Encyclopedia of Islam, New edition 1965, prepared by a number of leading orientalists printed in the netherland, 1965, Vol II, (C.G) P. 694, Art elevi.

[10] Walter Dill, scoth, the American peoples encyclopedia, Chicago spener press INC. printed in U.S.A A. 1910 P.175 word diplomacy.

[11] ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، حیدر آباد، مطبع دائرۃ المعارف النظامیہ، ۱۳۳۶ھ، ۲:۴۱۵

[12] شبلی نعمانی، علامہ، الفاروق، دار لمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، ۱۹۹۳ء، ۱:۲۰

[13] ہیکل محمد حسین، الفاروق عمر، مترجم حبیب اشعر، اسلامی کتب خانہ لاہور، :۵۲

[14] ابن عبد البر، یوسف، بن عبد اللہ، الاستیعاب، ۲:۴۱۵

[15] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ بیروت، لبنان، مطبع دار احیاء التراث العربی، ۱۹۷۱ء، ۳:۳۴۱۔۳۳۳

[16] طبری، ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ الرسل والملوک، قاہرہ، مطبع حسینیہ، ۱:۵۲

[17] The encyclopedia of Islam, Vol, II, (C-G) Page. 694, Art, Elevi.

[18] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ۲:۳۰۳؛ واقدی، کتاب المغازی، :۴۵۸

[19] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ۲:۳۱۵؛ واقدی، کتاب المغازی، ۳۔۶۰۰؛ ابن سعد، طبقات ابن سعد، ۲:۷۔۹۶

[20] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ۳:۷۰۶ نیز ابن اسحاق ۶۵۴، ابن سعد، اول ۳۔ ۲۶۲، ۸۵۔۶۷ ۲؛ دوم، :۱۲۸

[21] علامہ عینی، عمدۃ القاری، ۱:۹۳، ابن حجر عسقلانی، الاصابہ، ۱:۴۷۳

[22] ابن الفراء ابو علی الحسین بن محمد، رسل الملوک ومن یصلح للرسالۃ والسفارۃ، تحقیق صالح الدین، الکتب الجدیدہ بیروت ۱۳۹۲ھ، :

۳۴

[23] نظام الملک طوسی، سیاست نامہ بزبان فارسی، مطبع پروین انجی پیرس، ۱۸۹۱ء، :۸۷

[24] امام ترمذی، سنن ترمذی، کتاب الاستیذان والاداب عن رسول اللہ ﷺ، باب ماجاء فی تعلیم السریانیۃ، حدیث نمبر ۲۷۱۵

[25] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ۴: ۲۵۵

[26] الماوردی، نصیحۃ الملوک، : ۳۵

[27] صدیقی، یسین مظہر، پروفیسر، عہد نبوی کا نظام حکومت، : ۲۳

[28] ڈاکٹر نثار احمد، انتظام ریاست، نقوش رسول نمبر، شمارہ نمبر ۱۳۰، ادارہ فروغ اردو لاہور، ۱۹۷۳ء، ۵: ۲۰۸

[29] امام ماوردی، نصیحۃ الملوک، ۲٦۷

[30] ابن سعد، طبقات ابن سعد، ۱: ۲٦۲

[31] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ۴: ۲۲۳

[32] االیضا، ۴: ۲۹٦

[33] The Encyclopedia Americana corporation U.S.A 1961, Vol.1 Page 470

[34] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ۴: ۱۹۳

[35] ایضا

[36] وھبہ زحیلی، بین الاقوامی تعلقات، : ۲۱۱

[37] طوسی، نظام الملک، سیاست نامہ، : ۸۷

[38] الماوردی، نصیحۃ الملوک، : 35

[39] The encyclopedia of Amricana printed in USA edition 1961,vi,p470

[40] ہیٹ لینڈ ڈبلیو ای، تاریخ جمہوریہ روما، مترجم حمید احمد انصاری، جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن، ۱۹۴٦ء، : ۴۷

[41] امام محمد بن حسن الشیبانی، السیر الکبیر، ۲: ۵۱۵

[42] امام سرخسی، شرح السیر الکبیر، ۲: ۵۱۵

[43] ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، ۲: ۳۳

[44] امام سرخسی، شرح السیر الکبیر، ۱: ۱۹۹، ابویوسف، کتاب الخراج، : ۱۸۸، امام سرخسی، المبسوط، ۱۰: ۱۲۷

[45] وھبہ زحیلی، بین الاقوامی تعلقات، : ۲۱۱

[46] امام سرخسی، شرح السیر الکبیر، ۵: ۲۳

تاریخ اسلام کے دو متضاد پہلو: تعلیمات نبوی کی روشنی میں ایک موازنہ

*زبیر احمد خان

Abstract

The History of Islam encompasses a period of nearly 15 centuries. In this long period Muslim Ummah gone through many phases. At one time they are politically stable and played an active role in politics and social construction. Their political power eclipsed other world powers. At that time muslim world observed integrity and prosperity and played vital role in international affairs. While on other times it become so weak and fragile that they were overpowered by other world power, their cities were destroyed, millions of Muslims killed ruthlessly and properties confiscated and they were defenseless. There adverseries do whatever they want to harm them. However Muslims claim that we are the true followers of Allah and his religion and Allah promised to assist us but why Allah do not help them when they were targetted by their adverseries on certain points of History. In this essy a humble attempt has been made to compare the two phases of Islamic History in the light of Quran and Muslim behaviour.

مسلم قوم آج جس کرب اور کسمپرسی کے دور سے گزر رہی ہے اس سے کسی کو اختلاف نہیں۔ تمام مسلم دانشور اور اہل نظر لوگ اس زبوں حالی کے اسباب وعوامل پر غور کرتے رہے ہیں اور اسکے تدارک کی مختلف تدابیر پیش کرتے رہے ہیں۔ اس مقالے میں بھی مسلم تاریخ کے دو ادوار کا جائزہ لیا گیا ہے جو بظاہر متضاد نظر آتے ہیں۔ اس مقالے میں انہی دو ادوار کا موازنہ کرکے مسلمانوں کی ترقی اور تنزلی کے اسباب پر غور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

تعارف

اسلامی تاریخ ۱۴۵۰ سال پر محیط ایک ضخیم تاریخ ہے جس میں مسلم امت کئی ادوار سے گزری ہے۔ کبھی تو مسلمانوں کے ساتھ اللہ کی کھلی مدد ونصرت ہوتی ہے اور وہ عزت ورفعت کے بام عروج پر ہوتے ہیں اور قوت وطاقت میں بے مثال ہوتے ہیں جن سے بڑی بڑی طاقتیں ٹکرانے سے بچتی ہیں اور انکے حملے کے ڈر سے لرزتی رہتی ہیں اور کبھی مسلمان ایسے زوال پزیر ہوتے ہیں کہ یقین نہیں آتا یہ وہی امت ہے۔ کبھی تو تائید غیبی انکے ساتھ ہوتی ہے اور ہر ہر قدم پر وہ اللہ کی نصرت سے بہرہ ور ہوتے ہیں یہاں تک کہ اللہ فرشتے انکی مدد کے لئے اتار دیتا ہے اور اگر ایک مسلمان کو بھی دشمن شہید کردے تو اسکی پاداش میں اللہ

*اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، انڈیا

پوری قوم سے انتقام لیتا ہے اور پورے کے پورے قرئے کو ہلاک کر دیتا ہے اور کبھی لاکھوں مسلمانوں کو بے دریغ قتل کر دیا جاتا ہے ہزاروں مسلمانوں، صلحاء اور دانشوروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے، ہزاروں مساجد، مراکز، خانقاہیں، شہر مسمار کر دئے جاتے ہیں اور مسلمانوں کو اللہ کی مدد نہیں پہنچتی اور دشمن کی ہلاکت تو درکنار ایک کانٹا بھی اسکو نہیں چبھتا۔ توان دو ادوار میں کیا فرق ہے اور کیا اسباب وعوامل ہیں جن کے پورا ہونے سے اللہ مسلمانوں کی مدد کرتا ہے اور جنکے چھوٹنے سے مسلمان اللہ کی تائید سے محروم کر دئے جاتے ہیں۔اس مقالے میں انہیں اسباب وعوامل پر غور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

پہلا دور

پہلا دور وہ ہوتا ہے جس میں اللہ مسلمانوں سے راضی ہوتا ہے اور مسلمانوں کے ساتھ ہر وقت اللہ کی مدد ہوتی ہے۔ اللہ انکے دشمن کو ہلاک کرتا ہے اور مسلمانوں کو غالب کرتا ہے۔ سارے انبیاء کے واقعات اسی کے شاہد ہیں پھر حضور ﷺ اور صحابہؓ کی فتوحات میں بھی یہی رنگ دکھائی دیتا ہے اسکے علاوہ قرآن میں کچھ غیر انبیاء جیسے حبیب نجار، اصحاب القدود وغیرہ کے واقعات بھی اسی طرح کے ہیں۔ یہ سب لوگ باطل کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر تھے زیادہ تر انبیاءؑ کے پاس نہ حکومت تھی، نہ فوج، نہ ہتھیار نہ ٹیکنالوجی تھی جبکہ باطل کے پاس حکومت تھی، فوجیں تھیں، ہتھیار تھے، ٹیکنالوجی تھی لیکن جب انہوں نے ایمان والوں پر حملہ کیا یا انکو مغلوب کرنے کی کوشش کی تو اللہ کی مدد فوراً ایمان والوں کے ساتھ آ گئی۔ اسکے بے شمار واقعات قرآن و سیرت اور اسلامی تاریخ میں موجود ہیں۔ اس دور میں اللہ لوگوں کو ایمان سے نوازتا ہے اور اسلام پھیلتا ہے، مسلمانوں کی تعداد دن بہ دن بڑھنے لگتی ہے اور ایک دن اسلام غالب ہوتا ہے اور مسلمانوں کی حکومت قائم ہوتی ہے اور انکو زمین کا وارث اور امام بنا دیا جاتا ہے جیسا کہ حضور ﷺ مکے میں اکیلے کھڑے ہوئے دھیرے دھیرے اسلام پھیلنے لگا سارے لوگ مسلمان ہو گئے اور دشمن ہلاک ہو گئے اور ۲۳ سال میں پورا عرب اسلام کے آغوش میں آگیا، اسی طرح ابراھیمؑ اپنے زمانے میں واحد مسلمان تھے اور نمرود کی طاقت کے سامنے اکیلے کھڑے ہوئے اللہ نے انکی ملت کو اتنا بڑھایا کہ آج بھی تینوں آسمانی مذاہب یہودیت، عیسائیت اور اسلام انکو اپنا پیشوا مانتے ہیں اور نمرود سپر پاور ہونے کے باوجود ہلاک ہوا، اسی طرح نوحؑ، ھودؑ، صالحؑ، لوطؑ، موسیٰؑ و عیسیٰؑ وغیرہ نے اپنی اپنی قوم میں اکیلے کھڑے ہوئے، گو وہ اپنے دشمن کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر تھے اللہ نے انکی مدد کی اور انکے دشمنوں کو

مغلوب کیا۔ اسی طرح حبیب نجار اور اصحاب الاقدود والے لڑکے کے واقعات بھی بتاتے ہیں، یہ تو نبی بھی نہیں تھے لیکن اپنی اپنی قوم میں اکیلے یہ مٹھی بھر مسلمان تھے لیکن جب قوم نے انکے خلاف اقدام کیا تو حبیب نجار کی قوم کو تو ہلاک کیا گیا اور اصحاب القدود کی پوری قوم کو ہدایت مل گئی۔ اسی طرح حبیب نجار کی قوم کو بھی جب ہلاک کیا گیا تو اس قریے میں بھی بہت سے بوڑھے، عورتیں اور بچے ہوگے لیکن اللہ نے کسی کو نہیں چھوڑا۔

جنگِ بدر میں بھی مسلمان ۳۱۳ تھے اور مقابلے پر کیل کانٹے سے لیس ۱۰۰۰ مکے والے تھے لیکن اللہ نے مسلمانوں کو غالب کیا اور باقاعدہ انکی مدد کے لئے فرشتے اترے۔ اسی طرح جنگ احد، خندق، فتح مکہ، حنین میں اللہ نے مدد کی اسکے بعد بھی صحابہؓ کے دور میں حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے کے بے شمار فتوحات اسکی گواہ ہیں۔ بلکہ بعض دفعہ تو اللہ نے ایسی مدد کی کہ صحابہؓ بھی نہیں سمجھ پائے کہ یہ کیا ہوا۔ چنانچہ تاریخِ طبری میں لکھا ہے کہ ایک مہم میں صحابہؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی سرکردگی میں ایران کے شہر 'ویہ اردشیر' کے قلعے کا محاصرہ کیا تو قلعے کے بادشاہ نے اپنے ایلچی کو قلعے کی دیوار پر صحابہ سے گفت شنید کے لئے بھیجا۔ ایلچی نے قلعے کی دیوار پر آکر مسلمانوں کو بادشاہ کی طرف سے صلح کی پیش کش کی تو ایک صحابی ابو مفزر اسود بن قطبہؓ آگے بڑھے اور بادشاہ کے ایلچی کے سامنے کھڑے ہوئے اور اس سے ایک ایسی زبان میں بات کی کہ نہ وہ خود جانتے تھے کہ کیا کہہ رہے ہیں اور نہ ان کے ساتھی! حقیقت میں وہ فارسی زبان نہ جاننے کے باوجود بادشاہ کے ایلچی سے فارسی میں بات کر رہے تھے۔ بادشاہ کا ایلچی ابو مفزرؓ کی باتوں کو سننے کے بعد واپس چلا گیا اور تھوڑی ہی دیر میں لوگوں نے دیکھا کہ ایرانی سپاہی تیزی کے ساتھ قلعہ چھوڑ رہے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے پورا قلعہ خالی ہو گیا، تو مسلمانوں نے ابو مفزرؓ سے پوچھا کہ تم نے ایلچی سے کیا کہا کہ وہ قلعہ چھوڑ گئے۔ ابو مفزرؓ نے جواب میں کہا: قسم اس خدا کی جس نے محمد ﷺ کو بھیجا ہے ، مجھے خود بھی معلوم نہیں کہ میں کیا کہہ رہا تھا! صرف اس قدر جانتا ہوں کہ خود بخود میری زبان پر کچھ کلمات جاری ہوئے۔ امید رکھتا ہوں جو کچھ میں نے کہا ہو گا وہ ہمارے فائدے میں ہو گا۔ اسکے بعد مسلمان قلعے میں داخل ہوئے اور کچھ بے یار و مددگار لوگ رہ گئے تھے ان میں سے ایک سے پوچھا کہ وہ لوگ قلعہ چھوڑ کر کیوں فرار ہو گئے۔ انھوں نے جواب میں کہا: بادشاہ نے تم سے جنگ کی راہ ترک کرکے صلح کرنے کا پیغام بھیجا تھا۔ لیکن تم لوگوں نے جواب میں کہا تھا "ہمارے درمیان تب تک ہرگز کوئی معاہدہ

نہیں ہو سکتا جب تک ہم افریدون علاقہ کا شہد اور سرزمین کوثی کا چکوترا نہ کھالیں!" بادشاہ نے آپ کا پیغام سننے کے بعد کہا: افسوس ہو ہم پر! ان کی زبان سے فرشتے بولتے ہیں!! اس کے بعد وہ یہاں سے دور ترین شہر کی طرف فرار ہو گئے[1]۔

اسی طرح کی تاریخ عقبہ بن نافع کی ہے۔ مفتی محمد تقی عثمانی زیر عنوان ''عقبہ بن نافعؓ اور ان کی فتوحات'' لکھتے ہیں جسکا مفہوم یہ ہے کہ: شمالی افریقہ میں جب عقبہ بن نافع کی سرکردگی میں دس ہزار افراد پر مشتمل اسلامی فوجیں مصر کو فتح کرنے کے بعد تیونس پہنچیں تو حضرت عقبہ نے بربریوں کے ساتھ رہنے کے بجائے مسلمانوں کے لئے الگ شہر بسانا مناسب سمجھا۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے گھنے جنگل میں ایک جگہ کا انتخاب کیا تو انکے ساتھیوں نے کہا کہ یہاں اس جگہ تو جنگلی جانور اور حشرات الارض سے بھرا ہوا ہے، یہاں شہر کیسے بسایا جا سکتا ہے۔ لیکن حضرت عقبہ کے نزدیک یہی جگہ سب سے مناسب تھی اس لئے انہوں نے اپنا فیصلہ تبدیل نہیں کیا بلکہ اپنے لشکر میں سے صحابہ کو اکٹھا کیا جن کی تعداد ۱۸ تھی حضرت عقبہ نے انکے ساتھ مل کر دعا کی اور اسکے بعد یہ آواز لگائی: ''اَيَّتُهَا السِّبَاعُ وَالْحَشَرَاتُ نَحْنُ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وسلم اِرْحَلُوْا عَنَّا فَاِنَّا نَازِلُوْنَ فَمَن وَّ جَدْنَاهُ بَعْدَ قَتَلْنَاهُ'' اے درندو اور کیڑو! ہم رسول اللہ کے اصحاب ہیں۔ ہم یہاں بسنا چاہتے ہیں لہذا تم یہاں سے کوچ کر جاؤ۔ اس کے بعد تم میں سے جو کوئی یہاں نظر آئے گا ہم اسے قتل کر دیں گے۔

اس اعلان کا نتیجہ کیا ہوا؟ امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ: ''فَلَمْ يَبْقِ مِنْهَا شَئیٌ اِلَّا خَرَجَ هَارِباً حَتىٰ اَنَّ السِبَاعَ تحمل اَوْ لادها'' ان جانوروں میں سے کوئی نہیں بچا جو بھاگ نہ گیا ہو۔ یہاں تک کہ درندے اپنے بچوں کو اٹھائے لے جا رہے تھے۔

اس کے بعد عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے جنگل کاٹ کر یہاں شہر بسایا جسکا نام قیروان رکھا گیا، وہاں جامع مسجد بنائی اور اسے شمالی افریقہ میں اپنا مستقر قرار دیا۔ اسکے بعد حضرت معاویہؓ نے اپنے دورِ حکومت میں انہیں معزول کر دیا اور وہ شام میں آباد ہو گئے بعد میں یزید کے دور میں انہیں دوبارہ افریقہ کا گورنر بنا دیا گیا اس لئے حضرت عقبہ نے قیروان سے آگے اپنی پیش قدمی جاری رکھنے کا ارادہ کیا تو روانگی سے پہلے اپنے بیٹوں کو نصیحت کی: میں اپنی جان اللہ تعالیٰ کو فروخت کر چکا ہوں لہذا اب (مرتے دم تک) اللہ کا انکار کرنے والوں سے جہاد کرتا رہوں گا، اسکے علاوہ اور بھی نصیحتیں کیں۔ چنانچہ انہوں نے اس بار

الجزائر اور تلسمان وغیرہ کے علاقے فتح کئے اور مراقش میں اسلامی جھنڈا لہرایا بالآخر وہ افریقہ کے انتہائی مغربی ساحل پر اٹالنٹک کے کنارے پہنچے جسے اسفٰی کا مقام کہا جاتا ہے اور اٹلانٹک کے سامنے کھڑے ہو کر انہوں نے وہ تاریخی جملے کہے کہ: ''یا رب لو لا ہٰذا البحر لمفیت فی البلاد مجاہداً فی سبیلک'' پروردگار! اگر یہ سمندر حائل نہ ہوتا تو میں آپ کے راستے میں جہاد کرتا ہوا اپنا سفر جاری رکھتا۔ اسکے بعد انہوں نے اپنے ساتھیوں کو بلایا اور اپنے گھوڑے کے پیر اٹلانٹک میں ڈالے اور ہاتھ اٹھا کر یہ دعا فرمائی ''یا اللہ! میں غرور و تکبر کے جذبے سے نہیں نکلا اور تو جانتا ہے کہ ہم اسی سبب کی تلاش میں ہیں جس کی آپ کے بندے ذوالقرنین نے جستجو کی تھی اور وہ یہ ہے کہ بس دنیا میں تیری عبادت ہو اور تیرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ اے اللہ! ہم دین اسلام کا دفاع کرنے والے ہیں تو ہمارا ہو جا اور ہمارے خلاف نہ ہو۔ یاذوالجلال والاکرام''[2]۔

دوسرا دور

دوسرا دور وہ ہوتا ہے جس میں اللہ مسلمانوں سے ناراض ہوتا ہے اور مسلمانوں کی انکے دشمنوں کے خلاف مدد نہیں کرتا چاہے دشمن کتنی بھی سرکشی پر اترا ہوا ہو یہاں تک کہ اللہ والے اور نیک لوگ بھی اسکے ظلم و ستم سے نہیں بچتے۔ اس دور میں مسلمان پریشان رہتے ہیں کیونکہ اللہ کی مدد انکے پاس نہیں آتی اور دشمنوں کے خلاف ہر محاذ پر انکو شکست ہوتی ہے حالانکہ مسلمان بڑی تعداد میں ہوتے ہیں اور انکی بڑی بڑی حکومتیں قائم ہوتی ہیں، بظاہر مسلمان بڑے خوشحال ہوتے ہیں لیکن دشمن آسانی سے انکی شان و شوکت کو خاک میں ملا دیتا ہے۔ تاریخ میں بے شمار ایسے واقعات بھی ملتے ہیں۔ ہندوستان میں اور اسپین میں مسلمانوں نے ہر دو جگہ تقریباً ۸۵۰ سال حکومت کی لیکن جب دشمن نے ان پر حملہ کیا تو اللہ کی مدد نہیں آئی مسلمانوں کی بستیوں کو لوٹ لیا گیا، اسپین میں انکو یہ حکم دیا گیا کہ یہ تو عیسائی ہو جائیں یہ ملک سے نکل جائیں جو لوگ ملک سے نکل گئے وہ راستوں میں لوٹ لئے گئے جو رہ گئے تھے وہ بظاہر عیسائی ہو گئے تو انکو خنزیر کا گوشت کھلا کر دیکھا جاتا تھا کہ آیا یہ سچے دل سے عیسائی ہوئے ہیں یا نہیں، انکی نوجوان لڑکیوں کو غیر مسلم لوگ ماں باپ کے سامنے سے ہاتھ پکڑ کر لیجاتے تھے اور ماں باپ روتے رہ جاتے تھے اس زمانے کے ایک عربی شاعر ابوالبقاء صالح بن شریف الرندی الاندلسی نے باقاعدہ اسکا ذکر اپنی شاعری میں کیا ہے۔ یہاں پر انکے مشہور مرثیہ "قصیدہ نونیہ" کے چند اشعار نقل کئے جا رہے ہیں:

يا ربَّ أمّ وطفلٍ حيلَ بينهما
كما تفرقَ أرواحٌ وأبدانُ

ہائے کتنی ہی ماؤں اور بچوں کے درمیان جدائی ڈال دی گئی جس طرح جسم سے روح کھینچ لی جاتی ہے

وطفلة مثل حسنِ الشمسِ إذ طلعت
كأنما هى ياقوتٌ ومرجانُ

اور کتنی ہی بچیاں جو طلوع ہوتے سورج کی مانند حسین تھیں گویا کہ وہ یاقوت اور مرجان ہوں

يقودُها العلجُ للمكروه مكرهة
والعينُ باكية والقلبُ حيرانُ

ایک دشمنِ اسلام اسے اس کی ناپسندیدگی کے باوجود مکروہ کام کیلئے ہانکتا ہوا لے جاتا ہے اور آنکھ ہے کہ رو رہی ہے اور دل حیران ہے [3]۔

ایک دوسرے مرثئے کے چند اشعار پیش کئے جارہے ہیں جو کسی گمنام شاعر کا ہے، یہ سقوط طلیطلہ پر کہا گیا

مساجدها كنائس ، أيُّ قلب
على هذا يَقَرُّ و لا يطيرُ.

اس کی مساجد گرجوں میں بدل گئی ہیں، کون سا دل ہوگا جو اس پر بے قرار ہو کر بکھر نہ جائے۔

اذلت قاصرات الطرف كانت
مصونات مساكنها القصور

اس کی حسین دوشیزائیں جو محلات میں محفوظ تھیں ذلیل ہو کر ہوس کا نشانہ بن گئی ہیں۔

وادركها فتور فى انتظار
لسرب فى لواحظه القصور

ان میں سے ایک دوشیزہ کھڑی ہے، آنکھیں پتھرا گئی ہیں، وہ ہوس کار گروہوں کی ہوس رانی کا شکار ہونے کی منتظر ہے۔

وكان بنا و بالفتيات اولى
لو انضمت على الكل القبور

ہمارے اور ان دوشیزاؤں کیلئے بہتر تو یہی ہے کہ ہم سب زمین میں دفن ہو جاتے ![4]

اسی طرح جب چنگیز خان نے سمرقند اور دیگر مسلم شہروں پر حملہ کیا تو لاکھوں مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا چنانچہ فارسی مورخ جوینی لکھتا ہے کہ جب چنگیز خان نے ارگنج Urgenc شہر پر قبضہ کیا تو اس نے اپنے پچاس ہزار سپاہیوں کو حکم دیا کہ ہر سپاہی ۲۴ مسلمانوں کو قتل کرے اس طرح بارہ لاکھ مسلمانوں کو قتل کیا گیا اور اسکے فوجی جنرل مسلمانوں کو قتل کرنے کے بعد انکی کھوپڑیوں کے مینارے بناتے

تھے کیوں کہ جسکا مینارہ اونچا ہوتا تھا تو اسکو زیادہ بڑا انعام ملتا تھا تو ہر جنرل یہ چاہتا تھا کہ میں زیادہ مسلمانوں کو قتل کروں تاکہ میرا میناراہ اونچا ہو، اسی طرح جب منگول نیشاپور پہنچے تو چنگیز خاں کا داماد توکوچار Tokuchar شہر کے محاصرے کے دوران لڑائی میں مارا گیا۔ تاہم تین دن کی لڑائی کے بعد نیشاپور نے ہتھیار ڈال دئے۔ توتوکچار کی بیوہ اور چنگیز خان کی بیٹی نے کہا کہ میں اپنے خاوند کے قتل کا انتقام لینا چاہتی ہوں کسی کو نہ بخشا جائے اور سب کو میری آنکھوں کے سامنے قتل کیا جائے چنانچہ وہ ایک میدان میں بیٹھ گئی اور اسکی آنکھوں کے سامنے قتل وغارت کا بازار گرم کیا گیا اور پورے شہر کی آبادی کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا غصّے کا یہ عالم تھا کہ کتے بلیوں تک کو نہیں بخشا لیکن اللہ کی مدد نہیں آئی اور چنگیز خان کے اوپر دنیا میں کوئی پکڑ نہیں آئی اسی طرح ۱۸۵۷ کے غدر میں ہندوستان میں لاکھوں مسلمانوں کو قتل کر دیا گیا صرف دہلی اور اسکے اطراف میں اور لوگوں کے علاوہ بیس ہزار مسلمان جن میں بہت سے عابد، زاہد اور صوفیاء بھی شامل تھے انکو پھانسی دی گئی لیکن مدد نہیں آئی، کہا جاتا ہے کہ انگریزوں کے پاس پھانسی دینے کے لئے رسّیاں ختم ہو گئیں تو پیڑوں کی شاخوں پر لٹا کر پھانسیاں دی گئیں

ایک موازنہ

اب ہم اپنی تحقیق کا دائرہ اور چھوٹا کرتے ہیں تاکہ نتائج اخذ کرنے میں آسانی ہو۔ ہم اسلامی تاریخ کے دو واقعات کا موازنہ کرتے ہیں ایک تو سقوطِ بغداد کا اور ایک حبیب نجار کا۔ اگر ظاہری اعتبار سے دیکھیں بغداد میں مسلمان لاکھوں کی تعداد میں تھے ایک اندازے کے مطابق بغداد کی آبادی اس وقت ۱۵، لاکھ سے تجاوز کر چکی تھی جس وقت ۱۲۵۸ میں ہلاکو خاں نے بغداد پر حملہ کیا اور حملے میں تقریباً ۱۰ لاکھ لوگ مارے گئے۔ وہاں سب چیزیں موجود تھیں سیکڑوں کی تعداد میں مسجدیں، مدارس، خانقاہیں تھیں لاکھوں کی تعداد میں صلحاء، فضلاء اور اتقیاء تھے لیکن اللہ کی مدد نہیں آئی اور پورے بغداد کی زیادہ تر آبادی کو قتل کر کے دریائے دجلہ میں ڈال دیا گیا جس سے ہفتوں اسکا پانی سرخ بہتا رہا اور بغداد کی لائبیریریوں کی کتابیں جن میں سب سے بڑی بیت الحکمت کی لائبیریری تھی جس میں صدیوں پرانی بیش قیمتی کتابوں کا ذخیرہ تھا ساری کتابوں کو دریائے دجلہ میں دریا برد کر دیا گیا جن کی سیاہی سے ہفتوں اسکا پانی سیاہ بہتا رہا۔ تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ بغداد کی گلیاں لاشوں سے اٹی پڑی تھیں۔ چند دن کے اندران سے اٹھنے والے تعفن کی وجہ سے ہلاکو خان کو شہر سے باہر خیمہ لگانے پر مجبور ہونا پڑا۔ اس سلسلے میں ہندوستان کے مشہور مؤرخ

سید امیر علی رقمطراز ہیں کہ بچے اور عورتیں ہاتھوں میں قرآن اٹھائے باہر نکلتے اور قران کا واسطہ دیکر اپنی جان کی امان مانگتے کہ خدارا اس قرآن کے واسطے ہی ہمیں بخش دو لیکن سب کو تہہ تیغ کر دیا گیا[5]۔ وہ باپردہ اور نازک مزاج خواتین جنہوں نے کبھی ہجوم کی شکل تک نہیں دیکھی تھی، کو گلیوں میں گھسیٹا گیا۔ان کے ساتھ بدترین قسم کی بربریت کا مظاہرہ کیا گیا[6]۔ قتل وغارت، عصمت دری اور لوٹ مار کا سلسلہ تقریباً ۳ ہفتوں تک جاری رہا۔ محلّات، مساجد اور عمارتوں کو مسمار کر دیا گیا یا انہیں آگ لگا دی گئی اور ان کے سنہری گنبد زمیں ریز ہو گئے۔ مدرسوں اور جامعات کے طلبہ اور اساتذہ کو قتل کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ اسپتالوں میں مریض بھی اس ظلم وستم سے نہ بچ سکے[7]۔ شیخ سعدی شیرازی نے کہا: ''آسمان را حق یُوَد گر خوں ببارد بر زمیں''(اس واقعہ پر اگر آسمان سے خون کی بارش ہو تو یہ ٹھیک بات ہو گی)۔

خلیفہ کی ہلاکت کے بارے میں کئی کہانیاں مشہور ہیں تاہم زیادہ قرینِ قیاس ہلاکو کے وزیر نصیر الدین طوسی کا بیان ہے جو اس موقعے پر موجود تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ خلیفہ کو چند دن بھوکا رکھنے کے بعد ان کے سامنے ایک ڈھکا ہوا خوان لایا گیا۔ بھوکے خلیفہ نے بے تابی سے ڈھکن اٹھایا تو دیکھا کہ برتن ہیرے جواہرات سے بھرا ہوا ہے۔ ہلاکو نے کہا، 'کھاؤ'۔ مستعصم باللہ نے کہا: 'ہیرے کیسے کھاؤں؟' ہلاکو نے جواب دیا: 'اگر تم ان ہیروں سے اپنے سپاہیوں کے لیے تلواریں اور تیر بنا لیتے تو میں دریا عبور نہ کر پاتا۔' عباسی خلیفہ نے جواب دیا: 'خدا کی یہی مرضی تھی۔' ہلاکو نے کہا: 'اچھا، تو اب میں جو تمھارے ساتھ کرنے جا رہا ہوں وہ بھی خدا کی مرضی ہے'۔اس نے خلیفہ کو نمدوں میں لپیٹ کر تاکہ زمین پر خون نہ بہے اس کے اوپر گھوڑے دوڑا کر انکے سموں سے کچلوا دیا[8]۔اس سارے ظلم وستم کے باوجود ذرا سی بھی اللہ کی مدد نہیں آئی۔

دوسری طرف حبیب نجار کا واقعہ لے لیں پہلے اس سے متعلق سورہ یٰس کی آیات کا ترجمہ پیش کرتے ہیں

”اور شہر کے آخری کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور اسنے کہا اے میری قوم اِن رسولوں کی بات مانو، ان کی بات مانو جو تم سے کوئی بدلہ نہیں مانگتے اور وہ ہدایت پانے والے ہیں۔ اور میرے لیے کیا ہے کہ میں اس کی پرستش نہ کروں جس نے مجھے تخلیق کیا ہے اور اسی کی طرف تم واپس لوٹ کر جاؤ گے۔ کیا میں اس (اللہ) کے سوا اوروں کی عبادت کروں کہ اگر رحمان مجھے تکلیف دینا چاہے تو ان (جھوٹے معبودوں) کی سفارش ذرا بھی میرے کام نہ آئے اور نہ وہ مجھے نجات دلا سکیں۔ بے شک اس وقت میں کھلی گمراہی میں ہوں گا۔ بے شک میں تمہارے رب (اللہ) پر ایمان لایا، میری بات سنو۔ اس سے کہا گیا بہشت میں

داخل ہو جا اس نے کہا اے کاش! میری قوم کو بھی معلوم ہو جاتا کہ میرے رب نے مجھے معاف کر دیا اور مجھے اکرام والوں میں کر دیا۔ اور ہم نے اس کی قوم پر اس کے بعد کوئی فوج آسمان سے نہ اتاری اور نہ ہم اتارنے والے تھے۔ صرف ایک ہی چیخ تھی کہ جس سے وہ بجھ کر رہ گئے"[9]۔

یہ واقعہ پورا یہاں نقل نہیں کیا گیا اس میں پیچھے سے نبیوں کا ذکر چلا آ رہا ہے کہ اللہ نے ایک قوم کی طرف اسلام کی دعوت دینے کے لئے دو نبیوں کو بھیجا لیکن قوم نے انکی بات نہیں مانی تو پھر اللہ نے انکی مدد کے لئے تیسرے کو بھیجا لیکن قوم نے اسکی بات بھی نہیں مانی اور انکی اذیت کے درپے ہو گئی تو اس شخص یعنی حبیب نجار کو پتہ چلا کہ فلاں جگہ لوگ نبیوں کی مخالفت کر رہے ہیں تو یہ شہر کے کنارے سے دوڑا ہوا آیا۔ اور اس نے اپنی قوم کو دعوت دی۔ جسکا ذکر اوپر کی آیات میں کیا گیا لیکن قوم نے بجائے اسکی بات ماننے کے اس پر حملہ کر دیا اور اسکو اتنا مارا کہ یہ شہید ہو گیا۔ شہادت کے بعد اللہ نے اسکی روح کو حکم دیا کہ تم اپنی جنت میں داخل ہو جاؤ تو اس نے اپنی جنت دیکھ کر کہا کہ اے کاش! میری قوم بھی جان لیتی۔ کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا اور مجھے عزت والوں میں کر دیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو بھیجا جس نے اس قوم پر ایسی چیخ ماری کہ پوری قوم ہلاک ہو گئی۔

ایک سوال

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حبیب نجار نے ایسا کون سا عمل کر لیا کہ اللہ نے اسکی شہادت کا فوراً انتقام لے لیا اور اسکے انتقام میں پورے قریے کو ہلاک کر دیا جب کہ سقوط بغداد کے وقت وہاں لاکھوں مسلمان تھے جن میں ہزاروں بڑے درجے کے دیندار مسلمان، شیوخ، صلحاء تھے اور ان سب کو بے دریغ منگولوں نے قتل کر دیا عورتوں، بچوں، بوڑھوں مریضوں، کسی کو نہیں چھوڑا لیکن منگولوں پر اللہ کا کوئی عذاب نہیں آیا۔

ایک ہی دین کے ماننے والوں کے دو گروہوں کے ساتھ اللہ کا رویہ مختلف کیوں ہے اگر اللہ کی سنت مسلمانوں کی مدد کرنا ہے تو پھر ہر دور کے مسلمانوں کی مدد کرنی چاہئے اور اگر اللہ کو مسلمانوں کی مدد نہیں کرنا ہے تو پھر کسی مسلمان کی بھی مدد نہیں کرنی چاہئے۔ کسی گروہ کی اللہ فوراً مدد کر رہا ہے اگر دشمن نے ایک مسلمان کو بھی شہید کر دیا تو اللہ نے اسکے قتل کی پاداش میں پورے قریے کو ہلاک کر دیا اور مٹھی بھر مسلمانوں کو اپنے سے کئی گنا زیادہ تعداد والے دشمنوں پر غالب کر دیا اور انکی مدد کے لئے فرشتے اتارے جیسا

کہ بدر میں، کہ ان فرشتوں کو کفار نے بھی دیکھا اور ایک گروہ کی اللہ بالکل مدد نہیں کر رہا جیسا کہ جب ہلاکو خاں نے بغداد پر حملہ کیا اور لاکھوں مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اسی طرح سمرقند، بخارا، ارگنج، مرو میں منگولوں کے حملوں کے دوران کوئی مدد نہیں آئی۔ حالانکہ دونوں گروہ ایک ہی مذہب کے ماننے والے ہیں ایک ہی قرآن کے حامل ہیں ایک ہی نبی کے امتی ہیں وغیرہ۔ اللہ خود قرآن میں کہتا ہے کہ اللہ کی سنت کو تم بدلا ہوا نہیں پاؤ گے لیکن یہاں ایسا نہیں لگ رہا ایک ہی مذہب کے ماننے والوں کے ساتھ مختلف سلوک دکھائی دے رہا ہے۔

نتیجہ

ان دو وادوار کے موازنے سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ وہ عمل جو حبیب نجار نے کیا وہ تھا غیر مسلم بھائیوں کو اسلام کی دعوت دینا، انکو اللہ کا پیغام پہنچانا کہ اس نے پوری دردمندی اور خیر خواہی کے ساتھ اپنی قوم کو دین کی دعوت دی حد تو یہ ہے کہ جب قوم نے اسے شہید کر دیا اور اللہ نے اسے جنت میں داخل ہونے کا حکم دیا تو وہ بجائے اپنی قوم کے لئے بددعا کرنے کے اور اللہ سے یہ دعا کرنے کے کہ اللہ میری قوم نے مجھے بہت بے رحمی سے قتل کیا ہے تو ان سے میرا انتقام لے تو ان سب باتوں کے بجائے اسے بس یہ فکر تھی کہ اے کاش میری قوم بھی میری جنت دیکھ سکتی تو ہو سکتا ہے وہ بھی ایمان قبول کر لیتی۔ یعنی جس قوم نے اسے بے رحمی سے قتل کیا، مرنے کے بعد بھی اس قوم کو جہنم سے بچانے کی فکر اور تڑپ اسکے دل میں تھی۔ یہ وہ جذبہ ہے جو بغداد کے ایک مسلمان کے پاس بھی نہیں تھا اور بغداد کے ایک مسلمان نے بھی منگولوں کو اسلام کی دعوت نہیں دی حتّیٰ کہ جب منگول مسلمانوں کو بے دریغ قتل کر رہے تھے تب بھی مسلمانوں کو دعوت دینے کا خیال نہیں آیا۔ اگر اس وقت بھی مسلمان دعوت دے دیتے تو اللہ کی پکڑ سے بچ سکتے تھے اور اگر نہ بھی بچتے تب بھی داعی بن کر مرتے اور اللہ کے یہاں داعی کا درجہ پاتے اور منگول اللہ کے سامنے جوابدہ ہوتے کہ میرے بندوں نے تم تک اسلام کا پیغام پہنچایا تھا تم نے کیوں نہیں مانا اور وہ انکار کے مجرم قرار پاتے۔ جب خلیفہ مستعصم باللہ ہلاکو خاں کے چنگل میں پھنس گیا اور موت اسکو اپنے سامنے دکھائی دینے لگی تب بھی اسے یہ خیال نہیں آیا کہ کم سے کم اب تو میں اسے اسلام کی دعوت دے دوں حجت پوری کر دوں، بچنا تو ہے ہی نہیں چاہے دعوت دوں یہ نہ دوں۔ لیکن یہ بات تو مسلمانوں کے ذہن میں دور دور تک تھی ہی نہیں آئی نہ اب ہے، کہ ہماری زندگی کا مقصد لوگوں کو ہمیشہ ہمیشہ کی جہنم سے بچانا

ہے اور یہی اللہ کی مدد حاصل کرنے کا واحد راستہ ہے۔ قرآن میں جتنی قوموں پر عذاب کا ذکر ہے سب پر دعوت کے بعد ہی عذاب آیا۔ اسی کو قرآن کہتا ہے كَذَّبَتْ قَبْلَهُم قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ۔ وَثَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ أُولَـٰئِكَ الْأَحْزَابُ۔إِن كُلٌّ إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ[10]۔

"ان سے پہلے قوم نوح اور عاد اور میخوں والا فرعون۔ اور ثمود اور لوطؑ کی قوم اور بن والے بھی جھٹلا چکے ہیں یہی وہ لشکر ہیں۔ ان سب نے رسولوں کو جھٹلایا تھا پس میرا عذاب آموجود ہوا"

آج کے مسلمانوں کو لگتا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت ہتھیاروں اور فوجوں سے ہو گی یعنی مسلمانوں کے پاس ہتھیار اور فوج کی کمی ہے لیکن سارے انبیاءؑ کے زمانے میں اللہ نے دعوت کے ذریعہ ہی مسلمانوں کی مدد کی اگر ہتھیار اور فوج اسلام کی حفاظت کے لئے ضروری ہوتے تو سارے انبیاءؑ بجائے دعوت کے ہتھیار ہی بنانے کی محنت کرتے حضرت نوحؑ، ھودؑ، صالحؑ، شعیبؑ، ابراھیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ وغیرہ کسی نے بھی ہتھیار اور فوج کا سہارہ نہیں لیا لیکن اللہ نے انکے مقابلے میں آنے والی بڑی بڑی قوتوں کو دعوت کے ذریعہ پاش پاش کیا۔ اسی طرح صحابہؓ کے دور میں وہ جہاں بھی گئے انکے سامنے یہی نصب العین رہتا تھا کہ ہم لوگوں کو بچانے والے بنا کر بھیجے گئے ہیں اسی نیت سے وہ جہاد کرتے تھے بظاہر لگتا تھا کہ وہ جنگیں لڑ رہے ہیں اور مالِ غنیمت حاصل کر رہے ہیں اور حکومتیں قائم کر رہے ہیں لیکن اسکے پیچھے اصل مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ہوتا تھا نہ کہ حکومتیں قائم کرنا اور مال و دولت کا حصول۔ اسی لئے وہ جہاں بھی گئے اللہ کی مدد انکے ساتھ رہی کیوں کہ وہ اللہ کا کام کر رہے تھے۔ آج ہم بھی بہت سی جگہ جہاد کر رہے ہیں مثال کے طور پر فلسطین اور کشمیر میں لیکن ہم اپنی زمینوں کی آزادی کے لئے لڑ رہے ہیں نہ کہ انکو جہنم سے بچانے کے لئے۔ ہماری دور دور تک یہ نیت نہیں ہے کہ ہمیں اسرائیل کے یہودیوں کو جہنم سے بچانا ہے یہ کشمیر میں ہندوستانیوں کو جہنم سے بچانا ہے۔ ہم اپنے فائدے کے لئے لڑ رہے ہیں نہ کے انکے فائدے کے لئے۔

لیکن آج مسلمان کو خود ہی دعوت کی طاقت کا اندازہ نہیں ہے کہ اللہ نے مجھے دعوت کا کام دیکر کتنی طاقت عطاء کر دی ہے اگر ہم نے اب بھی دعوت کا کام نہ کیا تو پھر ویسے ہی حالات پیش نہ آجائیں جو دعوت نہ دینے والے مسلمانوں کے ساتھ پیش آتے رہے ہیں جن میں سے کچھ کا ذکر اوپر کیا گیا۔ اللہ کا اٹل قانون

ہے کہ بغیر دعوت کے اللہ کسی قوم پر عذاب نہیں بھیجتا قرآن میں بے شمار آیات اس مضمون کی موجود ہیں یہاں پر ہم صرف چند آیات پیش کرتے ہیں۔

- وَمَا أَهلكنا مِن قَرْيةٍ إِلَّا لها مُنذِرُون[11]۔ "اور ہم نے ایسی کوئی بستی ہلاک نہیں کی جس میں ڈرانے والے نہ آئے ہوں"
- إِن كُلٌّ إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ[12]۔ "ان سب نے رسولوں کو جھٹلایا تھا پس میرا

عذاب آموجود ہوا"
- وَلَوْ أَنَّا اَہلَكْنَاہم بِعَذَابٍ مِّن قَبْلِہ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ مِن قَبْلِ أَن نَّذِلَّ وَنَخْزَىٰ[13]۔ "اور اگر ہم انہیں اس سے پہلے کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو کہتے اے ہمارے رب تو نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہ بھیجا تاکہ ہم

ذلیل وخوار ہونے سے پہلے تیرے حکموں پر چلتے"
- فَعَصَوْا رَسُولَ رَبِّهم فَاَخَذَهم أَخْذَةً رَّابِيہ[14]۔" پس انہوں نے اپنے رب کے

رسول کی نافرمانی کی تو اللہ نے انہیں سخت پکڑ لیا"

ان سب آیات میں اور انکے علاوہ بے شمار آیات میں اللہ نے واضح طور پر اپنی سنت بیان فرمادی کہ میں جب تک غیر مسلموں پر عذاب نہیں بھیجوں گا جب تک کہ ان کو اللہ کا پیغام نہ پہنچا دیا جائے۔ اسکے علاوہ مسلمانوں کا انتقام بھی غیر مسلموں سے نہیں لونگا جب تک کہ وہ غیر مسلم دعوت کے انکار کے مرتکب نہیں ہونگے یہ دعوت کو جھٹلائیں گے نہیں۔

کچھ غلط فہمیاں

جب بھی مسلمانوں پر کوئی برا وقت آتا ہے اور دشمن ان پر حملہ کرتا ہے تو دو غلط فہمیوں سے بہت بڑا نقصان ہوتا ہے ایک غلط فہمی تو یہ ہوتی ہے کہ اللہ ظالموں پر انکے ظلم کی وجہ سے عذاب بھیجے گا اور انکو ہلاک کریگا۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ اللہ کبھی بھی کفار و مشرکین پر انکے ظلم کی وجہ سے عذاب نہیں بھیجتا بلکہ ظلم کی وجہ

سے اللہ ان میں اپنے کسی رسول یہ داعی کو بھیجتا ہے جو انکو اللہ کا پیغام پہنچاتا ہے اور جب وہ اسکی دعوت کا انکار کر دیتے ہیں اور اسکو جھٹلا دیتے ہیں تب اللہ ان پر اپنا عذاب بھیجتا ہے۔ ظالم لوگ چاہے مسلمانوں پر کتنے ہی ظلم کر رہے ہوں لیکن اللہ بغیر دعوت کے ان پر عذاب نہیں بھیجتا یہ اللہ کی اٹل سنت ہے جس کو اللہ نے قرآن میں سیکڑوں جگہ بیان کیا ہے جن میں سے ایک آیت یہ ہے ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ کَانَتۡ تَّاۡتِیۡہِمۡ رُسُلُہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَکَفَرُوۡا فَاَخَذَہُمُ اللّٰہُ ؕ اِنَّہٗ قَوِیٌّ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ[15]۔

اور دوسری غلط فہمی یہ ہوتی ہے کہ مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ ہم سے عبادات میں کوتاہی ہو رہی ہے اس لئے ہمارے اوپر پریشانی آ رہی ہے اسلئے وہ عبادات کی طرف تو متوجہ ہو جاتے ہیں لیکن دعوت کی طرف سے غافل رہتے ہیں۔ جسکا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حالات سدھرتے ہی لوگ پھر سے غافل ہو جاتے ہیں اور مسجدیں خالی ہو جاتی ہیں، کیونکہ وہ دعوت پر کھڑے نہیں ہوئے تھے انکو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ بغیر دعوت کے اللہ ہمارا انتقام نہیں لیگا اور ظالموں پر اللہ کا عذاب نہیں آئیگا۔ لیکن شیطان ہمارے دل میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ اگر ہم انکو دعوت دینے لگیں گے تو حالات اور خراب ہو جائیں گے ایک تو پہلے ہی وہ مسلمانوں پر مظالم ڈھا رہے ہیں اور اگر ہم نے دعوت دینا شروع کر دی تو ظلم اور زیادہ بڑھ جائیگا اور انکو ایک نیا بہانہ مل جائیگا مسلمانوں کے خلاف ظلم اور پروپگنڈہ کرنے کا۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے ہر زمانے میں اللہ نے دعوت کے بعد ہی مسلمانوں کی مدد کی اور انکے دشمن کو ہلاک کیا۔ تو اور اعمال میں جڑنے کے ساتھ ساتھ ہم اسلام کی دعوت کا بھی اہتمام کریں بغیر اسکے اللہ اپنا عذاب ظالموں پر نہیں بھیجے گا۔ وماکنّا معزبین حتیٰ نبعث رسولا [16]۔ اور ہم عذاب نہیں دیتے جب تک کسی رسول کو نہیں بھیج لیتے۔ نہ ہی بغیر دعوت کے ہمارا انتقام لیگا فَانۡتَقَمۡنَا مِنۡہُمۡ فَانۡظُرۡ کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الۡمُکَذِّبِیۡنَ[17]۔" پھر ہم نے ان سے انتقام لیا پھر دیکھ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔" لیکن اسکا مطلب یہ بھی نہیں کہ ہم حالات خراب ہونے کا انتظار کریں کہ جب حالات خراب ہونگے تب ہم انکو دعوت دیں گے، پر امن حالات میں بھی دعوت دیں کیوں کہ پر امن حالات میں دعوت دینا آسان بھی ہوتا ہے اور اگر ہم پر امن حالات میں دعوت دیں گے تو حالات انشااللہ بگڑیں گے ہی نہیں۔

سفارشات

☆اوپر کی بحث سے کافی حد تک صاف ہو چکا ہے کہ بغیر دعوت کے مسلمانوں کا اس دنیا میں کامیاب ہونا بہت مشکل ہے کیوں کہ اللہ کی مدد جب ہی آئیگی جب ہم دعوت کی شرط پوری کر دیں گے۔ خواہ مسلمان اقلیت میں ہوں یا اکثریت میں۔ جہاں بطورِ اقلیت رہ رہے ہیں وہاں پر تو حضور ﷺ کی مکی زندگی کی دعوتی سرگرمیاں ہمارے لئے نمونہ ہے کیوں کہ مسلمان مکہ میں اقلیت میں تھے۔

☆جہاں مسلمان بطورِ اکثریت رہ رہے ہیں وہاں پر تو دعوت بہت آسان ہے بلکہ مسلم ممالک اپنے یہاں دعوتی سرگرمیوں کا مرکز بنا سکتے ہیں جہاں سے پوری دنیا میں دعوت پہنچے۔ اِن مسلم ممالک کی جو دوسرے ممالک میں سفارتیں Embassies ہیں انکے ذریعہ بھی دعوتی کام آسانی سے ہو سکتا ہے کیوں کہ انکو سفارتی تحفظ Diplomatic immunity حاصل ہوتا ہے۔

☆مدینے میں حضور ﷺ نے مختلف ممالک کے بادشاہوں کے پاس خطوط کے ذریعے اسلام کی دعوت پہنچائی تو خطوط کے ذریعہ بھی اسلام کی دعوت دی جا سکتی ہے اور آج کے زمانے میں خطوط کے قائم مقام مسیج message، واٹس ایپ whatsapp ، فیس بک facebook، ٹویٹر twitter، یو ٹیوب youtube، انسٹا گرام instagram اور ای میل email ہیں انکے ذریعے بھی اسلام کی دعوت آسانی سے دی جا سکتی ہے اس میں کوئی خطرہ بھی نہیں ہے۔

☆اسی طرح میڈیا کے ذریعہ جیسے اخبارات، جرائد اور ٹی وی چینل کے ذریعہ بھی اسلام کے دعوت غیر مسلم بھائیوں تک پہنچائی جا سکتی ہے۔

☆سب سے بڑا ذریعہ اخلاق ہیں کہ بجائے ان سے نفرت کرنے اور انکو اپنا دشمن سمجھنے کے ہمیں ان سے ہمدردی ہونی چاہئے اور انکے اوپر ترس آنا چاہئے انکو جہنم سے بچانے کی فکر کریں۔

حوالہ جات

[1] Muhammda bin Jarir Tabari, Tareekh e Tabari (Urdu Translation) Nafis Academy Urdu Bazar Karacha, (Translated by Syed Muhammad Ibraheem Nadwi), 2004, Vol 2, Pp.387-388. Also can see on http://alhassanain.org/urdu/?com=book&id=253&page=291 01/10/2019.

[2] Taqi Usmani, Jahaane Deedah (Urdu), Maktaba Maariful Quran Karachi, 2010. P. 106.

[3] Dr. Zahoor Ahmad Azhar, Marsiya-e-Seqalliya par ek nazar(Urdu), Bazme Iqbal, Lahore, 1992, https://www.urduweb.org/mehfil/threads/%D9%85%D8%B1%D8%AB

%DB%8C%DB%81-
%D8%A7%D9%86%D8%AF%D9%84%D8%B3.91640/ 22/10/2019.
[4] Ibid.
[5] Syed Ameer Ali, A Short History of the Saracens, Macmillan and Company Ltd. London, 1900, P. 398.
[6] https://www.nawaiwaqt.com.pk/16-Apr-2018/806007 01/10/2019.
[7] https://www.nawaiwaqt.com.pk/16-Apr-2018/806007 01/10/2019.
[8] https://www.bbc.com/urdu/world-43001821 01/10/2019.
[9] Yaseen, 36:20-29
[10] Suaad, 38:12-14
[11] Al-shooara, 26:208
[12] Suaad , 38:14
[13] Tahaa, 20:134
[14] Al-haaqqaa, 69:10
[15] Al-Momin, 40:22
[16] Bani israeel, 17:15
[17] Al-zukhruf,43:25

عربی مقالات

الأعمال الخيرية الاجتماعية في ضوء السيرة النبوية

* وائل علي السيد،

Abstract

One of the etiquette of Islam and the virtuous values that religion has entrenched is the urge to do charitable work, and to consider it as a worship of the worshipers, and many generous verses have been mentioned calling for and urging him, including from the Almighty saying: “O you who believe, kneel, kneel, worship, and worship you.” Hajj 77. In the Prophet’s biography, there are hundreds of examples and situations in which the Holy Prophet’s initiative appears to do good deeds, and his companions encouraged him to do so, especially since Islam considered zakat and charity as matters related to faith, and the research deals with the following axes:

The concept of charitable social work:

-Areas of charitable work (orphan care - widow care - patient care - preparing the dead - caring for the homeless from the Muslims - breakfast of the fasting person - spending needs - spreading knowledge - reform among the litigants - planting trees)

Among the sources of financing charitable work: (donations - ongoing charity - Zakat)

Bright examples of charitable work from the Prophet's era: (Abu Bakr - Omar bin Al-Khattab - Abu Talha - Abu Al-Dahdah)

The impact of charitable work on comprehensive development (morally - economically - socially)

The most important findings and recommendations:

1- We need a jurisprudence of reality to save the Islamic world from its problems, and to establish a culture of charitable work from the most important duties of that stage that he is going through.

2-. The necessity for Muslims to know that the revival of this religion can only be by making money, effort and time, and sacrificing all cheap and precious.

3- One of the conditions for charitable work: impartiality, loyalty - organization - training.

من آداب الإسلام ومن القيم الفاضلة التي رسخها الدين الحث على العمل الخيري ، واعتباره عبادة من العبادات ، وقد ورد كثير من الآيات الكريمات تدعو إليه وتحض عليه ، من ذلك قوله تعالى : " فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ "[1]، وقوله : " يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ "[2]

وفي السيرة النبوية مئات النماذج والمواقف التي يظهر فيها مبادرة النبي الكريم إلى أفعال الخير ، وتشجيعه الصحابة على ذلك ، ومن ذلك اعتبار الزكاة

---

* أستاذ مساعد بكلية التربية – جامعة عين شمس – مصر

والصدقة أمرا متصلا بالإيمان ، وكذلك البرّ بالمحروم ، وكفالة اليتيم ، ورعاية الفقير ، وعيادة المريض ... إلخ
ويهدف هذا البحث إلى الكشف عن الصور المشرقة للأعمال الخيرية التي تصدر عن وعي حقيقي بضرورة التعاون من غير أن تكون هناك مصلحة أو شبهة ، مع التركيز على الجانب المتعلق بتحديات العصر الحديث في البحث، وتقديم حلول شاملة للتحديات في ضوء مقتضيات العصر الحديث .وبالله التوفيق وعليه التكلان

أولا : مفهوم العمل الخيري الاجتماعي

هو عمل يقوم على الخير المحض ، بكل ضروبه وأنواعه ، وينفع هذا الخير الإنسان نفسه ، ويعم جميع الناس مسلمين وغير مسلمين ، ويتسع مدلول الخير ، بحيث لا يكون مرتبطا ببذل المال فحسب ، بل يشمل المساعدات بشتى أنواعها المادية منها والمعنوية ، ويعرفه د. عبد الكريم بكار بأنه " كل مال أو جهد أو وقت يبذل من أجل نفع الناس وإسعادهم والتخفيف من معاناتهم ... ويشمل الأنشطة والخدمات اللاربحية " [3]

ثانيا : مجالات الأعمال الخيرية :

1-رعاية اليتيم :

تعد مشروعات كفالة اليتيم من الأعمال الخيرية الناجحة والمحببة التي يهتم كثير من المسلمين بالمشاركة والإسراع فيها ، ولها صورتان ؛ فردية وجماعية ، أما الفردية فهي عمل يقوم به المسلم بنفسه ، عن طريق متابعة أحوال اليتيم وإطعامه وكسوته وتعليمه وإدخال السرور عليه بشتى الصور ، وأما الجَماعية فتكون عن طريق سداد اشتراك شهري عبارة عن مبلغ من المال إلى جمعية من الجمعيات المعنية بهذا الأمر ، وهي تعرف الأيتام وعناوينهم وأرقام هواتفهم إن أمكن وحالتهم ، وتنظم لقاءات شهرية لأمهاتهم ليتقاضين تلك الأموال ، وإن كانت كثيرا ما لا تسد جوعة ، ولا تقضي لهم حاجة ، ولكن قليلٌ دائم خير من كثير منقطع .
وربما اتسع باب الخير لليتيم ، فوجد كافلا يتبناه ، ويعامله معاملة أولاده ، وربما ضمه إليهم في بيته ، وهذا مما حث عليه النبي الكريم فيما رواه مَالِكِ بْنِ الْحَارِثِ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ يَقُولُ: " مَنْ ضَمَّ يَتِيمًا بَيْنَ أَبَوَيْنِ مُسْلِمَيْنِ إِلَى طَعَامِهِ وَشَرَابِهِ حَتَّى يَسْتَغْنِيَ عَنْهُ، وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ الْبَتَّةَ " 4 ، وفي هذا الحديث إغراء وترغيب ، بمكافأة هي أعظم ما يتمناه المؤمن من ربه ، أن تجب له الجنة مطلقا .
وكان أول كافل لليتيم ، فقد تزوج أم سلمة رضي الله عنها ومعها أربعة أطفال أيتام ، فكانوا له بمثابة أبنائه ، قَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: لَمَّا خَطَبَنِي رَسُولُ اللهِ قُلْتُ لَهُ: خِلَالٌ فِيَّ ثَلَاثٌ، أَنَا كَبِيرَةُ السِّنِّ وَأَنَا امْرَأَةٌ مُطَفِّلٌ، وَأَنَا امْرَأَةٌ شَدِيدَةُ الْغَيْرَةِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ρ : «أَمَا السِّنُّ فَأَنَا أَكْبَرُ مِنْكِ، وَأَمَّا الْأَطْفَالُ فَهُمْ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ، وَأَمَّا الْغَيْرَةُ فَأَدْعُو اللهَ فَيُذْهِبُهَا عَنْكِ»[5]

2-رعاية الأرملة :

كم من النساء اللائي فقدن الزوج يعشن حياة بائسة ، ولهذا لا بد أن توضع أنظمة خاصة وقوانين لرعاية الأرامل وأشباههن من النساء المعيلات والأيامى والمطلقات ، اللاتي يعُلنَ أطفالا ولا عائل لهن ، ولقد كان رسول الله أسبق الناس إلى الحث على رعاية الأرامل ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ قَالَ: «السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ، كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللهِ - وَأَحْسِبُهُ قَالَ - وَكَالْقَائِمِ لَا يَفْتُرُ، وَكَالصَّائِمِ لَا يُفْطِرُ»6

وفي صحف اشعياء اسمه ركن المتواضعين. وفيها: إني باعث، نبيا أميا أفتح به آذنا صما، وقلوبا غلفا، وأعينا عميا، مولده بمكة ومهاجرته بطيبة، وملكه بالشام، رحيما بالمؤمنين، يبكي للبهيمة المثقلة، ويبكي لليتيم في حجر الأرملة، لو يمر إلى جنب السراج لم يطفئه من سكينته ولو يمشي على القضيب الرعراع يعني اليابس لم
يسمع من تحت قدميه 7

وفي ذلك يقول أبو طالب من قصيدة يمدح بها النبي وشرف وكرم أكثر من ثمانين
بيتا:

وأبيض يستسقى الغمام بوجهه ... ثمال اليتامى عصمة للأرامل أي ملجأ وغياثا لليتامى، ومانع الأرامل من الضياع 8 ، وعن عبد الله بن أبي أوفى قال: كان رسول الله لا يستنكف أن يمشي مع العبد، ولا مع الأرملة، حتّى يفرغ لهم من حاجتهم " . وعن أنس قال: كانت الأمة من إماء المدينة لتأخذ بيد النّبيّ ، فتنطلق به حيث شاءت 9 ، وكان يكني بأبي إبراهيم ، وبأبي الأرامل.[10]

وكان معظم أمهات المؤمنين من الأرامل ، ومنهن سودة بنت زمعة أرملة السكران بن عمرو ، ولم يرو راو أن سودة كانت من الجمال أو من الثروة أو المكانة بما يجعل لمطمع من مطامع الدنيا أثرا في زواجه منها. إنما كانت سودة زوجا لرجل من السابقين إلى الإسلام ، الذين احتملوا في سبيله الأذى والذين هاجروا إلى الحبشة بعد أن أمرهم النبيّ بالهجرة وراء البحر إليها. وقد أسلمت سودة وهاجرت معه، وعانت من المشاقّ ما عانى، ولقيت من الأذى ما لقي. فإذا تزوّجها محمد بعد ذلك ليعولها وليرتفع بمكانتها إلى أمومة المؤمنين، فذلك أمر يستحق من أجله أسمى التقدير وأجلّ الحمد.[11]

وكانت حفصة بنت عمر أرملة بعد معركة بدر، إذ استشهد زوجها خنيس في الميدان ، وعند وفاة أبي سلمة، ضمّ الرسول زوجته أمّ سلمة إلى أهله ، وكانت ميمونة أرملة أيضا ، وكذلك صفيّة بنت حييّ بن أخطب النّضيرية ، وجويرية بنت الحارث بن ضرار ، رضي الله عنهن جميعا .

ومعنى أن خمسا من أزواجه كنّ أرامل بائسات مات عنهن أزواج مسلمون أنه ملزم، أدبيا، بأن يدخلهن في كنفه، بينما كانت ثلاث منهن ينتمين إلى قبائل عدوّة، وكنّ ذوات أثر فعال في توثيق العلاقات بين المسلمين وتلك القبائل [12] ، كما أن

العيشة مع أولئك الأرامل لا تقوم على متاع ملحوظ ودنيا سارة.... إنّ الظروف التي أحاطت بالزوجات الخمس ، تجعل البناء بهن بعض ما كلف الرسول بتجشمه من
سياسة الأفراد والجماعات، وبعض ما كلف بتحقيقه من إقامة الخير ومحو الضر.[13]

3-رعاية المرضى :

من الأعمال المهمة التي باتت الحاجة إليها ماسة عيادَة المرضى ، وخاصة عن طريق الهيئات والجمعيات الخاصة برعاية المرضى ، " فهذا لون من أعمال الخير لا يبذل فيه المسلم مالا ، يبذل جهدا ؛ ليخفف عن المريض بزيارته ، ويدعو له ، وييسر قلبه ، وخصوصا من ليس له قبيلة أو عائلة كبيرة ، ولا أصدقاء كثيرون " [14]
وقد قام كاتب هذا البحث بتأسيس جمعية خيرية مشهرة بوزارة التضامن الاجتماعي بجمهورية مصر العربية ، باسم (الجمعية الخيرية الإسلامية لرعاية المرضى) ، ومن خلال العمل الميداني ، وجد الباحث أن المجتمع المسلم يزخر بالمئات والآلاف في كل قرية ومدينة ، ممن يترددون على المؤسسات الخيرية الاجتماعية ، منهم من يعطَى ومنهم من يمنَع ، وتراهم إذا علموا أن فاعل خير ذبح ذبيحة ليوزعها ابتغاء مرضاة الله ، يتدفقون على بيته كالسيل من كل صوب وحدب ، وإذا شمت أنوفهم رائحة مساعدات تُوزَع تراهم
يتظاهرون كأن الأرض أخرجت أثقالها .
أما المرضى فلا يعلم بحالهم إلا الله ، هم ملايين من مرضى الكبد ، وملايين من مرضى الفشل الكلوي ، وملايين من مرضى السرطان ، وماذا عسى الدولة أن تفعل مع هذه الأعداد الغفيرة من أصحاب الأمراض المزمنة ، ولا يقف الأمر عند حاجتهم إلى الدواء ، لقد يضطرون في كثير من الأحيان إلى بيع أثاث منازلهم ليشتروا الدواء ، أو لعمل أشعات أو تحاليل طبية ، ويعجزون عن عملها ، لهم الله .

4-تجهيز الميت :

تقوم بعض الجمعيات وكثير من فاعلي الخير بعمل أكفان مجهزة للميت ، ويضعونها في المساجد ، وبعضهم يصنع الخشبة التي يحمل عليها الميت الى قبره ويتبرع بها ، أو الطاولة التي يغسل عليها ، وهناك سيارات تكريم الموتى : تقوم بنقلهم إلى بلادهم ، أو إلى المقابر ، وهذا كله مما حث عليه النبي ، فعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ : «مَنْ حَفَرَ قَبْرًا بَنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ، وَمَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا خَرَجَ مِنَ الْخَطَايَا كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ، وَمَنْ كَفَّنَ مَيِّتًا كَسَاهُ اللَّهُ أَثْوَابًا مِنْ حُلَلِ الْجَنَّةِ، وَمَنْ عَزَّى حَزِينًا أَلْبَسَهُ اللَّهُ التَّقْوَى وَصَلَّى عَلَى رُوحِهِ فِي الْأَرْوَاحِ، وَمَن عَزَّى مُصَابًا كَسَاهُ اللَّهُ حُلَّتَيْنِ مِنْ حُلَلِ الْجَنَّةِ لَا يَقُومُ لَهُمَا الدُّنْيَا، وَمَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةً حَتَّى يُقْضَى دَفْنُهَا كُتِبَ لَهُ ثَلَاثَةُ قَرَارِيطَ، الْقِيرَاطُ مِنْهَا أَعْظَمُ مِنْ جَبَلِ أُحُدٍ، وَمَنْ كَفَلَ يَتِيمًا أَوْ أَرْمَلَةً أَظَلَّهُ اللَّهُ فِي ظِلِّهِ وَأَدْخَلَهُ جَنَّتَهُ»[15] ، وعَنْ أَبِي

رَافِعٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ : " مَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا فَكَتَمَ عَلَيْهِ غُفِرَ لَهُ أَرْبَعِينَ مَرَّةً، وَمَنْ كَفَّنَ مَيِّتًا كَسَاهُ اللهُ مِنْ سُنْدُسٍ وَإِسْتَبْرَقِ الْجَنَّةِ، وَمَنْ حَفَرَ لِمَيِّتٍ فَأَجَنَّهُ فِيهِ أُجْرِيَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ كَأَجْرِ مَسْكَنٍ أَسْكَنُهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ "[16]

5-رعاية المشردين من بلادهم من المسلمين :

يتعرض كثير من المسلمين اليوم إلى ألوان من التشريد والاضطهاد بسبب ظروف عدوان أجنبي ، أو خلافات سياسية ، أو صراعات عرقية ، وهؤلاء منتشرون في مناطق شتى من العالم ، منهم أهل كشمير ، وفلسطين ، وسوريا ، والعراق ، والصومال ، وهؤلاء في أمس الحاجة إلى من يضيّفهم ويحسن معاملتهم واستقبالهم ، وهذا ما علّمه النبي للأنصار حينما آخى بينهم وبين المهاجرين ، وورد أنه كان رسول الله يصلِّي بأصحابه ثم ينصرف فيقول لأصحابه: «ليأخذ كل رجل بقدر ما عنده» ، فيذهب الرجل بالرجل والرجلين والثلاثة، ويذهب رسول الله بالباقين.[17]

وعن محمد بن سيرين قال: كان رسول الله إذ أمسى قَسَم ناساً من أهل الصُّفَّة بين ناس من أصحابه، فكان الرجل يذهب بالرجل، والرجل يذهب بالرجلين، والرجل يذهب بالثلاثة، حتى ذكر عَشَرة؛ فكان سعد بن عبادة رضي الله عنه يرجع كل ليلة إلى أهله بثمانين منهم يعشِّيهم.[18]

وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: مرّ بي رسول الله فقال: «أبا هر» فقلت: لبيك يا رسول الله. قال: «الحَقْ أهل الصفَّة فادعُهم» قال: وأهل الصفة أضياف الإسلام لا يأوون على أهل ولا مال، إذا أتته صدقة بعث بها إليهم ولم يتناول منها شيئاً، وإذا أتته هدية أرسل إليهم وأصاب منها وأشركهم فيها.[19]

وإذا كان هذا هدي رسول الله فَمما يؤسف له أن المسلمين الذين أُخرجوا من ديارهم

وأموالهم ، لا يجدون مأوى ، ولا بيت مال يتحمل نفَقاتهم ، وكثير منهم يتسولون في

الطرقات ويطرقون الأبواب من أجْل طعام أو لباس ، فأين المسلمون ؟

6- إفطار الصائم :

(مائدة الرحمن) لافتة كبيرة نراها مرفوعة في كل مكان في شهر رمضان المبارك ، تحث الصائمين أن يأتوا لتناول الافطار ، وأيضا دأب كثير من الناس أن يقوموا بطهي الطعام في رمضان ، ويقدمون وجبات مطهية ، وكذلك أصحاب المطاعم يتسابقون في توزيع الطعام الجاهز قبل موعد الإفطار بقليل .

وهذه من الجهود الفردية المحمودة في عمل البر ، التي لا يدفعهم اليها رياء ولا شهرة ، وانما تنبع من وازع الخير الذي تمليه عليه ضمائرهم ، ونفحات ربانية ، ورغبة في مرضاة الله عز وجل .

وقد أولت بعض المؤسسات الحكومية المصرية اهتماما كبيرا بالأعمال الخيرية ، وأهمها القوات المسلحة المصرية التي استنت سنة حسنة كل عام في رمضان ، حيث تنشئ سرادقات في الأماكن العامة ، وتقوم بإعداد حقائب بها مواد غذائية

توزع في رمضان على المارة في الطرقات ، وربما ترسل إ لى بيوت المحتاجين ، ويطلق عليها اسم (شنطة رمضان) ،
وكثيرا ما تكون عبارة عن صناديق مصنوعة من الكرتون تحتوي على (الزيت ، السمن ،
السكر ، الشاي ، الأرز ، العدس ، صلصة الطماطم ...) ، ويصل عددها إلى مئات الآلاف .
وهذا كله إن دل على شيء يدل على اتباع الهدي النبوي الكريم ، فعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ : " مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا، كَانَ لَهُ، أَوْ كُتِبَ لَهُ، مِثْلُ أَجْرِ الصَّائِمِ، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَجْرِ الصَّائِمِ شَيْئًا. [20]

7-قضاء الحوائج :

من الأعمال المهمة النافعة أن يقوم المسلم بقضاء حَوَائِجِ الآخرين ، وهناك من يتخذها مهنة يتكسب منها ، ويقدم هذه الخدمة بمقابل مادي ، ويسمى السمسار أو المخلصاتي ، فهذا نال أجره في الدنيا مالًا ، وربما لم ينل كلمة شكر ، ولكن فاعل الخير ذلك الذي يقضي حَوَائِجِ الناس لا ينتظر منهم جزاء ولا شكورا ، وإنما يفعل ذلك لوجه الله الكريم وطلبا لمرضاته ، وتحصينا لهذه النعمة من أن تزول ، روي عن أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ : " مَا مِنْ عَبْدٍ أَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِ نِعْمَةً فَأَسْبَغَهَا عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَ إِلَيْهِ شَيْئًا مِنْ حَوَائِجِ النَّاسِ، فَإِنْ تَبَرَّمَ بِهِمْ فَقَدْ عَرَّضَ تِلْكَ النِّعْمَةَ لِلزَّوَالِ "[21]

8-نشر العلم :

يمكن للمسلم الذي يعلم شيئا أن يعلّمه لمن لا يعلمه ، ويمكن للمعلم الذي وهبه الله خيرا من العلم والمال أن يقوم بالتعليم لأبناء المسلمين بدون مقابل ، وتلك خدمة اجتماعية يشكره عليها الناس ، ويؤدي بها شكر نعمة الله عليه ، ومن صور نشر العلم إنشاء المدارس ، ومحو الأمية ، وإعطاء محاضرات ودروس علم يحتسبها صاحبها لله .
عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: " كَانَ نَاسٌ مِنَ الْأَسْرَى يَوْمَ بَدْرٍ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ فِدَاءٌ، فَجَعَلَ رَسُولُ اللهِ ، فِدَاءَهُمْ أَنْ يُعَلِّمُوا أَوْلَادَ الْأَنْصَارِ الْكِتَابَةَ " [22] ، وعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ : «إِنَّ مِمَّا يَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهِ وَحَسَنَاتِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ عِلْمًا عَلَّمَهُ وَنَشَرَهُ، وَوَلَدًا صَالِحًا تَرَكَهُ، وَمُصْحَفًا وَرَّثَهُ، أَوْ مَسْجِدًا بَنَاهُ، أَوْ بَيْتًا لِابْنِ السَّبِيلِ بَنَاهُ، أَوْ نَهْرًا أَجْرَاهُ، أَوْ صَدَقَةً أَخْرَجَهَا مِنْ مَالِهِ فِي صِحَّتِهِ وَحَيَاتِهِ، يَلْحَقُهُ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِ»[23]

9-الإصلاح بين المتخاصمين :

تكثر الخلافات والمشكلات بين الناس حتى يعجزوا عن حلها ، وهناك من يشتهرون بين الناس بأنهم رجال المجالس العرفية ، أو لجان المصالحات ، وكثير منهم يعتبر هذه مهنة يتقاضى عليها ربحا ، وربما لا تكون نيته خالصة ، فينصر ظالما ، ويخذل مظلوما ، ولكن فاعل الخير يتقرب بهذا العمل إلى الله ، عملا بالمنهج النبوي الكريم ، فعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ أَهْلَ قُبَاءٍ اقْتَتَلُوا

حَتَّى تَرَامَوْا بِالحِجَارَةِ، فَأُخْبِرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذَلِكَ، فَقَالَ: «اذْهَبُوا بِنَا نُصْلِحُ بَيْنَهُمْ»[24] .

وعَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى

صَدَقَةٍ يَرْضَى اللهُ مَوْضِعَهَا؟» قُلْتُ: بَلَى. قَالَ: «تَسْعَى فِي إِصْلَاحِ ذَاتِ النَّاسِ إِذَا تَفَاسَدُوا، وَتُقَارِبُ بَيْنَهُمْ إِذَا تَبَاعَدُوا»[25] ، وَأَبَاحَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَنْ تَحَمَّلَ حَمَالَةً فِي إِصْلَاحِ ذَاتِ بَيْنٍ أَنْ يَأْخُذَ مِنَ الصَّدَقَاتِ مَا يَسْتَعِينُ بِهِ عَلَى قَضَاءِ دِيْنِهِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فَقِيرًا، وَذَلِكَ رَاجِعٌ إِلَى التَّرْغِيبِ فِي الْإِصْلَاحِ وَتَخْفِيفِ الْأَمْرِ عَلَى الْقَائِمِينَ بِهِ لِيَكُونَ تَخْفِيفُهُ عَلَيْهِمْ مَبْعَثًا لَهُ عَلَى الدُّخُولِ فِيهِ .[26]

10-غرس الأشجار :

يقوم الشباب بعمليات يطلق عليها (تشجير الطرقات) ، وذلك له قيمته الجمالية ، ويزين الشوارع ، ويكون سبيلا لمن يستظل بها ، وتخفف من الحر ، وهذا من الأعمال التي أوصى بها رسول الله بقولهَ: " إِنْ قَامَتِ السَّاعَةُ وَبِيَدِ أَحَدِكُمْ فَسِيلَةٌ، فَإِنْ اسْتَطَاعَ أَنْ لَا يَقُومَ حَتَّى يَغْرِسَهَا فَلْيَفْعَلْ " [27]

وإنما أمر بغرس الفسيلة (النخلة الصغيرة) والساعة قائمة ولن ينتفع بها أحد ، إشارة إلى أن المسلم يتعبد لله بالغرس ، وأنه يظل على عطائه وإنتاجه إلى أن تلفظ الحياة آخر أنفاسها .[28]

ثالثا : من مصادر تمويل العمل الخيري :

1- التبرعات بشكل عام :

تلك الوسيلة أيسر الوسائل على المسلم لأنه لا يشترط فيها مقدار معين ، ولا نصاب كالزكاة ، ولهذا بدأت بها ، وهي تتطلب شعورا وعاطفة من المسلم ، بحيث يحس بآلام الآخرين ، ويشفق عليهم ، ويدخل فيها كل أنواع الصدقات وصورها التي يتطوع بها المسلم رحمة بالمحتاجين ، وقد حث عليها الرَسُولِ فودعا إلى الإكثار منها وعدّد صورها عندما جَاءَهُ قَوْمٌ حُفَاةٌ عُرَاةٌ مُجْتَابِي النِّمَارِ - أَوِ الْعَبَاءِ - مُتَقَلِّدِي السُّيُوفِ، عَامَّتُهُمْ مِنْ مُضَرَ، بَلْ كُلُّهُمْ مِنْ مُضَرَ، وكان ذلك فِي صَدْرِ النَّهَارِ كما يروي جَرِيرِ رضي الله عنه - فَتَغَيَّرَ وَجْهُ رَسُولِ اللهِ لِمَا رَأَى بِهِمْ مِنَ الْفَاقَةِ، قَالَ: فَدَخَلَ، ثُمَّ خَرَجَ، فَأَمَرَ بِلَالًا، فَأَذَّنَ، وَأَقَامَ، فَصَلَّى، ثُمَّ خَطَبَ، فَقَالَ: " {يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ} إِلَى آخِرِ الْآيَةِ {إِنَّ اللهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا} وَقَرَأَ الْآيَةَ الَّتِي فِي الْحَشْرِ {وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ} " تَصَدَّقَ رَجُلٌ مِنْ دِينَارِهِ، مِنْ دِرْهَمِهِ، مِنْ ثَوْبِهِ، مِنْ صَاعِ بُرِّهِ، مِنْ صَاعِ تَمْرِهِ " حَتَّى قَالَ: " وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ " قَالَ: فَجَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ بِصُرَّةٍ كَادَتْ كَفُّهُ تَعْجِزُ عَنْهَا، بَلْ قَدْ عَجَزَتْ، ثُمَّ تَتَابَعَ النَّاسُ، حَتَّى رَأَيْتُ كَوْمَيْنِ مِنْ طَعَامٍ وَثِيَابٍ حَتَّى رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ يَتَهَلَّلُ وَجْهُهُ، يَعْنِي كَأَنَّهُ مُذْهَبَةٌ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ : " مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً، فَلَهُ أَجْرُهَا، وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُنْتَقَصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْءٌ، وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً، كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا، وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُنْتَقَصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ " [29]

وهذه الوسيلة يمكن استثمارها بصورة جيدة حيث إن كثيرا من المسلمين يستطيعون أن يتبرعوا بالملابس الزائدة التي لم تعد تستعمل لكونها لا تناسب السن والجسم ، وكذلك الطعام الزائد والفائض عن الحاجة ، وكم في بيوت المسلمين ما يلقى في القمامة ، لو أعطي لفقراء الأمة المحرومين لوسعهم ، ولسوف يحاسبون على هذه النعمة " ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيم "[30]

2- الصدقة الجارية :

يحرص المسلمون على هذا النوع من أفعال الخير ، وذلك امتثالا للتوجيه النبوي في الحديث الشريف المتفق عليه المرويّ عن أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ قَالَ: " إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ "[31]، وورد التفصيل في رواية أخرى عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أيضا أن رَسُولُ اللَّهِ قال : «إِنَّ مِمَّا يَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهِ وَحَسَنَاتِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ عِلْمًا عَلَّمَهُ وَنَشَرَهُ، وَوَلَدًا صَالِحًا تَرَكَهُ، وَمُصْحَفًا وَرَّثَهُ، أَوْ مَسْجِدًا بَنَاهُ، أَوْ بَيْتًا لِابْنِ السَّبِيلِ بَنَاهُ، أَوْ نَهْرًا أَجْرَاهُ، أَوْ صَدَقَةً أَخْرَجَهَا مِنْ مَالِهِ فِي صِحَّتِهِ وَحَيَاتِهِ، يَلْحَقُهُ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِ»[32]

والصدقة الجارية هي" الدائمة التي تبقى للمسلم بعد موته ، ويظل أجرها محسوبا له مادام هناك من ينتفع بها "[33] ، ولها صور كثيرة منتشرة في المجتمع الاسلامي ، منها توزيع المصاحف ، أو بعض سور من القرآن الكريم تطبع على هيئة كتيبات صغيرة مثل سورة الكهف ، ويس ، والواقعة ، والرحمن ، وبعض الناس يضع مبردا كهربيا للمياه أمام بيته ، أو في مكان عام أو في المسجد ، وكانوا قديما ولا يزالون يضعون أوعية للماء البارد من الفخار ، منها ما يسمى في مصر (الزير ، والقدرة ، والقلة) . وقد ورد الحث على هذه الأنواع من الصدقة الجارية بقوله " وَاسْقِ الظَّمْآنَ " وذلك فيما رواه الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، عَلِّمْنِي عَمَلًا يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ، فَقَالَ: " لَئِنْ كُنْتَ أَقْصَرْتَ الْخُطْبَةَ، لَقَدْ أَعْرَضْتَ الْمَسْأَلَةَ، أَعْتِقِ النَّسَمَةَ، وَفُكَّ الرَّقَبَةَ ". فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَوَلَيْسَتَا بِوَاحِدَةٍ؟ قَالَ: " لَا، إِنَّ عِتْقَ النَّسَمَةِ أَنْ تَفَرَّدَ بِعِتْقِهَا، وَفَكَّ الرَّقَبَةِ أَنْ تُعِينَ فِي عِتْقِهَا، وَالْمِنْحَةُ الْوَكُوفُ، وَالْفَيْءُ عَلَى ذِي الرَّحِمِ الظَّالِمِ، فَإِنْ لَمْ تُطِقْ ذَلِكَ، فَأَطْعِمِ الْجَائِعَ، وَاسْقِ الظَّمْآنَ، وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ، وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ، فَإِنْ لَمْ تُطِقْ ذَلِكَ، فَكُفَّ لِسَانَكَ إِلَّا مِنَ الْخَيْرِ "[34]

ومن الصدقة الجارية الصدقة عن الميت :_وهي من مصادر تمويل العمل الخيري ما يتصدق به الأحياء عن الموتى ، وهذا شائع في كثير من بلاد المسلمين ، وله دليله من السيرة النبوية العطرة ، فَعَنْ أَنَسٍ، أَنَّ سَعْدًا أَتَى النَّبِيَّ ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ أُمِّي تُوُفِّيَتْ، وَلَمْ تُوصِ، أَفَيَنْفَعُهَا أَنْ أَتَصَدَّقَ عَنْهَا ؟ قَالَ: «نَعَمْ، وَعَلَيْكَ بِالْمَاءِ» [35]، وعَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ، أَنَّ أُمَّهُ مَاتَتْ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ أُمِّي مَاتَتْ فَأَتَصَدَّقُ عَنْهَا؟ قَالَ: " نَعَمْ ". قَالَ: فَأَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: " سَقْيُ الْمَاءِ " قَالَ : فَتِلْكَ سِقَايَةُ آلِ سَعْدٍ بِالْمَدِينَةِ [36].

ويمكن أن تتعدد صور الصدقة عن الميت : مثل وضع المبردات في الشوارع كما أسلفت ، وعمل مظلة ليستظل الناس بها في الحر الشديد ، وشراء مصاحف. ووضعها في المساجد ، ووضع مصابيح في الطرقات أو على أبواب البيوت لتضيء للمارة وتمنع اللصوص ، قال الشيخ القرضاوي : " هذه الصدقة عن الميت من أهله وأولاده غير الصدقة الجارية التي يخرجها المرء من ماله في حياته ، وغير الوصية التي يوصي بها ، وكلها تشكل موارد للعمل الخيري "[37]

3- الزكـــــــــاة :

هي الفريضة التي أوجبها الله تعالى على القادرين بمقدار معلوم ، وانما أخرتها لأن الذين يؤدونها قلة اذا قيسوا بعموم الأمة ، وتهتم بعض المؤسسات الرسمية بها وتقوم بجمعها مثل مشيخة الأزهر بمصر ، التي أنشأت (بيت الزكاة) ، وتقوم على توزيعها في مصارفها الشرعية ، وكذلك تتلقى الجمعيات الخيرية الزكاة وتنفقها على المستحقين لها .

رابعا : نماذج مشرقة للعمل الخيري من العصر النبوي :

1- أبو بكر :

يستحق أبو بكر لقب رجل البر والاحسان بلا ريب ، وبدون منازع ، انه نموذج فريد من نوعه ، بشهادة النبي له ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ : «مَنْ أَصْبَحَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ صَائِمًا؟» قَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَا، قَالَ: «فَمَنْ تَبِعَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ جَنَازَةً؟» قَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَا، قَالَ: «فَمَنْ أَطْعَمَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ مِسْكِينًا؟» قَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَا، قَالَ: «فَمَنْ عَادَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ مَرِيضًا؟» قَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَا اجْتَمَعْنَ فِي امْرِئٍ، إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ»[38] .

ويظل أبو بكر سباقا لا يلحق به قرناؤه ومنافسوه ، باعتراف أعز أصدقائه وأقربهم منه عمر بن الخطاب رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ الذي يقول : " أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ يَوْمًا أَنْ نَتَصَدَّقَ، فَوَافَقَ ذَلِكَ مَالًا عِنْدِي، فَقُلْتُ: الْيَوْمَ أَسْبِقُ أَبَا بَكْرٍ إِنْ سَبَقْتُهُ يَوْمًا، فَجِئْتُ بِنِصْفِ مَالِي، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ : «مَا أَبْقَيْتَ لِأَهْلِكَ؟»، قُلْتُ: مِثْلَهُ، قَالَ: وَأَتَى أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بِكُلِّ مَا عِنْدَهُ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ : «مَا أَبْقَيْتَ لِأَهْلِكَ؟» قَالَ: أَبْقَيْتُ لَهُمُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ، قُلْتُ: لَا أُسَابِقُكَ إِلَى شَيْءٍ أَبَدًا [39].

2- عمر بن الخطاب :

لقد كان لعمر رضي الله عنه من المناقب والحسنات ما يعلي منزلته ويؤهله لأن يكون في الصف الأول من أهل البر والاحسان بكل صورهما ، وها هو يبتكر صورة من صور الصدقة الجارية التي يظل خيرها مستمرا حتى بعد موت صاحبها ، ألا وهو الوقف الخيري ، قال ابْنِ عُمَرَ: أَصَابَ عُمَرُ أَرْضًا بِخَيْبَرَ، فَأَتَى النَّبِيَّ ρ ، فَاسْتَأْمَرَهُ فِيهَا، فَقَالَ: أَصَبْتُ أَرْضًا بِخَيْبَرَ، لَمْ أُصِبْ مَالًا قَطُّ أَنْفَسَ عِنْدِي مِنْهُ، فَمَا تَأْمُرُ بِهِ؟ قَالَ: " إِنْ شِئْتَ حَبَسْتَ أَصْلَهَا وَتَصَدَّقْتَ بِهَا "

قَالَ: فَتَصَدَّقَ بِهَا عُمَرُ: " أَنْ لَا تُبَاعَ، وَلَا تُوهَبَ، وَلَا تُوَرَّثَ "، قَالَ: فَتَصَدَّقَ بِهَا عُمَرُ: " فِي الْفُقَرَاءِ، وَالْقُرْبَى، وَالرِّقَابِ، وَفِي سَبِيلِ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى، وَابْنِ السَّبِيلِ وَالضَّيْفِ، لَا جُنَاحَ عَلَى مَنْ وَلِيَهَا أَنْ يَأْكُلَ مِنْهَا بِالْمَعْرُوفِ، أَوْ يُطْعِمَ صَدِيقًا، غَيْرَ مُتَأَثِّلٍ فِيهِ " [40]

وهذا الوقف الخيري صار نظاما من أنظمة المـ..تمع الاسلامي ، ووقف المتيسرون نصيبا من أموالهم أو عقاراتهم لأعمال الخير ، " وقد كانت هذه الأوقاف من السعة والضخامة والتنوع بحيث صارت مفخرة للنظام الاسلامي ، وأسبح الفقراء والمحرومون يجدون من تكاياهم ما يقيهم من الجوع والعري ، ومن مستشفياتهم المجانية ما يعالجون به الأمراض والأوصاب ، ومن سبلها وربطها ما يعينهم على الأسفار وقطع المفاوز والقفار " [41]. ولاتزال في الدول الاسلامية وزارات للأوقاف ، تقوم برعايتها والانفاق منها في وجوه الخير ، ولاسيما عمارة المساجد .

3. أبو طلحة [42]:

هو زيد بن سهل بن الأسود الأنصاريّ الخزرجي ، كان من فضلاء الصّحابة، وهو زوج أم سليم ، أم أنس بن مالك ، وقد عرف عن أبي طلحة حبه للخير ، والمسارعة في الخيرات ، ومن المواقف العظيمة له ما رواه أَنَسَ قال : كَانَ أَبُو طَلْحَةَ أَكْثَرَ أَنْصَارِيٍّ بِالْمَدِينَةِ مَالاً مِنْ نَخْلٍ. وَكَانَ أَحَبَّ أَمْوَالِهِ إِلَيْهِ بِيرَحَاءَ . وَكَانَتْ مُسْتَقْبِلَةَ الْمَسْجِدِ. وَكَانَ رَسُولُ اللهِ يَدْخُلُهَا وَيَشْرَبُ مِنْ مَاءٍ فِيهَا طَيِّبٍ. قَالَ أَنَسٌ: فَلَمَّا أُنْزِلَتْ هذِهِ الآيَةُ: {لَن تَنَالُوا البِرَّ حَتَّى تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ} [آل عمران 92] قَامَ أَبُو طَلْحَةَ إِلَى رَسُولِ اللهِ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ: {لَن تَنَالُوا البِرَّ حَتَّى تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ} وَإِنَّ أَحَبَّ أَمْوَالِي إِلَيَّ بِيرَحَاءَ. وَإِنَّهَا صَدَقَةٌ للهِ. أَرْجُو بِرَّهَا وَذُخْرَهَا عِنْدَ اللهِ. فَضَعْهَا يَا رَسُولَ اللهِ، حَيْثُ شِئْتَ. قَالَ: فَقَالَ رَسُولُ اللهِ: «فبَخٍ. ذلِكَ مَالٌ رَابِحٌ . ذلِكَ مَالٌ رَابِحٌ. وَقَدْ سَمِعْتُ مَا قُلْتَ فِيهِ. وَإِنِّي أَرَى أَنْ تَجْعَلَهُ فِي الأَقْرَبِينَ». فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ: أَفْعَلُ يَا رَسُولَ اللهِ. فَقَسَمَهَا أَبُو طَلْحَةَ فِي أَقَارِبِهِ وَبَنِي عَمِّهِ.[43]

4. أبو الدحداح :

صحابي من الأنصار ، مات قبل وفاة النبي وصلى عليه رسول الله ، يقال نزل فيه قول

الله تعالى (فَأَمَّا مَنْ أَعْطى واتقى) أى أنفق ماله في سبيل الله [44]، ذكر ابن حجر أنه جرح بأحد، فقيل: مات بها، وقيل: عاش ثم انتقضت فمات بعد ذلك بمدة وهو الراجح [45]. ومن مناقبه رضي الله عنه أنه كانت عنده حديقة بها ستمائة نخلة ، تصدق بها كلها ، وقال لامرأته : اخْرُجِي فَقَدْ أَقْرَضْتُهُ رَبِّي ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ: {مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللهَ قَرْضًا حَسَنًا} [البقرة: 245]قَالَ أَبُو الدَّحْدَاحِ الْأَنْصَارِيُّ: يَا رَسُولَ اللهِ، وَإِنَّ اللهَ لَيُرِيدُ مِنَّا الْقَرْضَ؟ قَالَ: " نَعَمْ يَا أَبَا الدَّحْدَاحِ " قَالَ: أَرِنِي يَدَكَ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: فَتَنَاوَلَ يَدَهُ، قَالَ: فَإِنِّي قَدْ أَقْرَضْتُ رَبِّي حَائِطِي قَالَ: وَحَائِطُهُ فِيهَا سِتّمِائَةِ نَخْلَةٍ، وَأُمُّ الدَّحْدَاحِ فِيهِ وَعِيَالُهَا،

قَالَ: فَجَاءَهَا أَبُو الدَّحْدَاحِ فَنَادَاهَا: يَا أُمَّ الدَّحْدَاحِ، فَقَالَتْ: لَبَّيْكَ، فَقَالَ: اخْرُجِي فَقَدْ أَقْرَضْتُهُ رَبِّي [46]

خامسا : أثر الأعمال الخيرية في التنمية الشاملة :

1- تبعث على الحب والخير ولا سيما العمل الجماعي ، والأعمال الخيرية لا حدود لها ، والمجتمع المسلم في أمس الحاجة إلى تعاون الأفراد والجماعات لسد تلك الحاجات ، ومن الأعمال الخيرية المطلوبة التي يجب العناية بها تنظيم عملية ذبح الأضاحي ، نظرا لصعوبتها وصعوبة تجميع العدد اللازم ، تقوم الجمعيات بتسهيل هذه المهمة ، بحيث يشترك كل سبعة في ذبيحة (بقرة أو جاموسة) ، ويقوم المتطوعون بذبحها وتقسيم الأنصبة وتوزيعها ، وأيضا بجمع جلود الأضاحي ، ذلك لأن كثيرا من المسلمين لا يستطيعون الانتفاع بها ، ولا يصح أن يأخذها الجزار ، لذا يقوم عنهم بهذه المهمة أشخاص ذوو خبرة وممارسة ، ويبيعونها وينفقون ثمنها في وجوه الخير المشروعة ، وكذلك كسوة الشتاء (البطاطين والملابس) ، ودفع المصروفات المدرسية للتلاميذ غير القادرين من باب نشر العلم ومعونة الفقير .

2- العمل الخيري ضرورة لحل المشكلات التي يصعب على الحكومات أن تنهض بها أو تضع لها حلولا مرضية ، ومن مصلحتها الحث على هذه الأعمال الاجتماعية التي تكون بمثابة اليد البناءة لا المعول الهدام .

3- يجب تكريم من يقومون بفعل من أفعال الخير ومكافأة المتطوعين : وقد وضع

النبي الكريم الأسس لاحترام من يقوم بعمل خيري وخاصة أنه بلا مقابل ، فهذه امرأة فقيرة من الأنصار لا يعرف اسمها ، كانت تقُمُّ المسجِد (تكنسه) ، ولاحظ رسول الله انقطاعها عن المسجِد فعلم أنها مريضة ، ثم سأل عنها فعلم أنها ماتت ولم يخبروه لأنهم ظنوا أن أمرها هين لا يعني شيئا بالنسبة لرسول الله ، لكنه يسأل عن قبرها ويصلي عليها تكريما لها ، فهذا أرفع وسام للمرأة المجهولة ، التي وهبت جهدَها لبيت الله . يروي أَبو هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَجُلًا أَسْوَدَ أَوِ امْرَأَةً سَوْدَاءَ كَانَتْ تُنْقِي الْأَذَى مِنَ الْمَسْجِدِ فَدُفِنَتْ، فَلَمْ يُؤْذِنُوا النَّبِيَّ فَأُخْبِرَ بِذَلِكَ النَّبِيُّ فَقَالَ: «دُلُّونِي عَلَى قَبْرِهَا» فَانْطَلَقَ إِلَى الْقَبْرِ فَأَتَى عَلَى الْقُبُورِ فَقَالَ: «إِنَّ هَذِهِ الْقُبُورَ مُمْتَلِئَةٌ عَلَى أَهْلِهَا ظُلْمَةً، وَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يُنَوِّرُهَا عَلَيْهِمْ بِصَلَاتِي» ثُمَّ أَتَى الْقَبْرَ فَصَلَّى عَلَيْهِ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ أَبِي، أَوْ أَخِي مَاتَ وَدُفِنَ فَصَلِّ عَلَيْهِ، قَالَ: فَانْطَلَقَ رَسُولُ اللَّهِ مَعَ الْأَنْصَارِيِّ .[47]

ويمكن اقتداء بهذا العمل الكريم من نبي الأمة أن يمنح المتطوعون شهادات تقدير ، وشهادات مشاركة أو خبرة ، ومكافآت مالية ولو كانت رمزية ، وعمل لوحة شرف تنشر فيها أسماؤهم ، وإطلاق أسمائهم على المشروعات الخيرية الكبرى التي كان لهم فضل تأسيسها أو الإسهام فيها بنصيب وافر ، كالمستشفيات والمدارس والجامعات ، أو الشوارع والميادين العامة ، فإنها تشجعهم على المزيد من الأعمال التطوعية ، وتحفز الآخرين ليتخذوهم مثلا أعلى وقدوة .

4- أن يتعود المسلمون القيام بالواجبات ، يقول مالك بن نبي : " أتعجب من عبث هذه الشبيبة التي تقضي يومها بمقهى (باهي) تخطب، أليس من الأجدى أن تتجند للقيام بأي أمر إيجابي حتى تتكون عندها روح الخدمة والتضحية؟ ... فلو تحركت همة بعض الشبان في تنظيف المكان، لتحركت همم أخرى بجمع المال ولتقدم البناؤون للعمل الخيري بالمجان. وإذن لتبين لهذا الشباب أن السياسة الحقيقية التي تغير وجه الأشياء ووضع الشعب، ليست في المطالبة بحق، ولكنها في القيام بالواجب "[48].

5- من ثمار العمل الخيري وآثاره خلق المواطن الصالح ، " ولا يكون المواطن صالحا حتى تكون له هموم اجتماعية تتجاوز مصالحه الشخصية [49] ، وللأسف بعض المسلمين يضيقون بأعمال الخير ، وتبرّمون ممن يقوم بها ، لدرجة أن منهم من لا يرى للأضحية أهمية ولا ضرورة ، ويشترى لحما ويأكله ، ولا ينفع به الآخرين ، ولا يعطي من هذا اللحم الفقراء ، ويضن عليهم بما أفاء الله عليه ، فلا هو معنيٌّ باقامة الشعيرة ، ولا باطعام المساكين ، ومن سوء الأدب ، وفساد البيوت والذمم .

6- العمل الخيري وسيلة من وسائل التربية والإيمان ،لذا يوجه الشيخ محمد البهي رحمه الله نقدا إلى جمعية الشبان المسلمين بالقاهرة ، قائلا : " هي تقليد لجمعيات الشباب المعروفة من قبل عند غيرنا في جانب، وابتعاد عنها في أهم جانب من جوانب رسالتها، تقلدها في ممارسة الرياضة، ولكنها لا تقلدها في جعل الرياضة وسيلة من وسائل التربية والإيمان، كما تفعل جمعيات الشباب الأخرى. أما ما يلقى فيها من محاضرات، أو يعقد فيها من ندوات، فينقص هذه وتلك عنصر الجدية وحرارة الإيمان

الخاتمة

أختم بحثي ببعض النتائج التي أرى ضرورة الاهتمام بها والالتفات اليها ، وهي من وحي قراءتي لسيرة الرسول ρ ونظري في سلوكه وهديه :

نحن في حاجة إلى فقهٍ للواقع لإنقاذ العالم الإسلامي من همومه ومشكلاته ، وترسيخ ثقافة العمل الخيري من أهم واجبات تلك المرحلة التي يمر بها العالم الاسلامي

.ضرورة أن يعلم المسلمون أن نهضة هذا الدين لا تكون إلا ببذل المال والجهد والوقت ، والتضحية بكل رخيص ونفيس .

من شروط العمل الخيري :

- التجرد : والبعد عن الأهواء السياسية والانتماءات الحزبية ، حتى يكون خالصا لوجه الله الكريم .
- الاخلاص : وكم من الذين يقومون بأعمال خيرية يثبت عدم نزاهتهم ، وبعضهم يتهم باختلاس المال ، أو
- أن يكون تحت مظلة الحكومات الاسلامية الرشيدة ، ما لم تكن تحض على منكر أو تنهى عن معروف .

- ضرورة التدريب : لأن العمل الخيري في هيآته وجمعياته ولجانه كثيرا ما يقوم عليه أناس لا تنقصهم الغيرة ولا الحماس لكنهم غير مخصصين، ولا دربوا التدريب الكافي على هذا الباب المهم من أبواب العمل الإسلاميّ، إلا قليلاً منهم .[50]

وأسأل الله عز وجل أن يتقبل هذا العمل ، ويجعله خالصا لوجهه الكريم ، وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

هوامش

1 - البقرة،2: 148

2 - الحج،22: 77 .

3 - عبد الكريم بكار، د،ثقافة العمل الخيري ،، دار السلام للطباعة والنشر والتوزيع والترجمة ، القاهرة ،: 12

4 - أحمد بن حنبل ، أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيباني (المتوفى: 241هـ)، مسند الإمام أحمد بن حنبل، تحقيق: شعيب الأرنؤوط - عادل مرشد، وآخرون ، مؤسسة الرسالة ،ط 1 ، 1421 هـ - 2001 م ، 19025 ، 31 : 470 .

5 - الطبراني ،أبو القاسم سليمان بن أحمد بن أيوب (المتوفى: 360هـ) ، المعجم الكبير، تحقيق: حمدي بن عبد المجيد السلفي ، القاهرة ،مكتبة ابن تيمية ، رقم 499 ، 23 :247

6 - مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشيري النيسابوري (المتوفى: 261هـ) ، صحيح مسلم ، تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي ،بيروت، دار إحياء التراث العربي ، رقم 2982 ، 4 : 2286 ؛ محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي ، صحيح البخاري، تحقيق: محمد زهير بن ناصر الناصر ، دار طوق النجاة (مصورة عن السلطانية بإضافة ترقيم محمد فؤاد عبد الباقي) ، الطبعة: الأولى، 1422هـ ، رقم 5353 ، 7 : 62 ؛ أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني (المتوفى: 241هـ) ، مسند الإمام أحمد بن حنبل ،تحقيق: شعيب الأرنؤوط - عادل مرشد، وآخرين ، مؤسسة الرسالة ،ط 1 ، 1421 هـ - 2001 م ، رقم 8732 ، 14 :346 .

7 - أبو الفرج ،علي بن إبراهيم بن أحمد الحلبي ،السيرة الحلبية (إنسان العيون في سيرة الأمين المأمون) ، بيروت ،دار الكتب العلمية ، ط 2 - 1427ه ، 1 :312- .

8 - المرجع السابق 1 :170

9 - ، أبو داود سليمان بن الأشعث ، بن إسحاق بن بشير بن شداد بن عمرو الأزدي السِّجِسْتاني (المتوفى: 275هـ) ،أخرجه مسلم في كتاب الفضائل برقم (2369) ، تحقيق: محمد محيي الدين عبد الحميد ، صيدا – بيروت، المكتبة العصرية؛ الترمذي ،محمد بن عيسى بن سَوْرة بن موسى بن الضحاك، (المتوفى: 279هـ) ، كتاب السنة برقم (4672) ، تحقيق: بشار عواد معروف ،بيروت، دار الغرب الإسلامي ، 1998 م ، برقم (3352) .

10 - أبو عبد الله محمد بن عبد الباقي الزرقاني المالكي (المتوفى: 1122هـ) ، شرح الزرقاني على المواهب اللدنية بالمنح المحمدية ،دار الكتب العلمية ، 1417هـ-1996م، 4 : 230

11 - محمد حسين هيكل ،حياة محمد صلى الله عليه وآله وسلم ، :205

12 - محمد علي اللاهوري ،حياة محمد ورسالته ، ترجمة : منير بعلبكى (ت 1420 هـ)،بيروت ،دار العلم للملايين ، ط 2 ، 1390 هـ ، : 252

13 - محمد الغزالي السقا ،فقه السيرة ، دمشق ، دار القلم ، ط 1، 1427 هـ ، :436
14 - د.يوسف القرضاوي، أصول العمل الخيري ، ، دار الشروق ، القاهرة ، ط 2 ، 2008م .،: 86
15 - الطبراني ،لأبي القاسم سليمان بن أحمد بن أيوب (المتوفى: 360هـ) ، المعجم الأوسط، تحقيق: طارق بن عوض الله بن محمد , عبد المحسن بن إبراهيم الحسيني ، – القاهرة ،دار الحرمين ، د ت ، 9292 ، 9 : 117
16 - البيهقي ,لأبي بكر أحمد بن الحسين بن علي (المتوفى: 458هـ), شعب الايمان ، تحقيق د..عبد العلي عبد الحميد حامد ، مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض بالتعاون مع الدار السلفية ببومباي بالهند ، الطبعة: الأولى، 1423 هـ - 2003 م ، رقم 8827 ، 11 : 456 .
17 - السابق رقم 9146 ، 12 :123
18 الأصبهاني, أبو نعيم أحمد بن عبد الله بن أحمد (المتوفى: 430هـ) , حلية الأولياء وطبقات الأصفياء ، مصر، مطبعة السعادة ، 1394هـ - 1974م ، 1 : 341 .
19 - صحيح البخاري رقم 6452 ، 8 :96
20 - مسند الإمام أحمد بن حنبل ، 21676 ، 36 : 10 ،ابن ما جة،أبو عبد الله محمد بن يزيد بن ماجة القزويني ،(المتوفى: 273هـ) ، سنن ابن ماجه ، تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي ، دار إحياء الكتب العربية - فيصل عيسى البابي الحلبي ، 1746 ، 1 : 555
21 - للطبراني ,المعجم الأوسط ، رقم 7529 ، 7 : 292 . شعب الايمان ، رقم 7254 ، 10 : 116
22 - مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم 2216 ، 4 :92
23 - سنن ابن ماجه ، رقم 242 ، 1 : 88 ، للبيهقي ،وشعب الإيمان ، 5 : 121، وصحيح ابن خزيمة ، أبو بكر محمد بن إسحاق بن خزيمة بن المغيرة بن صالح بن بكر السلمي النيسابوري (المتوفى: 311هـ) ، تحقيق: د. محمد مصطفى الأعظمي ، المكتب الإسلامي – بيروت ، رقم 2400 ، 4 :121 .
24 - صحيح البخاري رقم 2693 ، 3: 183
25 - أبو حفص عمر بن أحمد بن عثمان البغدادي المعروف بـابن شاهين (المتوفى: 385هـ) الترغيب في فضائل الأعمال وثواب ذلك ، تحقيق: محمد حسن محمد حسن إسماعيل ، بيروت ، لبنان ،دار الكتب العلمية، ط 1، 1424 هـ - 2004 م ، رقم 503 ،: 145
26 - شعب الإيمان 13 : 425
27 - مسند الإمام أحمد بن حنبل ، 12981 ، 20 : 296
28 - د.يوسف القرضاوي ،أصول العمل الخيري ،: 89
29 - مسند الإمام أحمد بن حنبل ، رقم 19174 ، 31 : 509 ، وأخرجه مسلم (1017) (69) [2060/4]
30 - التكاثر،102: 8
31 - مسند الإمام أحمد بن حنبل ، رقم 8844 ، 14 :438 والبخاري في "الأدب المفرد" (38) ، ومسلم (1631) (14) ، وأبو داود في "السنن" 221:10، والترمذي (1376)
32 - سنن ابن ماجه ، رقم 242 ، 1 : 88 ، وصحيح ابن خزيمة : رقم 2400 ، 4 : 121 ، وشعب الإيمان : 5 : 121
33 - د.يوسف القرضاوي ,أصول العمل الخيري ،: 112
34 - مسند الإمام أحمد بن حنبل : 18647 ، 30 : 600 .
35 - ا للطبراني ،لمعجم الأوسط، رقم 8061 ، 8 : 91
36 - مسند الإمام أحمد بن حنبل ، 22459 ، 17 :124 ، أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (المتوفى: 303هـ) السنن الكبرى : ، تحقيق : حسن عبد المنعم شلبي ، مؤسسة الرسالة ، بيروت ، ط 1، 1421 هـ - 2001 م ، رقم 6458 ، 6 : 166.
37 - أصول العمل الخيري ،: 112
38 - صحيح مسلم ، 87 (1028) ، 2 : 713

39 - سنن أبي داود : رقم 1678 ، 2 :129 ، سنن الترمذي : رقم 3675 6 : 56 ، المجالسة وجواهر العلم :أبو بكر أحمد بن مروان الدينوري المالكي (المتوفى : 333هـ) ، تحقيق : أبي عبيدة مشهور بن حسن آل سلمان ، الناشر : جمعية التربية الإسلامية (البحرين - أم الحصم) ، دار ابن حزم ، بيروت ، لبنان ، 1419هـ ، رقم 2239 ، 5 : 383 ، مسند الفاروق أمير المؤمنين أبي حفص عمر بن الخطاب رضي الله عنه : أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي البصري ثم الدمشقي (المتوفى: 774 هـ) ، تحقيق: إمام بن علي بن إمام ، دار الفلاح، الفيوم ، مصر ، ط 1 ، 1430 هـ - 2009 م . رقم 248 ، 1 : 394

40 - مسند الإمام أحمد بن حنبل ، رقم 4608 ، 8 :217 .والبخاري برقم (2737) ، ومسلم (1632) ، وأبو داود (2878) ، والنسائي فى " السنن الكبرى" (6427) ، وابن ماجه (2396) .

41 - يوسف القرضاوي ،أصول العمل الخيري ،: 113

42 - ابن حجر العسقلاني أحمد بن علي بن محمد بن ،،الإصابة في تمييز الصحابة (المتوفى: 852هـ) ، تحقيق: عادل أحمد عبد الموجود وعلى محمد معوض ، دار الكتب العلمية – بيروت ، ط 1 ، 1415 هـ ، رقم 2915 ، 2 : 502

43 - مالك بن أنس بن مالك بن عامر الأصبحي المدني (المتوفى: 179هـ) ، الموطأ ،تحقيق: محمد مصطفى الأعظمي ، مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان للأعمال الخيرية والإنسانية - أبو ظبي – الإمارات ، 1425 هـ - 2004 م . رقم 3652، 5 :1448 ، مسند الإمام أحمد بن حنبل رقم 12438 ، 19 : 427 ، صحيح البخاري 1461 ، شعب الايمان 3176 .

44 - :يحيى بن أبى بكر بن محمد بن يحيى العامري الحرضي (المتوفى: 893هـ) ، بهجة المحافل وبغية الأماثل في تلخيص المعجزات والسير والشمائل ،دار صادر – بيروت ، 1 : 94

45 -: لابن حجر العسقلاني، الإصابة في تمييز الصحابة ، 7: 101 .

46 - بيهقي,شعب الايمان ، رقم 3178 ، 5 : 125 ، وانظر : المقصد العلي في زوائد أبي يعلى الموصلي ، أبو الحسن نور الدين علي بن أبي بكر بن سليمان الهيثمي (المتوفى: 807هـ) ، تحقيق: سيد كسروي حسن ، بيروت – لبنان ،دار الكتب العلمية، رقم 1425 ، 4 : 230 ، بَابٌ: فِي مَنَاقِبِ أَبِي الدَّحْدَاحِ ، وانظر أيضا : موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان : أبو الحسن نور الدين علي بن أبي بكر بن سليمان الهيثمي (المتوفى: 807هـ) ، تحقيق: محمد عبد الرزاق حمزة ، الناشر: دار الكتب العلمية ، رقم 2271 ،: 564 . - بَاب فضل أبي الدحداح

47 - مسند أبي داود : رقم 2568 ، 4 ، 194 ، صحيح البخاري رقم 460 ، ومسند الإمام أحمد بن حنبل رقم 9037 ، 15 / 14

48 - مالك بن نبي ،مذكرات شاهد للقرن ، دمشق، دار الفكر، سورية ، ط 2 ، 1404هـ - 1984م ، : 389

49 - الدكتور عبد الكريم بكار ،ثقافة العمل الخيري، : 58

50 - ا مُحَمَّد بن حَسَن بْن عَقيل مُوسَى الشَّرِيْف ،لتدريب وأهميته في العمل الإسلامي ، جدة - المملكة ،دار الأندلس الخضراء للنشر والتوزيع، العربية السعودية ، ط 4 ، 1424 هـ - 2003 م ،: 11

شرح " بعض الناس"المذكور في الجامع الصحيح للبخاري
مطالعة تحقيقيّة-باب الزكوة

*عمير دين

** آسيہ رشيد

Abstract

Hadith is the second primary source of Shariah and Islam. In literally it means‘‘to talk” something. In terminological it means “saying, action and deeds, and silent approval by the Prophet Hazrat Muhammad S.A.W of the action or practice of his companion”. From the age of Holy Prophet Hazrat Muhammad S.A.W to the third century many people compiled Ahadith in various forms. One of them is Al Jami,a- Al-Sahih which is written by Imam Muhammad Bin Ismail Al Bukhari R.A. It is also the first book in the chain of six most authentic books of Ahadith, which are known as Siha-e-Sittah (**صحاح سته**) .It contains various aspects of Islam such as: beliefs, organs of Islam, social aspects, economical aspects, history and life of prophets. It has its own significance because of its methodology. With the narration of Ahadith the compiler narrates views of different scholars related the topic and sometime narrates his own views. Spiritually it is beneficial for reader.

Imam Bukhari R.A describes a term “Baad-Al-Naas”(**بعد الناس**) at twenty seven places in different chapters of his book. The objective of this research is to explain the views of Imam Bukhari about “Baad-Al-Naas”(**بعد الناس**) mentioned in the chapter of zakat. This term is described three times in the above mentioned chapter.

Key words: Al Jami, a-Al Sahih -Al Bukhari, Siha-e-Sittah, “Baad-Al-Naas”(بعد الناس) , Chapter of Zakat

تعارف المؤلف الجامع الصحيح

هوامير المومنين في الحديث،ابو عبدالله،محمد بن اسماعيل بن ابراهيم بن المغيره بن بردزبه،[1]كان جده بردزبه فارسيا ومات علي المجوسية،ومن ابائه اسلم المغيرةعلي يد اليمان الجعفي والي بخارىٰ، كما قال القسطلاني: كان بردزبه فارسيًا، ثم أسلم ولده المغيرة على يد اليمان الجعفي والي بخارى،[2]واما جده ابراهيم فلم نقف علي شيء من اخباره،[3]واما ابوه اسماعيل فكان عالما جليلا،وقد جمع والده الى العلم والوري، وروي عنه انه قال عند وفاته "لا اعلم في مالي درهما في حرام ولا في شبهة"[4]

هذا القول منه يدل علي ورعه و ديانته وكمال ايمانه،فلا عجب ان ورث هذه الخلال الكريمة فيما ورث عن ابيه۔ الامام البخاري۔ رحمه الله-ولد يوم الجمعة

*طالب الدكتوراه،كلية شيخ زايدالمركزالاسلامي،بجامعة بنجاب، لاهور

** استاذه مساعده،للدراسات الاسلامية،بجامعة نمل، لاهور

ثلاث عشرة من شوال،سنة أربع وتسعين ومائة بخارا۔[5]توفی ابوه وكان طفل،كفلته امه وهي امراة صالحة قانتة،ذهبت عيناه في صغره وامه محزونة و كانت تدعو له فرات براهيم عليه السلام يوما في المنام فاصبحت وهو صحيح،كما في فتح الباري: "أَن محمدبن إِسماعيل ذهبت عيناه فِي صغره فرأت والدته الْخليل إِبْراهيم فِي الْمنام فقال لها يَا هَذِه قد رد الله على ابْنك بصره بكثرة دعائك له قال فَأصْبح وَقد رد الله عَلَيْهِ بصره۔"[6]

و فرحت امه بذلك۔فرزقه الله قلبا واعيا وحافظة قوية فلمابلغ العاشرة من عمره وهو حريص علي حفظ الاحاديث فحفظ كثيرا من الاحاديث، واختار مجالس العلماء،قيل انه حفظ سبعين الفا حديث في صغره۔روي:

"أنه كان ينظر في الكتاب مرة واحدة فيحفظ ما فيه من نظرة واحدة. وقال محمد بن أبي حاتم وراقه سمعت حاشد بن إسماعيل وآخر يقولان كان البخاري يختلف معنا إلى السماع وهو غلام فلا يكتب حتى أتى على ذلك أيام، فكنّا نقول له، فقال: إنكما قد أكثرتما عليّ فاعرضا عليّ ما كتبتما فأخرجنا إليه ما كان عندنا فزاد ذلك على خمسة عشر ألف حديث فقرأها كلها عن ظهر قلبه حتى جعلنا نحكم كتبنا من حفظه۔"[7]

لما قدم البخاري ببغداد اختبره علماء الحديث،فاعطوه مائة حديثا وغيرومتونهم واسانيدهم،و دفعوا الي كل واحد عشرحديثا،لماسمع الامام البخارى الاحاديث كلها،فالتفت الي كل واحد منهم و قرء عليه الاحاديث المغيرة اولا والصحيحة ثانيا،فعجبوامن ذلك،قال الحافظ ابن حجر

" هنايخضع للبخاري،فماالعجب من رده الخطا الي الصواب،فانه كان حافظا، بل العجب من حفظه للخطاعلي ترتيب ما القوه عليه من مرة واحدة"[8]

ومن فضل الله علي هذا الامام ان جميع ائمة عصره قدعرفوافضله وعظموه،فاثنواعليه الثناءالطيب۔ وكان في عهدالتابعين شغف كثير في طلب العلم والحديث،حتي ربما يكون في بلد واحدالوف من طلاب الحديث،قال محمد بن سيرين قدمت الكوفة وبهااربعة الاف يطلبون الحديث [9]ابتدا البخاري من مكة مع امه واخيه،قال البخاري:دخلت الي الشام،ومصر والجزيرة مرتين،و الي البصرة اربع مرات،واقمت بالحجازستة اعوام،ولااحصي كم دخلت الي الكوفة وبغداد مع المحدثين [10]فمات ليلة السبت ليلة عيد الفطر سنة ست وخمسين ومائتين عن اثنتين وستين سنة إلا ثلاثة عشر يوما"[11]

قال عبد الواحد بن آدم الطواويسي: رأيت النبي -صلى الله عليه وسلم- ومعه جماعة من أصحابه وهو واقف في موضع فسلمت عليه فرد علي السلام فقلت: ما وقوفك هنا يا رسول الله؟ قال أنتظر محمد بن إسماعيل، قال فلما كان بعد أيام بلغني موته فنظرت فإذا هو في الساعة التي رأيت فيها النبي -صلى الله عليه وسلم[12] رحمه الله رحمة واسعة،فالف كتابه المشهور وسمي كتابه "الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - وسننه وأيامه".[13]الجامع الصحيح اعظم من تاليفه، التزم فيه الصحة،وقد صح عنه انه قال"مادخلت في الجامع إلا ما صح"[14] في وجه

التاليف اقوال، الاولي:

قال البخارى، رحمه الله: كنت عند إسحاق بن راهوية، فقال لنا بعض أصحابنا: لو جمعتم كتابًا مختصرًا فى الصحيح لسنن رسول الله ﷺ -، فوقع ذلك فى قلبى، وأخذت فى جمع هذا الكتاب. والثانية:عنه قال: رأيت النبى - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فى المنام، وكأنى واقف بين يديه، وبيدى مروحة أذب عنه، فسالت بعض المعبرين، فقال: أنت تذب عنه الكذب، فهو الذى حملنى على إخراج الصحيح. وروينا عنه، قال: ما أدخلت فى كتاب الجامع إلا ما صح، وتركت من الصحاح طحال القول،[15]

نذكر هنا رواية عبدالقدوس،"عن عبد القدوس بن همام، قال: سمعت عدة من المشايخ يقولون: حول البخارى تراجم جامعه بين قبر النبى ﷺ - ومنبره، وكان يصلى لكل ترجمة ركعتين. فإنه بقى فى تصنيفه ست عشرة سنة كما سبق."[16]

أبو زيد المروزي يقول كنت نائما بين الركن والمقام فرأيت النبي صلى الله عليه وسلم في المنام فقال لي يا أبا زيد إلى متى تدرس كتاب الشافعي ولا تدرس كتابي

فقلت يا رسول الله وما كتابك قال جامع محمد بن إسماعيل[17]

يقول امام الهند الإمام الأجلّ شاه ولي الله الدهلوي ؒ في كتابه حجة الله البالغة: أما الصحيحان فقد اتفق المحدثون على أن جميع ما فيهما من المتصل المرفوع صحيح بالقطع، وأنهما متواتران إلى مصنفيهما، وأنه كل من يهون أمرهما فهو مبتدع متبع غير سبيل المؤمنين.[18]

هذه الشهادة تدلّ علي افضلية الجامع الصحيح البخاري علي جميع الكتب،عدد أحاديث صحيح البخاري سبعة آلاف ومائتان وخمسة وسبعون بالأحاديث المكررة قال وقيل إنها بإسقاط المكرر أربعة آلاف[19] هذه نبذة من ذكر البخاري وكتابه،والآن نذكر موضوعناوهوالحيل في باب الزكوة من كتاب الحيل للبخاري،نشرع من احاديث الباب

الحديث الاول

عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ: أَنَّ أَعْرَابِيًّا جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَائِرَ الرَّأْسِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَخْبِرْنِي مَاذَا فَرَضَ اللَّهُ عَلَيَّ مِنَ الصَّلاَةِ؟ فَقَالَ: الصَّلَوَاتِ الخَمْسَ إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ شَيْئًا فَقَالَ: أَخْبِرْنِي بِمَا فَرَضَ اللَّهُ عَلَيَّ مِنَ الصِّيَامِ؟ قَالَ: شَهْرَ رَمَضَانَ إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ شَيْئًا قَالَ: أَخْبِرْنِي بِمَا فَرَضَ اللَّهُ عَلَيَّ مِنَ الزَّكَاةِ؟ قَالَ: فَأَخْبَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرَائِعَ الإِسْلاَمِ. قَالَ: وَالَّذِي أَكْرَمَكَ، لاَ أَتَطَوَّعُ شَيْئًا، وَلاَ أَنْقُصُ مِمَّا فَرَضَ اللَّهُ عَلَيَّ شَيْئًا. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " أَفْلَحَ إِنْ صَدَقَ، أَوْ: دَخَلَ الجَنَّةَ إِنْ صَدَقَ " وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ: فِي عِشْرِينَ وَمِائَةِ بَعِيرٍ حِقَّتَانِ، فَإِنْ أَهْلَكَهَا مُتَعَمِّدًا، أَوْ وَهَبَهَا، أَوِ احْتَالَ فِيهَا فِرَارًا مِنَ الزَّكَاةِ، فَلاَ شَيْءَ عَلَيْهِ.[20]

الحديث الثاني

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ: اسْتَفْتَى سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ الأَنْصَارِيُّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فِي نَذْرٍ كَانَ عَلَى أُمِّهِ، تُوُفِّيَتْ قَبْلَ أَنْ تَقْضِيَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اقْضِهِ عَنْهَا وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ: إِذَا بَلَغَتِ الإِبِلُ عِشْرِينَ فَفِيهَا أَرْبَعُ شِيَاهٍ، فَإِنْ وَهَبَهَا قَبْلَ الحَوْلِ أَوْ بَاعَهَا فِرَارًا وَاحْتِيَالًا لِإِسْقَاطِ الزَّكَاةِ، فَلاَ شَيْءَ عَلَيْهِ، وَكَذَلِكَ إِنْ أَتْلَفَهَا فَمَاتَ، فَلاَ شَيْءَ فِي مَالِهِ۔[21]

الحديث الثالث

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا مَا رَبُّ النَّعَمِ لَمْ يُعْطِ حَقَّهَا تُسَلَّطُ عَلَيْهِ يَوْمَ القِيَامَةِ، فَتَخْبِطُ وَجْهَهُ بِأَخْفَافِهَا وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ: " فِي رَجُلٍ لَهُ إِبِلٌ، فَخَافَ أَنْ تَجِبَ عَلَيْهِ الصَّدَقَةُ، فَبَاعَهَا بِإِبِلٍ مِثْلِهَا أَوْ بِغَنَمٍ أَوْ بِبَقَرٍ أَوْ بِدَرَاهِمَ، فِرَارًا مِنَ الصَّدَقَةِ بِيَوْمٍ احْتِيَالًا، فَلاَ بَأْسَ عَلَيْهِ وَهُوَ يَقُولُ: إِنْ زَكَّى إِبِلَهُ قَبْلَ أَنْ يَحُولَ الحَوْلُ بِيَوْمٍ أَوْ بِسِتَّةٍ جَازَتْ عَنْهُ۔[22]

هذه الاحاديث من كتاب الحيل في صحيح البخاري،كتاب الحيل يشتمل علي ثلاث ابواب،منها كتاب الزكوة،هنا امور

الامر الاول: الحيلة لغة واصطلاحا

الامر الثاني: اقسام الحيلة

الامر الثالث:الايرادات،الواردة علي بعض الناس ووضاحتها

الامر الاول:الحيلة لغة واصطلاحا:

الْحِيلَةُاسْمٌ مِنَ الِاحْتِيَالِ وَهُوَ مِنَ الْوَاوِيِّ [23] وَالْحِيلَةُ المكر فِي نظم الْأُمُورِ وَهُوَ تَقْلِيبُ الْفِكْرِ لحصول الْمَقْصُودِ[24] و قيل ايضا: (الْحِيلَة) الفطن، وجودة النّظر وَالْقُدْرَة على دقة،ووسيلة بارعة،وايضا:تصرف الشَّيْء عَن ظَاهره، لابْتِغَاء الْوُصُول إِلَى الْمَقْصُود [25] الحاصل الحيلة اسم من الإحتيال،جمعه حيل،معناه التصرف۔

الامر الثاني: اقسام الحيلة

- الحيلة علي اربعة اقسام

القسم الاول:فإن وصلت بها إلى إبطال حق، أو إثبات باطل، بطريق صحيح، حرام

القسم الثاني:فإن كان المقصود بها إثبات حق، أو دفع باطل، بطريق مباح،فهي واجبة، أو مستحبة

القسم الثالث:وإن كان الغرض بها السلامة من وقوع في مكروه، فهي مستحبة

القسم الرابع: وإن توصل بها بطريق مباح إلى ترك مندوب، فهي مكروهة۔[26]

الامر الثالث:الايرادات،الواردةعلي بعض الناس ووضاحتها

هذه ثلاث ايرادات في باب الزكاة علي بعض الناس الإيراد الأوّل:يقول البخاري قال بعض الناس:إن كان للرجل عشرين ومائة بعيرا،فعليها ابلان،فإن أهلكها قصدا، أو وهبها،أوإحتال لدفع الزكوة،فلا يجب عليه شئيء ، يقول البخاري رحمه الله :هذه إسقاط حقّ الله اي الزكاة بالحيلة، فهذا باطل،المراد ببعض الناس الحنفية،ومسئلة الخلافية إسقاط الزكاة قبل حولان الحول،وغرض

البخاري ايراد علي الأحناف في هذه المسئلة كما قال العيني رحمه الله: أراد بعض الناس أبا حنيفة[27]
الجواب: هنا امران مختلفان،
الأوّل: عدم جواز الحيلة،
الثاني: نفاذ الحيلة،
امّا الأحناف لايجوزون هذه الحيل،ولايعلّمون تعليم هذه الحيل للناس،بل يحكمون للفاعل لها،ولهذا نظير في الشريعة الإسلامية في مسئلةالطلاق في حالة الحيض،الطلاق في هذه الحالة حرام، لكن ان طلّق احد في الحيض،وقع الطّلاق،هنا ايضا حيلة إسقاط الزكاة حرام لكن ان احتال احد،قرّرت الحيلة،فلا شئي عليه من الزكاة، قلنا ايضا هذه حيلة باطلة،وفاعله آثم ،لكن حكمه يثبت،كما قال العلّامه انور شاه الكاشميري:أما كون تلك الحيل وبالا ونكالا لصاحبها، فلا ننكره أيضا، كما نقلناه عن أئمتنا، وأما أنها لا حكم لها وإن فعلها أحد، ففيه نظر قوي، فإن ون الناس من هو فاعلها لا محالة، لسوء طباعه، فلا بد لنا أن نذكر لها أحكاما ثبتت عندنا من قواعد الشرع، مع قطع النظر عن حكمها عند الله تعالى، من الإثم أو غيره[28] فلهذا إذا أتلف ماله فلا محل لوجوب الزكاةباق لعدم وجود السّبب،و مع هذا حقّ الفقراء متعلّق بالمال بعد الحول،أمّا قبل الحول،فله خيار التّصرّف في ماله كما يشاء،فإن اهلك ماله، او وهبه لأحد،عنده حقّ التّصرّف فيه،لأنّه اجتناب عن الوجوب لا الإسقاط،صرّح به العيني رحمه الله: لا شيء عليه لأنه امساك عن الوجوب لا إسقاط الزكاة [29]أمّاحقّ تصرّف المالك في ماله هذه مسئلة اجتماعية بين جميع الفقهاء،والشافعي رحمه الله يقول ايضا بكذا،وإن كان التّصرّف بنيّة الفرار يلام عليه،كما قال القسطلاني رحمه الله:و هذا يقتضي على اصطلاح المؤلّف بإرادة الحنفية اختصاصهم بذلك لكن الشافعي وغيره يقولون بذلك أيضًا[30] قال ابن بطّال:فلما كان الفقهاء جوزوا التصرف لصاحب المال فى ماله،قبل حلول الحول، فلم يريدوا بذلك الفرار من الزكاة، ومن نوى ذلك،هواثم،وهو كمن فر عن صيام رمضان قبل رؤية الهلال بيوم وصار مسافرا،لا ينوى رغبة عن فرض الله عز وجل الذى كتبه على المومنين،لكن فالوعيد إليه متوجه [31]
الإيراد الثاني: قال بعض الناس: إِذَا بَلَغَتِ الإِبِلُ عِشْرِينَ فعليه أَرْبَعُ شِيَاهٍ، فَإِنْ وَهَبَهَا قَبْلَ مدة الوجوب، أَوْ بَاعَهَا مكرا، لِإِسْقَاطِ الزَّكَاةِ، ---------قال ابوعبد الله رحمه الله: هذه إسقاط حقّ الله اي الزكاة بالحيلة، فهذا باطل.المراد ببعض الناس الحنفية،ومسئلة الخلافية إسقاط الزكاة قبل حولان الحول،وغرض البخاري ايراد علي الأحناف في هذه المسئلة كما قال العيني رحمه الله: اورد على أبى يوسف، فإنه قال: فى هذه الصورة.لا شيء عليه، لأنه اجتناب عن الوجوب لا إسقاطه ،[32]
الوضاحة:الإيراد الثاني مثل ايراد الأوّل،والفرق في الأوّل عشرين ومائة بعير،وفي الثاني عشرين بعيرا،والجواب كما ذكر في الأوّل،لكن في ضوءهذا الحديث المذكورعن ابن عباس في نذر،فقال رسول الله اقضه عنها[33] قال بعض

المحدّثين:هذا يدل علي أنّ الزكاة لا تسقط بالحيلة،ولا بالموت،كا النذر في حديث المذكور،كما في كلام المهلب رحمه الله يقول: أن الزكاة لا تسقط بالحيلة ولا بالموت، لأن النذر لما لم يسقط بالموت والزكاة أوكد منه فلا تسقط.[34] قلنا:قياس الزكاة علي النذر ليس بصحيح،لأنّ بينهما فرق عظيم،كما يقول العيني: أما الحديث فإنه لا يتعلق بالزكاة، وأما قياس عدم سقوط النذر بالموت غير صحيح. لأن النذرحق معين لواحد والزكاة حق الله وحق الفقراء،فأنىٰ الجمع بينهما؟؟[35] فلهذا لا يصحّ الإستدلال بحديث النذر علي عدم إسقاط الزكاة بالحيلة،أو بالنّذر،مع هذا يقول الأحناف ايضا عدم جواز هذه الحيل،لكن يعتبرونها،إن فعلها أحد،قال الكاشميري رحمه الله:بين النفاذ والجواز فرق جلي، تارة لا يجوزالفعل عند الشرع، لكن إن ارتكب العمل احد،يعتبر،كا الطلاق في زمن الحيض، فإنه محظور۔ومع ذلك لو طلق رجل امرأة فى الحيض وقع ونفذ، ولا أقل من أن النذر تردد فيه،فالأول لا يستلزم الثاني، فأن أحدا منهم لم يقل بجواز الطلاق زمن الحيض،[36] ألإيراد الثالث:قال البخاري قال بعض الناس: " فِي رَجُلٍ لَهُ إِبِلٌ، فَخَشِيَ أَنْ تَجِبَ عَلَيْهِ الصَّدَقَةُ، فَبَاعَهَا بِإِبِلٍ مِثْلِهَا أَوْ بِغَنَمٍ أَوْ بِبَقَرٍ أَوْ بِدَرَاهِمَ، فِرَارًا مِنَ الصَّدَقَةِ بِيَوْمٍ احْتِيَالًا، فَلاَ بَأْسَ عَلَيْهِ وَهُوَ يَقُولُ: إِنْ زَكَّى إِبِلَهُ قَبْلَ أَنْ يَحُولَ الحَوْلُ بِيَوْمٍ أَوْ بِسِتَّةٍ جَازَتْ عنه،قال البخاري رحمه الله قال البخاري رحمه الله هذا تناقض في كلامكم،أنتم قائلون إن كان الرجل أتلف ماله قبل الحول فلا شئي عليه،ومن جانب ايضا تقول إن أدّي زكاته قبل الحول،فهو جائز،والصورة واحدة،فالمراد ببعض الناس الحنفية،ومسئلة الخلافية إسقاط الزكاة قبل حولان الحول،واداء الزكاة قبل الحول،وغرض البخاري إثبات التّناقض في الكلام، كما قال العيني رحمه الله: أراد بعض الناس أبا حنيفة ۔[37]

الجواب:هذا ليس بتناقض،إن نظرتم في الصورتين،يتبيّن لك الأمران،نفس الجوب،ووجوب الأداء،وهما شيئان مختلفان،والمراد من نفس الوجوب وجوب الزكاة،لاالأداءبالفعل،لعدم تحقق السبب وهو في الزكاة حولان الحول،و وجوب الزكاةتحقّق السبب،وهو يقتضي الأداء في الفور،إن لم يؤدّ،فهواثم،فالحاصل نفس الوجوب يتحقّق بملكية النصاب،فلذاإذا أدّي زكاته قبل الحول،فهذا ايضا جائز لتحقق نفس الوجوب،وهوالنصاب،أمّا وجوب الأداء،فهو يتحقّق بعدالحول،لاقبله،فإذا أتلف ماله،أووهبه قبل الحول فلاشيئ عليه،لعدم تحقق وجوب الأداء،وهوحولان الحول،قال الكاشميري: فإذا أهلك أحد جميع نصابه، فما لنا أن لا نقول بسقوط الزكاة عنه، كيف وإنها قطعة من المال، أوجبت عليه حقا للفقراء، فإذا عدم المال، فقد عدم محل وجوب الزكاة، ففي ماذا تجب، ولذا قلنا بسقوطها، وأما أداؤها قبل الحول، فلوجود النصاب، وهو سبب نفس الوجوب، فلم نقل بأدائها إلا بعد تحقق السبب، والأداء بعد تحقق السبب معهود عند الشرع، فلا بعد فيه.[38] رخص النبيﷺ عمه عباس رضي الله عنه اداء الزكاة قبل الحول،كما في رواية عليّ رضي الله عنه: عَنْ عَلِيٍّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ عمه عباس رضي الله عنه فِي اداء الزكاة قبل سنة.[39]

هذا الحديث يدلّ علي اداء الزكاة قبل الحول، مؤدّ الزكاة قبل الحول كمن قدّم دينه قبل الميعاد،فأداء الزكاة قبل الحول،كأداء الدّين قبل الأجل،فلا منافاة بينهما، يقول ابن بطّال رحمه الله: وما أثبته من التناقض فى قوله:بإجازة تقديم الزكاة بسنة فليس بتناقض؛ لأنه لا يوجب الزكاة إلا بتمام الحول، ويجعل من قدمها كمن قدم دينًا مؤجلا قبل أن يجب عليه۔[40]

فالحاصل اداء الزكاة قبل الحول جائزلوجود النصاب،وإتلاف المال قبل الحول يسقط الزكاة لعدم تحقق المال وقت الأداء،هذان امران مختلفان،والتّصرف في ماله قبل الحول جائز بالإجماع،فلهذا إذا أتلف ماله فلا محل لوجوب الزكاةباق لعدم وجود السّبب،و مع هذا حقّ الفقراء متعلّق بالمال بعد الحول،أمّا قبل الحول،فله خيار التّصرّف في ماله كما يشاء،فإن اهلك ماله، او وهبه لأحد،عنده حقّ التّصرّف فيه،لأنّه اجتناب عن الوجوب لا الإسقاط،صرّح به العيني رحمه الله: لا شيء عليه لأنه امتناع عن الوجوب لا إسقاط الواجب۔[41]

فثبت أن الأداء قبل الحول، والإتلاف امران مختلفان،لايقاس احديهما علي الأخري، الحاصل:و ما اشتهر علي الألسنة أنّ البخاري رحمه الله، يريد من قال بعض الناس قوم مخصوص أو مذهب مخصوص دون غيره،و غرضه إيراد علي المذهب المذكور،هذا الظنّ ليس بصحيح،لأنّه إمام عالم،أمير المؤمنين في الحديث،هذا لا يليق بشأنه،وذكر البعض يريد البخاري منه ذكرهم علي وجه الحقارة كمذهب الأحناف،و دليلهم أنّ البخاري لم يرو من أبي حنيفة في جامعه،كلا الأمران مفروضتان،لأنّ البخاري يروي عن مالك في اكثرروايات،و عن أحمد في إثنين،ولم يرو عن أبي حنيفة،والشافعي،والحال أنّ مذهمه علي فقه الشافعي في رواية،وليس ذكر واحد علي أسلوب بعض الناس للحقارة،كماصرح في البلاغة،بل المراد منه في الصحيح تارة الشافعي،و تارة الكوفيون، وتارة الإمام محمد،و تارة الفقهاء،و لي ذكر بعض الناس في كل موضع للتشنيع نل لتائيده ايضا،وإن سلّم فالجواب أن البخاري كان رجل عالما،ذكرهذه الإيرادات علي وجه الغيرة الدينية۔

حوامش

1۔ قسطلانی،شہاب الدین،احمدبن محمد بن ابی بکر(المتوفی: ۹۲۳ھـ)ارشاد الساری شرح البخاری، الطبعةالکبری الامیریة، الطبعةالسابعة،۱۳۲۳ھـ ،31:1

2 ۔۔المرجع نفسه

3 ۔ تقي الدین،ندوي،الدکتور،الامام البخاري امام الحفاظ والمحدثین،دار القلم،دمشق،:20

4 ۔ الامام البخاري امام الحفاظ والمحدثین،:22-21

5 ۔۔ابنِ حجر ،احمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي، فتح الباری شرح صحیح البخاری،دار المعرفة - بیروت،بدون الطبع، ۳۷۹ھـ،477:1

6 ۔ فتح الباری،478:1

7 ۔ ارشاد الساری شرح البخاری ،33:1

8 ۔ الامام البخاري امام الحفاظ والمحدثین،:50

9 ۔ ایضا،:32

10 ۔۱۰۔ایضا،:39

11 ۔ ارشاد الساری شرح البخاری ،39:1

12 ۔ المرجع نفسه

13 ۔ نووي ،ابو زکریا ،محیي الدین ،یحیی بن شرف (المتوفی:٦٧٦ھ)، تهذیب الأسماء واللغات،دار الکتب العلمیة، بیروت – لبنان، بدون الطبع والتاریخ،73:1

14 ۔ الامام البخاري امام الحفاظ والمحدثین،:84

15 ۔ تهذیب الأسماء واللغات ،73:1

16 ۔ المرجع نفسه

17 ۔ ارشاد الساری شرح البخاری ،29:1

18 ۔ دهلوي،ولي الله،شاه،حجة الله البالغة،دار الجیل ،بیروت لبنان،232:1

19 ۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری،ج:۱،ص:٤٨٩

20 ۔ بخاری،ابوعبدالله،محمد بن اسمٰعیل بن ابراهیم بن مغیره، (المتوفی:۲۵٦ھـ) الجامع الصحیح للبخاری قدیمی ،کراتشي، الطبعةالاولی۔۱۳۸۱، کتاب الحیل، باب في الزکاة ،رقم الحدیث:6956

21 ۔ ایضا،رقم الحدیث: 6959

22 ۔ ایضا،رقم الحدیث: 6958

23 ۔ أبو عبد الله،زین الدین،محمد بن أبي بکر،مختار الصحاح،المکتبة العصریة،86:1

24 ۔۔أبو العباس،أحمد بن محمد بن علي،المصباح المنیر،المکتبة العلمیة،بیروت ،157:1

[25] - إبراهيم مصطفى / أحمد الزيات / حامد عبد القادر / محمد النجارالمعجم الوسيط،دار الدعوة، 209:1

[26] - الدكتور سعدي أبو حبيب،القاموس الفقهي، دار الفكر. دمشق – سورية، الطبعةالثانية:١٤٠٨ هـ =١٩٩٨ م ،106:1

[27] - عينى،بدر الدين، محمود بن احمد بن موسى بن احمد بن حسين،(المتوفى:٨٥٥هـ)، عمدة القاري، دار احياء التراث العربي ، بيروت، بدون الطبع والتاريخ ج،110:24

[28] - محمد انور شاه بن معظم شاه،الكشميري ،الهندي (المتوفى:١٣٥٣ه) فيض الباري، بيروت – لبنان،دار التراث العربي، الطبعةالأولى،١٤٢٥هـ - ٢٠٠٤ م، 420:6

[29] - عمدةالقارى،111:24

[30] - ارشاد السارى شرح البخارى ،106:10

[31] - ابنِ بطال، أبو الحسن ،علي بن خلف بن عبد الملك (المتوفى:٤٤٩ ه)، شرح صحيح البخاري لابن بطال، مكتبةالرشد،الرياض، الطبعةالثانية، ١٤٢٣هـ٢٠٠٣، 315:8

[32] - عمدة القاري،24:110-111

[33] - الجامع الصحيح للبخارى، كتاب الحيل، باب في الزكاة ،رقم الحديث:6959

[34] - عمدة القاري،111:24

[35] - ايضا

[36] - فيض الباري،420:6

[37] - عمدة القاري،110:24

[38] - فيض الباري، 420:6

[39] - ترمذى،ابو عيسىٰ،محمدبن سوره بن موسى،(المتوفي:٢٧٩ه)، سنن الترمذي، دار الغرب الإسلامي ،بيروت،بدون الطبع،١٩٩٨م، كتاب الزكاة،باب ما جاء فى تعجيل الزكوٰة،رقم الحديث:678

[40] - شرح صحيح البخارى لابن بطال،31:8

[41] -عمدةالقارى،111:24

Stylistic Analysis of the Surah *Al-Asr* and its Thematic Implication

***ShahidaParveen**
****Muhammad Rashid Hafeez**
*****Muhammad Shahbaz**

Abstract

Stylistics is a multidisciplinary approach that aims to foreground the peculiar properties of texts on the basis of language and derive hidden and in depth meanings to figure out major and minor themes. The evident fact that makes Stylistic a multidisciplinary approach is its retrievable, rigorous and replicable principles. The present study aims to explore the stylistic features of the Surah *Al Asr* from the Holy Quran at various levels. Surah *Al Asr* is the most comprehensive Surah of the Holy Quran that is composed of only three verses yet the strongest one in its influence and themes. Al-Shafi said, "If the people were to reflect upon Surat al-'Asr, it would be enough for them",[1] Stylistics as a scientific discipline is helping to interpret literary text logically based on linguistic evidence. The Surah has been analyzed on different levels of stylistics: Graphological, Phonological, Morphological, Semantic, Pragmatics and Discourse level. The connotative and denotative meanings of the surah have been explored to get the complete understanding of the poem. The stylistic analysis of the surah reflects the main idea that is the transiency of human life and permanency of good deeds.This study strengthens the belief that the study of stylistics is beneficial for the thorough understanding of any text.

Keywords: Stylistic analysis, Surah Al Asr, Loss, Humankind, Salvation

Introduction

The purpose of this research paper is to explore the stylistic features of the Surah *Al Asar* and to elaborate its thematic interpretation. Although Arabic is a complex language yet its significance is valuable as it is being used in twenty four countries and being taught as a compulsory subject especially in Muslim countries [2].The significance of Arabic language in contemporary times definitely cannot be cut off from its position as the language of Al-Qur'an or a sacred language. Furthermore, Arabic is in practice as the national language in more than twenty countries including Algeria, Bahrain, Egypt, Eritrea, Iraq, Jordan, Kuwait, Lebanon, Libya, Mauritania, Morocco, Oman, Qatar, Saudi Arabia, Somalia, Sudan, Syria, Tunisia, Yemen, and Palestine [3]. Arabic

---

* Lecturer, Department of English, GC Women University Sialkot
**Assistant Professor, Department of English, GC Women University Sialkot
***Assistant Professor, Department of English, GC Women University Sialkot

language has an old and affluent history. It is one of the official languages of United Nations .[4]
The importance and recognition of Arabic language is noteworthy as the language of Afro Asiatic family being the larger community. Post 9/11 era and particularly American President George Bush's initiative of motivating Americans to learn Arabic language to cope up with critical situation also accelerated the importance of Arabic language in recent times and many people are learning Arabic language for practical and utilitarian goals . [5] On the other hand, it would be not wrong to say that the Arabs and their language Arabic have been the part of their consideration since the first ever altercation of Europeans with Arabs .[6] The Muslims around the globe use Arabic for religious rituals and recitation other than using it as a mode of communication. The Arab Nationalists considers Arabic language as a symbol of their identity, part of their faith, reason behind their unity and brotherhood besides a mode of communication and interaction [7].
The place of the Arabic language in an ordinary Muslim's life is of paramount importance as he offers obligatory Salat (Prayer) five times during a day that can be performed only in Arabic. Likewise, all Muslim community greets one another using Arabic words and call for prayer (Adhan) is also called only in Arabic. The attachment to and sanctity of Arabic language become indispensable and natural for a common Muslim as the day s/he is born, s/he hears the words of Adhan and the s/he leaves the world with rituals in Arabic in funerals [8]. The followers of the religion Islam consider reciting the Holy Quran in Arabic as their obligation and part of their firm belief. So for thorough comprehension of the Holy Quran, the knowledge of Arabic language becomes inevitable. Variations and differences in pronunciation may lead to wrong perception of meaning. One must have command over the phonetics and phonology and principles of tajweed in Arabic language as the revelation of the Holy Quran is no less than a great blessing of Allah Almighty. The Holy Quran is a thorough guidance for leading a blessed and pious life. Allah (SAW) commands to read the Holy Quran with Tartil[9] , as is quoted in the Surah Al-Muzzamil, verse 4:

اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا[10]

"Or add to it, and recite Al-Quran with measured recitation (Tartil)". Likewise, Stylistics is the study of a language at all levels.

Stylistics is the study of literary discourse from a linguistic perspective as it investigates the basic components of a language: Grammar, expressions and vocabulary [11]. Stylistics is empirical and scientific in nature that approves and investigates the content on the basis of linguistic evidence. Stylistics is the thorough study of textual analysis in which the foremost consideration is given to language [12]. It gives various interpretations of the text along with the better insight for the style of the author. Stylistics as a method demands objectivity rather than involving personal perceptions and subjective interpretations and aims in stylistics can only be achieved when one has basic comprehensions of all peculiarities of general linguistics [13].

The notion that Stylistics deals mainly with literary texts has been denied by many linguists who are of the view that any language can be the subject of investigation in Stylistics to interpret and explore the unique characteristics of that specific language [14]. Stylistic analysis of any piece of literature also helps in better understanding of the language[15]. Stylistics is a medium to relate other subjects and disciplines and in itself it is not autonomous[16]. Likewise, it links language with Literature. The researches in the field of Stylistics have made it more influential and Corpus stylistics, Feminist stylistics and Discourse stylistics are the most sought out areas in contemporary times[17]. Stylistic analysis of the Holy Quran for teaching and research purposes proves Stylistics as multidisciplinary discipline. It is bridging the gaps among various languages and language speakers by identifying certain similarities and variations at phonological, morphological, and syntactical levels of languages. The computational systems are being introduced at morphological levels for the better understanding of the Holy Quran[18] . The Pragma-stylistics assessment of the Holy Quran enhances the necessity of complete comprehension of Arabic script and constituents of Arabic language as like any other language, Arabic language also follows a sound system and the language of the Holy Quran has a unique style that is matchless as it is heavenly revelation [19].

Methodology

This study aims to explore the stylistic features of Surah *Al-Asr*. The Surah has been analyzed on different levels of stylistics: Graphological, Phonological, Morphological, Syntactical, Pragmatics and Discourse. The connotative and denotative meanings have been explored to get the complete understanding of the surah and to relate how such stylistics

features add to the meaning, impact and interpretation. The Surah was revealed on the Holy Prophet (PBUH) in Mecca during the early days of the revelation of the Quran. There are three verses (ayats) in the surah. The stylistic features of the surah have been investigated on the basis of following levels and devices of stylistics.

Stylistics

Stylistics is the branch of linguistics that studies the literary texts to see how linguistic devices have been employed. Hence, it is application of linguistics to study literature[20]

Levels of Stylistic Analysis

Graphological Level	This level examines the structure and pattern of investigating text, the use of punctuation and systematic structure of sentences, etc.
Phonological	This level examines the sound patterns of the given language, pronunciation, rhyming patterns, etc. The phonological devices that normally get attention are rhyming scheme, alliteration, assonance and consonance.
Grammatical Level	This level examines the structure of sentences and clauses in the piece of work. The diction used, the patterns of used vocabulary, the use of verbs, nouns, adjectives and adverbs, foregrounding and deviations are also investigated.
Lexico-Syntax Level	This level keeps the sentence structure, use of words, omission of certain parts in a sentence and unusual use of words.
Pragmatic and Discourse Level	This level involves the context in which particular language is used. The investigation how linguistic choices and particular style of the poet contributes towards the pragmatic and discourse level is discussed at this level. The style of the poet becomes a major assistance in getting the connotative meanings of the work. It helps in making the meanings explicit.

Stylistic Devices	The stylistic devices discussed in the poem are Imagery, Irony, Symbolism, rhetoric expressions and Allusion.

Data Presentation

وَالْعَصْرِ .إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ. .إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ[21]

Translation

1. By Time
2. Indeed, mankind is in loss.
3. Except those who believed and done righteous deeds and advised each other to truth and advised each other to patience.

Analysis and Interpretation

Title of the Surah

The title of the surah "Al Asr" has symbolic connotations. This one word title is significant enough to highlight the subject matter of the surah. All of the verses' constituent clauses are connected grammatically to the very title of the surah, *'Al Asr'*. The word 'Asr' apparently is used in the meaning of time but it has deep meanings as compared to other Arabic word 'Dahr' that is also used in the context of time. 'Asar' is used in context of limited time and at linguistic level the word 'Asar' means something that is squeezed and compressed. The very word "Asr" demonstrates a strong image of declining day when the sun is going to set and day's activities to wind up. The connotative meaning exaggerates the themes of the surah artistically as there is no ambiguity in the ultimate end of human life. Man's life span is for a brief time likewise every rise has a fall. The time spent in uselessness will bring sense of loss and humankind will suffer from dissatisfaction and depravity. As the end of day is marked with death and inactivity likewise the wasting time marks ruin and loss.

The Tone and Major Themes of the Poem

There are three verses in the *surah* and only 16 words. This surah is the second shortest surah of the Holy Quran. The surah highlights the general tragedy of human beings and then presents the solution of that problem in no time. The surah reflects how man is responsible of having either success or failure in his short span of life. The lexical choices

have played a very important role in enhancing underlying major or minor themes. The rhetorical start of the Surah with the oath of the Allah Almighty Himself astounds one's mind and warns one to ponder over cautious steps to save oneself of permanent loss and ruin. The direct opening arrests the attention of the reader at once. Every verse of the surah reflects the tormented soul of the man and his deep sense of loss. The lexical choices aptly disclose the causes behind restlessness of the humankind. The tone of the surah is evocative yet optimistic. This loss is of paramount nature; however, the good deeds, faith in Allah and devotion to truthfulness with patience can cause the salvation of man.

The second line of Surah begins with the word "Verily". Allah says that there is no doubt that Mankind suffers loss. This statement not only informs the mankind that they are suffering loss but also makes it clear that Allah knows His creation very well. Although the third verse of the Surah differentiates between the believers and the non-believers, the righteous and the evil-doers, those who advise others to be patient and those who do not, and those who advise others to the right path and those who do not, yet the second verse rings the alarm bells for the mankind. It sets the tone for the third verse, which is the largest in terms of words. The second is also significant because it reveals the greatest secret of human life. Humans strive throughout their life and it all comes to nothing in the form of death. Whatever one earns during life is left behind in this world, and s/he departs to the next world. Life in this world is just a trial. Those who fail in it suffer a huge loss. It can also be taken to mean that since Allah has done the greatest favor to mankind by first bestowing on them with life and then making them the crown of creation, it is the responsibility of the mankind to obey the commandments of Allah. Those who do not do that suffer the loss. Their lives end in miseries because they die without faith.

However, the faithful as well as the faithless die. What is then the significance of the second verse when the third verse says that those who are faithful are not suffering a loss? In fact, the real loss is that of the faith. If one lives and dies on his/her faith in Allah, one does not suffer a loss. However, those who do not have faith in Him, live in die while suffering loss. At another level, though, one may find the same theme of transitory of world and human life when one links the second verse with the first one. Allah Almighty proclaims that mankind is in a state of suffering because it does not utilize its time for worshipping Allah and

acting in accordance with His commands.

There is a beautiful and sudden shift in the third verse. It heralds good news for the faithful. However, it also makes it clear that the believers also do righteous deeds and enjoin others to patience and enjoin others to the righteous path. Faith without action might prove to be meaningless. If someone professes something and does the opposite of righteous deeds, s/he will suffer the loss because faith is best expressed through actions. If someone professes faith in Allah and does not advise others to be patient and does not advise others to be on the right path, s/he will also face the same the same end. Not only does this line herald good news for the faithful but it also means that those go to the contrary path will have to suffer the loss.

Moreover, the third verse of this Surah also presents the perfect way of *dawa* or preaching. It all starts with belief and faith in oneness of God. This is followed by doing the righteous deed. One cannot enjoin others to do good if one is oneself immersed in evil or wrongdoings. The last part of the verse takes it the sublime level of advising others to be patient and to the righteous path. Hence, the last verse of the Surah has great pedagogical implication as well, informing the righteous and faithful Muslims how they should lead their lives in order to avoid loss.

Graphological Level

This *surah* is arranged in three verses. The repetition of the title of the surah in the very first verse foregrounds the central theme that is the mortality of human existence. The verse that is in the middle of first and third verse is actually of innermost significance. This verse elaborates the illusion of man's life and his loss in materialistic pursuits. The third verse of the surah is a kind of resolution that gives man an exemption or a sense of relief by bringing him out of the awe of rhetorical spell of Allah's oath. The beauty of the surah is in parting the concepts of reward and punishment. The juxtaposition of cause-effect relationship is weaved step by step in successive verses.

Phonological Level

The analysis of the surah at phonological level reaffirms the truth about the lyricism and beauty of the language of the Holy Quran that is neither prose nor poetry yet sooths the heart and refurbishes the faith[22] . The repetition of 'r' sound at the end of every verse creates rhyme and rhythm in the surah. The Words such as *asr*, *khusr,* and *sabr* describe the

poetic attribute of the *surah* and convey the message emphatically. Every verse of the *surah* is ending with a double consonant '*r'*. The use of assonance: repetition of vowel sounds in the Arabic words '*Amanu*' and '*Amilu*' add to the musicality and rhythm of the surah as well as adds to the meaning of consistency and forbearance in the path of righteousness. It is this vitality that justifies the reactions that describes the effects of the *surah*.

Lexical Level

The lexical level gives an insight toward the word choices made in any target text. The use of vocabulary or the diction used in the surah is strong and direct. The major themes of the surah are enigma of recognition, transitory of life, disillusionment, reward of patience and good deeds. The choice of vocabulary is equating with the major themes as the words' 'Asar', 'khusar', 'sabar', 'haq', etc are highlighting the key themes. The used vocabulary is vivid and concrete. The verbs used are mostly action verbs like "Aamano" and "Aamalo' that demonstrate the practicality and utility of using time wisely. The lexical choices are in fact vivid images that strongly portray havocs of wasting time and blessings of virtuous and right deeds.

Grammatical Level

The surah is having simple sentence structure. There is no complexity at sentence level but the simple sentence structure is quite complex semantically as there are jumbled thoughts. The surah consists of three sentences. The parallel is built in the last verse:

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ .وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ[23]

This thematic parallel clearly foregrounds the object lost and gained in the course of life. Three verses are integrated syntactically that brings thematic coherence.

Pragmatic and Discourse Level

The surah is rich semantically and pragmatically. The surah has different layers of meanings that are apt in context and giving multiple interpretations. The impact of the title at surface and symbolic level succeeds in weaving its impact throughout the surah. The message of the surah is relatable to every context and every religion as time is short and man is mortal. The stylistic features of the surah deny the interpretation of time as absolute fact and proves that time is a relative perception. Man is collecting material capital that will decline gradually with every

passing day. The permanent felicity is in facing the trails of life patiently and leading life on fair grounds having strong faith in Allah Almighty.

Stylistics Devices Used in the Surah

The thorough analysis of the surah also helps in exploring the other stylistics features. The surah has stylistic devices as use of symbols, imagery, rhetorical devices and assonance. Symbolization is a tool to imply the meaning and the readers perceive the connotative meanings that involve a certain context and situation. Asr and Khusar are symbolizing the reality of life and vanity of time. The expression 'Khusar' symbolizes the commercialization of life. A man has to pay a heavy price of his pursuit of materialistic desires.

Conclusion

Quran is the best source of knowledge for humans in all times to come. Its subject matter is mankind and how mankind should lead their lives in order to win the pleasure of Allah. It is rich in meaning, and the language used by Allah is beautiful as well as didactic, which is a very rare combination. This study is stylistic analysis of the surah 'Al Asr' from the Holy Quran. The stylistic analysis of the surahhas demonstrated the unique style and structure of Arabic language. The style of surah is simple but rich in symbolic and rhetorical expressions. This study strengthens the belief that the study of stylistics is beneficial for the thorough understanding of not only literature and language but also of religious scriptures, especially The Glorious Quran. This study will be helpful for future researches related to stylistic analysis.

References

[1] Rodrigue Fontaine and Khaliq Ahmad, *Strategic Management from an Islamic Perspective* (Wiley Online Library, 2013).
[2] Majdi Beseiso, Abdul Rahim Ahmad, and Roslan Ismail, "A Survey of Arabic Language Support in Semantic Web," *International Journal of Computer Applications* 9, no. 1 (2010).
[3] AbuBakr Karolia, "Exegetical Reading of Surah 103, Al-Asr-(by the Flight of Time or by the Declining Day, the Epoch)."
[4] Reem Bassiouney and E Graham Katz, *Arabic Language and Linguistics* (Georgetown University Press, 2012).
[5] TA Taha, "Arabic as" a Critical-Need" Foreign Language in Post-9/11 Era: A Study of Students' Attitudes and Motivation," *Journal of Instructional Psychology* 34, no. 3 (2007).
[6] Kees Versteegh, *Arabic Language* (Edinburgh University Press, 2014).
[7] Yasir Suleiman, "Nationalism and the Arabic Language: A Historical Overview," in *Arabic Sociolinguistics* (Routledge, 2013).
[8] Imtiaz Ahmad, "Teaching Islamic Studies in the Non-Arab World: With or without Arabic?," *Journal of Muslim Minority Affairs* 21, no. 2 (2001).
[9] Syafrimen Syafril and Nova Erlina Yaumas, "The Implementation of Tartil Method in Improving Elementary School Students' Ability in Reading Al-Qur'an," *Khalifa Journal of Islamic Education* 1, no. 1 (2018).
[10] Muzzamil, 73:4
[11] Shaukat Khan et al., "A Stylistic Analysis of "the Rime of the Ancient Mariner"," *English Review: Journal of English Education* 5, no. 1 (2016).
[12] Paul Simpson, *Stylistics: A Resource Book for Students* (Psychology Press, 2004).
[13] Joseph A DeVito, "Style and Stylistics: An Attempt at Definition," *Quarterly Journal of Speech* 53, no. 3 (1967).
[14] Lesley Jeffries and Daniel McIntyre, *Stylistics* (Cambridge University Press, 2010).
[15] Ayse Akyel, "Stylistic Analysis of Poetry: A Perspective from an Initial Training Course in Tefl," *TESL Canada journal* (1995).
[16] Simpson.
[17] Ibid.
[18] Judith Dror et al., "Morphological Analysis of the Qur'an," *Literary and linguistic computing* 19, no. 4 (2004).
[19] Ali Albashir Mohammed, Majda Babiker Ahmed, and Dina Ali Abdullah, "A Pragma-Stylistic-Assessment of Three Translations of the Meanings of Surratt Fatir into English," *Theory and Practice in Language Studies* 9, no. 1 (2019).
[20] Elena Semino and Mick Short, *Corpus Stylistics: Speech, Writing and Thought Presentation in a Corpus of English Writing* (Routledge, 2004).
[21] . Al'Asr, 103:1-3
[22] Sells Michael, "Approaching the Qur'an: The Early Revelations," (White Cloud Press, Ashland).
[23] Al'Asr,103: 3

Impacts of Repetitive Refrains Upon Human Thought and Comprehension: An Exegetical Discourse from Qur'ānic Perspective

***Muhammad Ashfaq**
***Manzoor Ahmad Al Azhari**

Abstract

The pivotal discourse around which this paper revolves is the repetitive refrains mentioned in the Holy Qur'ān and its impact upon human thought and psyche. This study highlights important features of repetition in the light of Sūrah Ash-Shu'arā' and Sūrah al-Raḥmān concerning Da'wah, guidance and multiples expressions of natural phenomena inviting towards reality. We may observe that how Scripture invites human's intellect calling, inspiring and motivating it towards what is required to be done positively? Is the repetitive refrains are the need of Da'wah and invitation to be conveyed showing its manifold facets towards human nature or not? Employing analytical method, it may be estimated that repetition is required up to what extent to divulge multiple aspects of stated guidance (hidāyah) required to be grasped. This paper finds that repetition is an important and fundamental aspect close to human nature. This study concludes that repetition may cause to focus upon the message laden with the verses before each reiteration associated with aesthetic reflection. Repetition is necessary to remember and stabilize truth in the minds and heart while on the other hand it results to acquire understanding that how repetition is purposeful confronting the objections of opponents in this regard.

Keywords: Qur'ānic Scripture, Repetitive Refrains, Exegetical Discourse, Aesthetic Glimpse and Impact, Da'wah and Guidance

Introduction

This paper indents to study the repetitive refrains and their impacts upon human thought and comprehension visiting Qur'ānic Scripture. The whole study has been divided into two main segments before reaching at the final remarks. In both chapters (*Sūrah*), it has been elaborated the significance of guidance and *Da'wah* with the expression of multiple dimensions of phenomenon in order to understand the reality.For this purpose, these are two phases of the study in which Sūrah Ash-Shu'arā' and Sūrah al-Raḥmān have been incorporated into the theme of paper respectively.

In first phase, for clarification, we have quoted repetitive refrain from Sūrah Ash-Shu'arā' verse (26:9) as translated by Abdullah Yūsuf 'Alī in the words, *"And verily, thy Lord is He, the Exalted in Might,*

* PhD Scholar, Department of Islamic Studies, HITEC University Taxila, Pakistan
** Associate Professor of Islamic Law, Department of Islamic Studies, HITEC University Taxila, Pakistan

Most Merciful."[1] From this repetition one may understand Prophetic methodology of invitation towards reality addressing the behaviour of their addressees in front of Prophetic call. The verse (26:9) has been repeated about eight times in the Sūrah after mentioning the *Da'wah* work and struggle of Prophets of Allah and negation of people. Into the bargain, one time more repetition of the pair of Divine Name *al-ʿAzīz al-Raḥīm* occurred again concerning the *Da'wah* strategy if Prophet Muhammad (Peace and Mercy be upon him) in the verse (26:217).

In second phase, the main focus of study is the verse (55:13) i.e. *"which of the bounties of your Lord, would both you deny."*[2] This verse has been repeated 31 times in the Sūrah al-Raḥmān. On the other hand, word *mīzān* (balance) has also been repeated. Furthermore, Divine Attribute known as Majesty (*jalāl*) and Generosity (*ikrām*) mentioned in the Sūrah 55 two times having unique reference among the Qur'ānic chapters may also be visited in the domain under discussed. Similarly, the end of each verse of the Sūrah "Ān" or "Ayn" is also an important aspect expressing phonic beauty and rhythm.

Hence, repetition and its influential aspects from both examples have been visited considering question of understanding of theme what is stated in the verse or attached with the consecutive verses. Is there any impact of repetition upon human thought and understanding what is required to be understood? Number of books discussed repetition together with its various aspects and significance. Scholars discussed in detail what is repetition literally and technically categorizing it into different types. This discourse is different one as compared to the work already done in this field. In this paper natural phenomena and philosophy behind them, stated in the verses has been incorporated where repetition occurred in the Qur'ān. It expressed also an aesthetic reflection in addition to the guidance, Da'wah and invitation towards Oneness of Allah Almighty.

Repetition: A Preliminary Discourse

Repetition is the matchless feature of the Arabic language; especially Arabic poetry is an evidence of repetitive aspects of the language. Fundamentally in literal sense repetition (*takrār)* is from '*Karra, kara ra*' means (*I'ādah wa al-'Aṭaf*) bringing back a thing once again and so on and the word *'Aṭaf* also has the meaning of inclination, bending and turning etc.[3] While *takrār* has been equaled with the word ' *rujū*' '. It may also be rendered it as returning.[4] Badr al-Dīn al-Zarkashī

added technically that it is the sentence or word repeated with reference to similar context having multiple meanings in connection either affirmation, alamring (to get rid of mis-happening), glorification, and others etc.[5]

Ibrāhīm al-Ibyārī added in the Qur'ānic Encyclopedia that repetition is more than a statement and confirmation, and is beauty of eloquence having many benefits like *al-taqrīr* (statement either for warning or focusing upon what reality has been mentioned), *al-Tākīd* (statement for concentration up to the acceptance of reality), *al-Ta'zīm* (regarding glorification and reverence) and *al-Tahwīl* etc.[6] Moreover, Syed Quṭb added that in each repetition of what is mentioned, it different either slightly or significantly at large.[7] We may add in the light of remarked given by Shāh Walī Ullah that repetition is natural need of humanity. It is something sense of taste to be amused and how our tendency and inclination toward the message along with various dimension of understanding as well. [8]

The impressions of repetition upon human feeling, thought and action having profound spiritual link saturating human needs. It is also important for human inner satisfaction, aesthetically observing the repeated design of nature as well as beautiful human manufacturing and development. Repetition occurs in the Holy Qur'ān many times concerning different types and with regard to different contextual domain.

PHASE-I Repetitive Refrain of *Sūrah Ash-Shu'arā'* (26:9)

Prior to discuss the calls of prophets and *Da'wah* endeavour, the discourse of keenness and passion of *Da'wah* and denial behaviour of the people in front of this message has been discussed in the Sūrah. Then in order to make one aware of greatness of invitation towards Allah, natural phenomena and sign of Allah in the creation have been mentioned. So that one may directly focus upon what is the reality exercising their own intellectual capability? Then before the discussion of *Da'wah* struggle of Mūsā (A.S) the following verses have been mentioned, and repeated throughout the chapter.

" إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً وَما كانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ-وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ " [9]

Yūsuf 'Alī, 'Abdullah rendered the verse that, *"Verily, in this is a Sign:*

but most of them do not believe.-And verily, thy Lord is He, the Exalted in Might, Most Merciful."[10]

Visiting repeated verse (26:9) at different places pictured various dimensions of *Da'wah* and Prophetic mission. Answering why Almighty (*al-'Azīz*) has been mentioned in the verse prior to *al-Raḥīm.* Imam Al-Rāzī added that Allah Almighty is able to take revenge, but he is merciful with his creation perchance they may believe.[11] Furthermore, Abdul Azīz Ibn Bāz also added that:

في ثمانية مواضع، لأجل الوعظ فإنه قد يتأثر بالتكرار من لا يتأثر بالمرة الواحدة.[12]

" At eight places, for the sake of preaching, it may be most influential due to repetition (and pursuing again and again due to particular context), that may not be possible one time (without repetition)"

Regarding this verse Muhmūd Tawfīq commented that every repetition has objective mentioned before it. He made eight separations (*fawāṣil*) against each Prophetic mission.[13] When we pondering over the theme of chapter 26 (*Sūrah Ash-Shu'arā'*) with special reference to the repeated verse, we may add against each repetition briefly as:-

1. Firstly, the verse **(26:9)** may be read in relation to previous verses especially verse 7 and 8 which broaden one's sight towards the natural phenomenon perhaps for auto-grasping of reality from the prevailing signs of God in the cosmos e.g. what grow out from the earth as sign of His creation in the vegetation is mentioned in the previous verse before repetition of refrain.
2. Prophet (Moses) Mūsā (A.S) addressed Fir'un (Pharaoh) indicating the things of common sense then informed explaining with signs and natural phenomenon[14] after that with miracle of radiant white hand, furthermore, *Da'wah* impact on magician as well as striking the sea with staff and splitting it into twelve parts stated in the Sūrah respectively. Even with this *Da'wah* struggle, their denial behaviour towards truth cause them to be drowned in the sea with the whole context stated before repeated the verse **(26:68).**
3. After the explanation of Da'wah struggle of Moses (A.S), people of Abraham (A.S) have been addressed by the Qur'ān. He (A.S) asked questions of common sense about Idols worships that "*do*

they hear; do they bring you any profit or loss" after that Allah Almighty introduced His different provisions. Then before the repetition of verse **(26:104),** His signs have also been indicated.

4. After that, struggle of Prophet Nūḥ (A.S) has been discussed explaining how people of ignorance confronted him. He (A.S) supplicated before the court of Lord, loaded Ark (Ship) with followers while remaining people were drowned due to their denial behaviour. After this situation the same pair of Divine Attribute has been added as stated in verse **(26:122).**
5. After that Prophet 'Ad (A.S) addressed vanity and big-headedness in the society due to their monuments building. He (A.S) spoke indicating Lords bestowal upon them and His signs prevailing everywhere. As a result of their ill-mannered and denial behaviour they were demolished after that the verse **(26:140)** has been repeated once more.

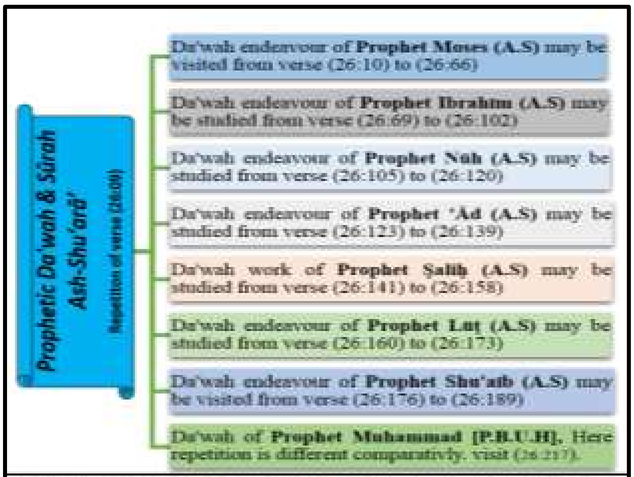

Fig. 1 Repetitive refrain in relation to Prophetic Da'wah stated in the *Ash-Shu'arā'*

6. Ṣāliḥ (A.S) recalled them the bounties of Allah Almighty in this world warning them from destructive activities in the society and on account of killing She-Camel the torment seized them {verse (11:66) may be visited regarding this event along with pair of DM a little bit different expression The similar verse **(26:159)** repeated again at the end of struggle and Da'wah of Ṣāliḥ (A.S).
7. Lūṭ (A.S) addressed the people for correction of their bad sexual behaviour in the society. When they ignored the Da'wah of Lūṭ (A.S) as a result rain of stones was showered upon them. Declaring this happening as sign the verse **(26:175)** has been

repeated another time with different context for lesson of humanity.

8. Shu'aib (A.S) conveyed his message to the people of wood (*Āikah*) instructing them not to indulge in the social evil of economic corruption measuring short fall. On account of their repudiation, shadow seized them after this scenario Allah Almighty repeated the verse again **(26:191).**
9. At end the of Sūrah 26, Allah Almighty introduced Himself what is the Qur'ān, importance of its message and results of refuting behaviour. Da'wah methodology has been communicated to the Prophet Muhammad [PBUH] before repeating the couple *al-ʿAzīz al-Raḥīm* **(26:217)** with different expression as compared to the address and statement for the other aforementioned Communities, Allah Almighty addressed as:

[15] "وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ."

Yūsuf 'Alī, 'Abdullah translated the verse as, *"And put thy trust on the Exalted in Might, the Merciful"* [16]

This pair (*al-ʿAzīz al-Raḥīm*) shows dignity, overwhelming and omnipotence of the God of Islam. Al-Sha'rāvī added that *al-ʿAzīz* is dominant one not recessive, Mighty and the Omnipotent and not subdued under any control.[17] Furthermore, Al-Rāzī discussed that His Mercy doesn't mean that He is not capable to punish the wrongdoers therefore *al-ʿAzīz* has been mentioned before *al-Raḥīm* for removal of this illusion. Punishment doesn't hinder bestowal of His Mercy.[18] Hence, it obvious that repeated verse every time has different message to convey. Whenever one repeats verse, its looks like that reader and reciter is being exhort and encouraged to find the reality fervently and eagerly.

PHASE-II. Repetitive Refrain of Sūrah al-Raḥmān

In the Sūrah al-Raḥmān repetition may be observed either in the form of complete verse like (55:13) or as words. Each repetition has objective behind it for example the word '*al-Mīzān*' . Ḥamzah Kirmānī in '*Isrār al-Taqrār fī al-Qur'ān*' about the repetition of word *al-Mīzān* three times added hermeneutically that firstly it is stated for the balance concerning this world, secondly balance regarding the life of the Hereafter and thirdly the balance of Intellect. He statically divided repeated refrain thirty one times, as 8 times repetition concerning

natural phenomena (making them explicit), 7 times in threatening verses about Hell (to save humanity from torture), 8 times for two paradises mentioning earlier and 8 time for paradises stated later.[19] In the Sūrah al-Raḥmān,

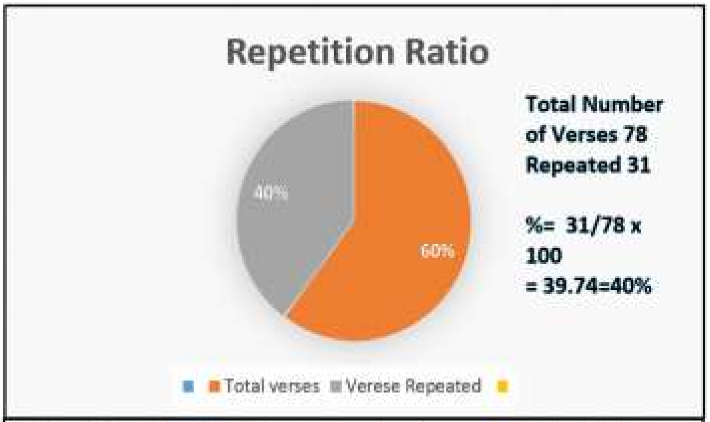

Fig. 2 Repetition Ratio based on number of verses in Sūrah al-Raḥmān

one verse is repeated thirty-one 31 time while the total verses are seventy-eight 78, that is repetition occurs about 40% (39.74%) of the total verses as shown in fig 1. In addition to this repetition, word *al-Mīzān*, communication regarding paradises etc. have also been repeated.

In the Sūrah 31 times repetition is mentioned in the following verses mentioned below for statistical observation 13, 16,18, 21, 23, 25, 28, 30, 32, 34, 36, 38, 40, 42, 45, 47, 49, 51, 53, 55, 57, 59, 61, 63, 65, 67,

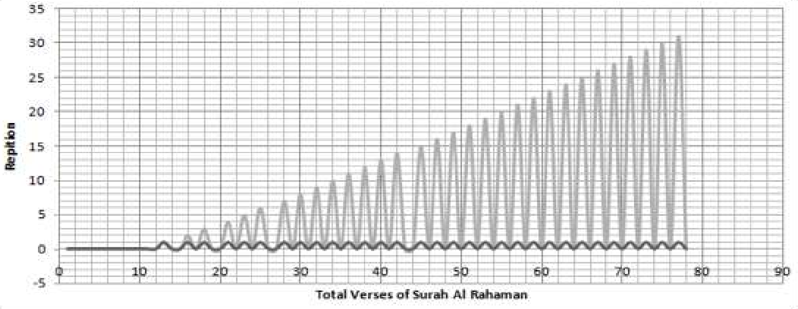

Fig 3 (a). Graph of Repetition versus total verses of the Sūrah 55

69, 71, 73, 75 and 77. It has been indicated in the fig 3 (3) in the graph expressing the repetition after 12 verses and larger gapes horizontal also indicate repetition after two verses.

Repetition is an integral part of aesthetic that is a rhetorical communicative function of the Sūrah. It has various limitations like man intrinsic requirement, to find the unattended facets of the Scripture, and

to become familiar with what has been stated etc. Murad Hofmann, in his book, *Islam the Alternative*, added that there seems to be a connection between the Arab's aesthetics principle of repetition triggering a state of ecstasy, on the one hand, and the attempt to portray God's infinity at other, and both aspects are presented in arabesques and other unending ornamentation.[20]

Regarding the demand of the repetition Said Nūrsī stated about the two verses of the Qur'ān[21] that if thousands of times, one repeats these verses of the universal thoughts what saturated with the wisdom, after too much reiteration the need to repeat them again would still remain and not ended. According to him repetition we need at every moment like the need of air and light.[22] Ibn 'Āshūr on the subject of 31 times repetition declared that the repetition is the mode of grandeur Arabic language. [23]

For better illustration, we may construct a graph of repetition versus total verses of the Sūrah, in which horizontal line shows the repetitive behaviour of verse (55:13) as shown in fig 3(b). Repetition after two verses at four place in the Sūrah has been discussed in the fig 3(b). Furthermore, what has been repeated 31 times in Sūrah al-Raḥmān Syed Ālūsī added as:

" وهذا التكرار أحلى من السكر إذ تكرر , إنما حسن للتقرير بالنعم المختلفة المعددة"[24]

"And this repetition is sweeter than sugar when it is repeated …

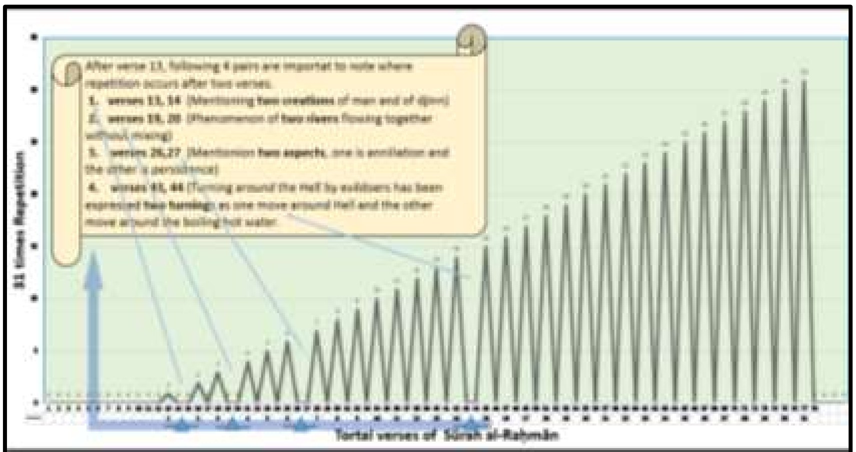

Fig 3 (B). Graph Indicating Repetition after two verses having beautiful link occurred four times in the Sūrah al-Raḥmān

But it is beauty of speech regarding number of different blessings"
On the other hand, two important Divine Attributes have been discussed in Sūrah 55 exclusively i.e. Majesty (*jalāl*) and Generosity (*ikrām*) both are related to the aesthetic reflection and both Divine Names are repeated two times in the Sūrah, while in whole Qur'ān, it is a unique glory of the Sūrah 55. Murata added that gradually Muslim theologians, mainly Sufis, started classifying the Divine Epithets into two groups, one is the attributes of majesty (*ṣifat al-jalāl*) and other is the attributes of beauty (*ṣifat al-jamāl*).[25] This categorization may be called as that it is in accordance with Sūrah al-Raḥmān.

Dr Muḥammad al-Ghazālī in his book's chapter 'in the core of rhetorical discussion' regarding the refrain repeated thirty-one time in the Sūrah al-Raḥmān puts as:

"However, this form of prolixity (aṭnāb) has been applied in the context of agitating such issue as often escape the attention of the listener."[26]

Regarding the question of repetition, towards metaphysical sense, Syed Ḥussain Naṣr expressed as:

" *it emphasizes what is called 'abstraction' which really means as opening onto intelligible world and stylization and repetition of pattern which in sense lead man to contemplation of the infinite in finite form.*"[27]

Salwa El Alwa demonstrates Debora Tannen model, concerning repeated various styles. She added that what have been repeated in the Holy Qur'ān is not just repetitive refrain so that they duplicate the same information exactly but each time it occurs the variation expanding our thinking…. .which include the aesthetic and rhetorical function as well as cohesive and communicative purpose."[28]

We may add, it is possible to understand more and more from natural phenomena and from verses of Holy Scripture by virtue of various repetition patterns. Rhetoric of the Qur'ān raises the question that how beautiful is the Lord, Who revealed this marvelous, miraculous and inimitable book. It may be added that this brief narration broadens our view regarding the importance of repetition in the Sūrah, indicating the unbroken chain of His mercy and favour upon us, even up to the relation of His own essence with His devotee, where no other reward

can be equaled to this kindness, which manifests that every breath of man must be decorated with His remembrance.

Impact of Rhyme and Rhythm: An Aesthetic View of Sūrah al-Raḥmān

Rhyme (*qāfīah*) and rhythm (*'Īqā' o tanāgham*) are the important part of decent talk and expression. As poetry was an integral part of beautiful communication and people of Arabs have the greatest tendency for it, passionate lovers of poetry and music spared much of their leisure time to these stylish activities. Robinson finds out that Sūrah al-Raḥmān has unique character of assonance Aān (آن) in the verses, moreover, he said that despite the large amount of diacritical marks, a page of Qur'ān often comprises aesthetic appeal while the Roman script unable to produce so.[29]

Likewise, Khalīl ur Raḥmān added that this Sūrah has the beautiful melody of the letter "ن" sound.[30] Regarding repetition Oliver Leamem added, that:

"Occasional variation does emphasize the repetition and produce a more lively text… [it] produces a subtle rhythmic and harmonious pattern of sameness and difference… It is certainly true that the use of constant repetition, which trains the power of recall, reflect an Islamic tradition of recitation and of seeing knowledge as external and as something to be revealed"[31]

For example words used for man (*Insān*) and djinn (*jinn*), both end with an alveolar nasal sound, and clearly the combination of these two endings produces a pleasant aural tone.[32] Rhyme and rhythm with a range of waves of feeling is the unique and astonishing style of the Qur'ān. This characteristic is also called an ornament of the Holy Qur'ān. So, Sūrah in this sense may also be stated as bridle of the Qur'ān. We may quote the Holy Saying that, *"Everyone has bridle and the bridle of Qur'ān is Sūrah al-Raḥmān."* [33] So, it may be added that in any shape, repetition may have great impact upon human thought to understand various angles of stated guidance. Into the bargain, what rhythm has been expressed in the Sūrah may be called as the source of satisfaction closed to the human nature.

Impacts vis-a-vis Encountering Objections: An Analyzing Caliber

To come across the objection that repetition in the Qur'ān is baseless with to do with specific objective and expression of sound utterance. It is not the question of bore and fatigue but a source to stabilize truth in the mind. As repetition has many dimensions from stylistics and rhetoric to that of impact upon human psyche either to exhort towards positive action and good deed or discourage from doing bad act. Moreover, this is the repetition (*taqrār)* that stabilize the whole Qur'ān used to commit to memory of Muslim and they get memorized. Concerning the matter, we may add the remarks and vintage point of Islamic scholars which justify how repetition is important and purposeful.

Repetitive refrains had been the integral part of Arabs poetry. Ibn Khaldūn (d.1404), a leading and distinguished Tunisian figure of the 14th century, commented regarding the poetry and its significance in Arabian life. He added that poetry is the highly effective form of expression and speech in their life. Hence, they recorded it as the important piece of their chronology. It was the caliber of goodness and badness, and the major criteria to be considered what is sciences and wisdom.[34] Whenever a poet emerged in an Arabian tribe, they used to do what is associated with their rituals and pleasure time, the Arabs used to congratulate each other only on the birth of a child and when a poet rose among them. Three things were very important to them, the birth of a boy, the emergence of the poet, the foaling of the noble mare.[35]

Al-Tha'ālabī stated that according to Ḥussain bin Faẓal, repetition is to get rid of neglectfulness and to be mindful. He added that 31 time repetition in Sūrah al-Raḥmān is for warning, inculcation and inspiration for human being, it is well known mode of rhetoric that can be seen in Qur'ān, Ḥadith and Arabic narration.[36] We may find the poetry having repetitive refrain like, "على ان ليس عدل من كليب" in some exegeses mentioned concerning the subject of 31 times repetition in the Sūrah al-Raḥmān. Like, the poetry of Muhalhal bin Rabī'ah expressed the repetitive demand of human's nature of that time as:

"على أن ليس عدلا من كليب   إذا طرد اليتيم عن الجزور
على أن ليس عدلا من كليب   إذا ما ضيم جيران المجير
على أن ليس عدلا من كليب   إذا خرجت مخبأة الخدور
على أن ليس عدلا من كليب   إذا ما أعلنت نجوى الامور"[37]

Al-Baghawī expressed that repetition is the routine matter of the Arabs for conveying the message in better way, it is considered as peerless beautiful speech.[38] Furthermore, it has also been added that the objective of repetition is to evoke meanings, and the more repetition, the more meanings that one may understand from the text…It is the result and the fruit of understanding and reflection. It is also a means to it when it does not exist.[39] We may encounter the objections of opponents regarding Qur'ānic repetition. Ibn Taymīyyah also added that, it is not merely the question of reiteration in the Qur'ān, but every declaration and utterance again and again is something of benefits.[40]

As repetition may be either for confirmation, or for censure or denunciating or alarming (awakening). The repetition 31 time in Sūrah al-Raḥmān is not a duplication whenever the verse repeated mentioning blessing as believed by Muḥammad Rashīd Razā.[41] Moreover, Khālid Kabīr 'Aalāl added that repetition in the Qur'ān is neither a mistake nor a meaningless, nor it is a question tautology in speech, but rather a purposeful, well-designed repetition and valid at all. But one who wants crookedness, remove the facts and understands from what is ill-commanding self.[42] On the other hand, this philosophy may be called as interlinked with the practical expression of Islamic art. For example Ismā'īl Rājī al-Fārūqī remarked that,*"A fourth characteristic which is demanded in order to create the impression of infinity in an art object is a high level of repetition."*[43] Parallelism, metaphor, simile, and allegory are only some of the many poetic devices that provide verbal richness and elaboration in the Qur'ān. "*The proliferation of these elements cause those who hear or read its passages to marvel at its beauty and eloquence.*"[44] In brief, Dr Muṣṭafā al-Rāfi'ī also added the Arabs were familiar with various expressions and uses of repetition either in affirmation of affairs or in their lamentation and mourning as well as what was unique and great that had been passed in their history. Quoting Jāḥiẓ, he expressed that repetition extends the domain and picture of meaning.[45] Hence it was the utmost need of days to consider something with more and more concentration towards the multiple aspects message that is being delivered.

Conclusion:

In the light of this discourse one may be familiar with what wisdoms behind the repetitive refrains mentioned in the Qur'ān. This

paper finds that repetition is an important and fundamental aspect close to human nature. It concludes that repetition may cause to focus upon the message laden with the verses before each reiteration associated with aesthetic reflection. Repetition is necessary to remember and stabilize truth in the mind and heart while on the other hand it results to acquire understanding that how repetition is purposeful confronting the objections of opponents in this regard.

As repetition occurred in the Holy Qur'ān many times with different types and styles with regard to different contextual domain. The impressions of repetition upon human feeling, thought and action having profound spiritual link saturating human needs. It is also important for human inner satisfaction, aesthetically observing the repeated design of nature as well as beautiful human manufacturing and development. We may consider ideas discussed in this discourse as a precursor of Islamic aesthetics and integral part of that philosophy that cause to contribute this particular field. On the other hand, the whole cosmic system, day and night, rising of sun and its setting as well as Islamic obligations of five time prayers, fasting, pilgrimage, greeting and salutation upon Holy Prophet (P.B.U.H), and remembrance of Allah (*azkār*), all are the beautiful expressions of repetition. So, the critics should have well-aware of epistemological consideration to understand the integral concept of Qur'ānic repetition

We may add, it is possible to understand more and more from what guidance and natural phenomena stated in the verses of Holy Scripture by virtue of various repetition patterns. It is important to note that human natural need may also be fulfilled and saturated by the mode of Qur'ānic repetition. One may repeatedly observe various favours of Lord mentioned in the Qur'ān, an important course to refresh one's thought and ideas. The Qur'ānic reiteration fertile the barren land of the heart and it satiates the human ears through the tuneful and melodious wave passing through them to every cell of the body. Rhetoric of the Qur'ān raises the question that how beautiful is the Lord, Who revealed this marvelous, miraculous and inimitable book. The repetition again and again, after explaining some natural aspects is also an invitation to recognize the Lord and to get His gnosis (*ma'rifah*) contemplating repeatedly through the study and observation of what has been created by Him.

References

[1] Yūsuf ‘Alī, ‘Abdullah, *The Holy Qur’ān: Arabic Text English Translation and Commentary*, (Ashraf Printing Press Lahore, 2006), p. 909
[2] Yūsuf ‘Alī, ‘Abdullah, Sūrah al-Raḥmān (55:13)
[3] Al-Jurjānī, Alī Bin Muḥammad, *Al-Ta‘rīfāt*, (Dār al-Kutab al-‘Ilmiyyah Beirut 1403/1983), p.65
[4] Ibn Manzūr, Muḥammad bin Mukarram, *Lisān al-‘Arab*, (Dār al-Ṣadir, Beirut , 1414), 5, p.135
[5] Al-Zarkashī, Badr al-Dīn, *Al-Burhān fī ‘Ulūm al-Qur’ān*, (Dār al-’Iḥyā’ al-Kutab al-‘Arabīah 1957) 1/221
[6] Al-Ibyārī, Ibrāhīm, *Al-Mawsūah al-Qur’āniah , (*Mawassisah Sajal al-‘Arab 1405), 2:236-237
[7] Qyed Quṭb, Ibrāhīm Ḥussain al-Shārbī, *al-Taṣawwar al-Fannī fī al-Qur’ān,* (Dār al-Sharūq Egypt 2004), 1:130
[8] Shāh Walī Ullah, Quṭb-ud-Dīn Aḥmad, *Al-Fawz al-Kabīr fī ‘Uṣūl al-Tafsīr*, Edited by Sulmān al-Ḥussainī al-Nadavī, (Dār al-Ṣaḥwah al-Qāhrah Egypt 1986), p.159
[9] Al Shooaraa ,26:9
[10] Yūsuf ‘Alī, ‘Abdullah, *The Holy Qur’ān: Arabic Text English Translation and Commentary,* p. 909
[11] Al-Rāzī, Fakhr al-Dīn Muḥammad bin ‘Umar, *Mafātīḥ al-Ghayb* (*al-Tafsīr al-Kabīr)*, (Dār al-Kutab al-‘Ilmiyyah Beirut 1421/2000), 24: 132
[12] Ibn Bāz, Abdul Azīz , *Majallah al-Jāmiah al-Islāīah*, (al-Madīnah al-Munawwarah, 1423/2002), 14:382
[13] Sa‘d , Muhmūd Tawfīq Muḥammad, *Al-‘Azfu ‘Ala Anwār al-dhikr*, (Al-Azhar University Egypt Publication 1424AH), p.40
[14] In this verse (26:28) natural phenomenon that may broaden one’s mental horizon has been stated by the Prophet Mūsa (A.S) (Moses) addressing their sense and intellect he added *the Lord of the East and the West and what is in between the two*. This was the reply of Mūsa (A.S) to Fir‘un (Pharaoh) when he said to the people that Musa A.S is nothing but insane confronting *Da‘wah* message.
[15] Al-Shooaraa,26:217
[16] Yūsuf ‘Alī, ‘Abdullah, *The Holy Qur’ān: Arabic Text English Translation and Commentary*, p. 910
[17] Al-Sha‘rāwī, Muḥammad Matwalī , *Tafsīr al-Sha‘rāwī*, p 6626, 6689
[18] Al-Rāzī, Fakhr al-Dīn Muḥammad bin ‘Umar, *Mafātīḥ al-Ghayb* (*al-Tafsīr al-Kabīr)*, 24: 105
[19] Kirmānī, Ḥamzah, *Asrār al-Taqrār fī al-Qur’ān*, edited by Abdul Qādir Aḥmad ‘Ata, (Dār al Fazīlat), p. 231
[20] Hofmann, Murad, *Islam the Alternative*, (Suhail Academy Lahore Pakistan 2000), p. 101
[21] Two verse means one from Surah al-Raḥmān (55:13) and other from al-Mursālāt (77:15)
[22] Nūrsī, Bediuzzaman Said, *The Miraculous Qur’an and Some of Its Mysteries,* (25th word) (The Light Publication New Jersey 2006), p. 231, 232,233
[23] Ibn Āshūr, Muḥammad al-Ṭāhir, *Al-Taḥrīr wa al-Tanvīr*, Vol 27, (Dār al-Tunisia, Tunis 1984) p. 229 this link may also be visited www.alukah.net/sharia/0/71455/.

[24] Al-Ālūsī, Shahāb al-Din Maḥmūd bin Abdullah, *Rūḥ al-Mu'ānī fī Tafīr al-Qur'ān al-'Azīm*, (Dār al-Kutab al-'Ilmiyyah Beirut 1415 AH), 14/96

[25] *Murata, Sachiko, The Tao of Islam: A Sourcebook on Gender Relations in Islam, (Albany, SUNY Press, 1992), p.102.*

[26] Dr Muḥammad al-Ghazālī, *Some Rhetorical Features of the Qur'ān*, (Islamic Research Institute, Islamabad 2014), p.225

[27] Syed Ḥussain Naṣr, *A Young Muslim Guide to the Modern World*, (Suhail Academy Lahore 1986/2004), p.103

[28] El-Awa, Salwa, *Repetition in the Qur'ān: A Relevance Based Explanation of the Phenomena*, (Islamic Research Institute Islamabad 2003), p.1, 2

[29] Robinson, Neal, *Discovering the Qur'ān*: *A Contemporary Approach to the Veiled Text*, 2nd edition (SCM Press 1996 and 2003), p. 135, 136, 12 and 23

[30] Chishtī, Khalīl ur Raḥmān, *Qur'ānī Sūrtuṇ kā Nazm-i Jallī,* (Dār al-Kutab Salfiyyah Lahore 2011), p.506

[31] Leamen, Oliver, *The Qur'ān an Encyclopedia*, (Routledge Publication New York, 2006) p. 57, 74, 192

[32] Ibid., p. 57

[33] It has been stated by Imām Qurṭubī in the preamble words (*Muqadimah*) of Sūrah al-Raḥmān, Hadīth # 7319, while Shaykh Albānī counted this Ḥadīth in the category of *Dha'īf* (weak one).

[34] Ibn Khaldūn, 'Abdul Raḥmān bin Muḥammad*, Muqaddimah*, tr Franz Rosenthal, (Princeton University Press United Kingdom 1969).

[35] Nicholson, R.A*, The Literary History of the Arabs*, (Cambridge press 1977), p 71

[36] Al-Tha'ālabī, Abdul Ur Raḥmān bin Muḥammad bin Makhlūf bin abī Zayd*, Jawāhir al-Ḥisān fī Tafsīr al-Qur'ān*, Vol 5, edited by Abdul Fattah Abu Sinna, (Aḥyā al-Turāth al-Arabī, Beirut Lebanon 1980), p. 349

[37] Number of Exegetes have quoted this repetitive pattern of poetry by Muhalhal bin Rabī'ah. For example, Dr Al-Zuḥaylī, Musṭafa al-Marāghī and Al-Ālūsī etc. elaborating the verse (55:13), they mentioned cited refrains.

[38] Baghawī, *Ma'ālim al-Tanzīl*, Vol 7, Dār al Ṭayyibah Riyād Saudī Arabia, p. 443

[39] Al-Lāḥim, Khālid Abdul Karīm, *Miftāḥ Tadubar al-Qur'ān wa al-Najāḥ fī al-Ḥayāt,* (Al-Riyadh Publication Saudi Arabia 1425), p. 46

[40] Ibn Taymīyyah, Taqī al-Dīn al-Ḥarānī, *Majmūha al-Fatāwa*, edited by Abdul Raḥmān Muḥammad bin Qāsam, (Majma' al-Malak Fahd Publication Al-Madīnah Al-Nabawīah, 1995), 14/408

[41] Razā, Muḥammad Rashīd, *Tafsīr al-Mannār*, Vol.1 (al-Hay'iah al-Masriyyah 1990), p. 39

[42] 'Aalāl, Khālid Kabīr, *Abāṭīl wa Khrāfāt Ḥawl al-Qur'ān al-Karīm wa al-Nabbī Muḥammad (SWA)*, PhD Thesis Islamic History, (Dār al-Muḥtasab 2008), p.129

[43] Al-Fārūqī, Isma'īl Rājī, *The Art of Islamic Civilization*, Occasional paper 24, (IIIT Publication, London 2013), p. 8

[44] Ibid,. p. 15, 17

[45] Al-Rāfi'ī, Musṭafā Ṣādiq, *Ijāz al-Qur'ān wa al-Balāghah al-Nabavīah*, (Dār al – Kutab al-'Arabī Beirut Lebanon 1983), p 193, 194,195

Religious Marginalization/ *Othering* of Pakistani Women in *Islamabad Blues* by Ladurner

***Amna Saeed**
****Zukhruf Gul**

Abstract

The aim of this qualitative research is to investigate the religious marginalization/*othering* of Pakistani women in the memoir *Islamabad Blues* (2004) by Ladurner. This research introspects Pakistani women's oppression and marginalization as *others* by Eastern patriarchal system and Western imperialistic perspective in the selected text. The epistemology for this research is postcolonial feminism. The selected theoretical framework is Mohanty's *Under Western Eyes* (1984) and Said's notion of *othering* from *Orientalism* (1978). Textual analysis is selected as a method of analysis with a focus on the most likely interpretations of the text. According to McKee's *Textual Analysis* (2003), every text should focus on 'contextualization'. Without taking into account the exact socio-cultural context, one cannot assert one's own *self* as right/superior and the *other* as wrong/inferior in a text. McKee's contextualization works as a lens to highlight that the Eastern context of culture and religious teachings are not taken into account while constructing Eastern women's identity in the selected text ultimately marginalizing them on the basis of religion.

Keywords: Religious marginalization, Othering, Postcolonial Feminism, Double – colonization, Identity Construction.

Introduction

The present qualitative research is based on postcolonial feminist investigation of the memoir *Islamabad Blues* (2004) by Ladurner. It examines how Pakistani women are misrepresented in Western discourse as oppressed and silenced by Islamic values. This research is conducted in light of Mohanty's (1984) theoretical perspective of *Under Western Eyes* and Said's perspective of *marginalization*/*othering* from *Orientalism* (1978). *Under Western Eyes* focuses on Eastern women's oppression by Oriental patriarchal system as well as their subjugation by Western imperialistic perception. While, *Orientalism* sheds light on Western idea of portraying the Westerner as *self* and the Eastern people, particularly the women as *others*. The selected method for this research is *Textual analysis*.[1] The analysis aims to explore the double – colonization of Pakistani women to investigate their oppression in

* Assistant Professor, Dept. of Humanities,COMSATS University, Islamabad
** Research Scholar, COMSATS University, Islamabad

oriental patriarchal system and furthermore their marginalization as *others* from Western perspective and also how their identity is constructed in the Western texts as oppressed and isolated women.

Postcolonialism deals with the multifarious themes like oppression, violence and resistance of the postcolonial nations. "The term 'Postcolonialism' once referred exclusively to the discursive practices produced the historical fact of prior colonization in certain geographically specific segments of the world that is now more of an abstraction available for figurative deployment in any strategic re-definement of marginality".[2] The abstract division of geography is self – ascribed construct that highlights the criterion of dividing the humanity in *self* and *other*. "It is not the center that determines the periphery, but the periphery that, in its boundedness, determines the center.".[3] This construct serves as a survival-kit for portraying the orient as inferior and *other* by presenting the occident as superior, center and *self. Other* portrays a complete contrast with the *self* of the Occident, carrying the darker traits of humanity, and furthermore, dehumanized and silenced. It is the very soul of all the forms of dominance whether it is epistemic, cultural, economic, political, and military and it is so integral to colonized countries that literature cannot ignore it. The division that is based on geography among orient and occident is obvious. According to Said, the orient is represented as the negative *other* so that the occident can be presented as positive *self.* Occident has its own mindset observing the orient as Said asserts in Orientalism (1978) as "Orientals are people with hysteria, seduction and desire".[4] This inequality among orient and occident is observed in furthermore gender discrimination in oriental patriarchal system where "personal traits and pattern of behavior (including responsibilities, opportunities and privileges) that a culture attaches to "being female or male".[5] In this way, females' identity is constructed as *others*. Males present themselves as dominant over women and their identity is constructed as *self.* In division of orient and occident, male and females, it is the females who are subjugated and their social/religious marginalization is created by 'double – colonization.'

Islamabad Blues (2004) is written by German male writer Ulrich Ladurner. Ladurner came to Pakistan as a journalist after the war and terror in Afghanistan to collect information about war as Pakistan and Afghanistan are Muslim countries. Ladurner stayed for two months in

Pakistan. He wrote about different aspects of Pakistan and Pakistani's ways of living in his memoir. In particular, he observed Pakistani women's suppression by Eastern patriarchal system and majorly focuses on Islam as the source of their marginalization in society.

In the current research, the selected text is explored on account of religious marginalization and the resultant identity construction of Pakistani women as treated in oriental patriarchal system through the lens of the occident. The cultural norms, religious practices, ways of living of the orient are investigated by the occident and perceived through their occidental lens while observing the orient as *other*. "It is the reflection of relationship of imperial and intellectual domination of the West which feels it is superior to an inferior/other East"[6]. One holds a particular position as the powerful occident asserts himself, his nation, country, society or group as *self* and the orient is tagged as *other*. "The Orient was almost a European invention, and had been since antiquity a place of romance, exotic beings, haunting memories and landscapes, re-markable experiences"[7] .Hence, this research explores how the Western lens constructs Pakistani women's identity as *others* through religion in the selected text.

Thesis Statement

The current research aims to investigate the religious marginalization of Pakistani women as oppressed *others* by Western discourse in *Islamabad Blues* (2004) by Ladurner. Although the colonial era has ended, still Eastern women face oppression by not just the Eastern cultural practices but also by their identity constructed as marginalized by Western discourse. The Westerners envision Islam as only a source of oppression for women and totally fail to understand the oriental perspective of Islam as actually a source of liberation for Pakistani women. This research raises the issue of double – colonization of Pakistani women in the selected text to highlight the misinterpretation of women rights in Islam in Western discourse.

Western *Othering/* Marginalization of the Orient

Othering from Said's perspective highlight the Western invention of 'orient' as: "The Orient was almost a European invention"[8] .The West brought the term of "orient" on surface that is "a style of thought based upon an ontological and epistemological distinction made between "the

Orient" and (most of the time) "the Occident" (P. 2).[9] Orient and oriental people are portrayed by the Occident through their own perception. Orientalism is a system that is created for gaining and producing knowledge for the orient. The true knowledge is based on scientific facts and the other knowledge is embedded in purpose in Said's (1978) words. In this purpose, the differences are created for constructing the identity of East and West: "There are Westerners, and there are Orientals. The former dominate; the latter must be dominated"[10]. The oriental's image is created as weak and to be dominated by the West. "Thus the European is rational, virtuous, mature, normal"[11]. While, the non – European and Eastern people are portrayed as irrational, immature and other than normal. The differences were created for positive *self*-image of the West so that the Eastern image should be portrayed as the *other.*

The notion of double – colonization explains women's double – oppression and dual sufferings as a woman in oriental patriarchal system and as a postcolonial inhabitant from occident's perspective. "Double – colonization refers to the ways in which women have simultaneously experienced the oppression of colonialism and patriarchy"[12]. Al though the colonial era is over however, even in the present times, Eastern women are doubly marginalized in the world. Given the global context of Postcolonialism, Eastern women are marginalized as *others* by the oriental patriarchal society and also by the Western construction of Eastern females' identity as weak, oppressed, and uncivilized. In oriental patriarchal system, women are considered inferior and *others* to males. "In this way, violence, marginalization and *othering* are the core common concerns of postcolonial feminism, which is a sub – section of postcolonial theoretical approach that seeks to explore patriarchal subjugation and females' marginalization in colonial and postcolonial context".[13]

Postcolonial feminism asserts the Eastern women's maltreatment in Eastern patriarchal system as well as their oppression through the perception from Western understanding as: "In other words, only in so far as Woman/Women and the East are defined as *others*, or as peripheral, that (Western) Man/Humanism can represent him/itself as the center."[14]. She sheds light on women's *othering* in patriarchal context on account of gender discrimination which leads to the oppression of most of the women in many countries. With regards to this

suppression, oriental women are doubly marginalized due to societal male dominant and Western imperialism prevailing in many postcolonial countries even after their independence from the colonial powers. In *Understanding Postcolonial Feminism in Relation with Postcolonial and Feminist Theories*, Eastern women's oppression is described as: "She suffers from double – colonization as she simultaneously experiences the oppression of colonialism and patriarchy"[15]. It underscores the double oppression faced by oriental women by patriarchal and the Western colonization that Eastern women are double oppressed by patriarchal system and colonialism in McLeod's (2010) stance. Eastern women are oppressed by patriarchy, but the West relates it with the religion Islam. Western feminists write that Muslim females are affected by the patriarchal system since the time of the Prophet Mohammad as it is narrated by Mohanty (1984). She addresses this biased concern of the Western feminists as under

> Thus, all women, regardless of class and cultural differences, are affected by this system. Not only are all Arab and Muslim women seen to constitute a homogeneous oppressedgroup, but there is no discussion of the specific practices within the family which constitute women as mothers, wives, sisters, etc. Arabs and Muslims it appear, don't change at all. Their patriarchal family is carried over from the times of the prophet Mohammed. They exist, as it were, out- side history.[16]

Western discourse gives the impression that Muslim women are marginalized by religion in patriarchy. While, *most* if not *all* women, across borders and cultures are defeated by tyrant patriarchy as females are exploited by males all over the world as it Mohanty (1984) illustrates it. "This exploitation results in an assumption of women as an always-already constituted group, one which has been labeled "powerless," "exploited," "sexually harassed," etc., by Western feminist scientific, economic, legal and sociological discourses. The exploitation needs to be noticed that is quite similar to sexist discourse labeling women weak, emotional, having math anxiety, etc" (P. 338).[3] She persuades *all* women to unite under the umbrella of sisterhood without dividing Eastern women from Western superiority.

Methodology

The current research is qualitative in nature. *Textual Analysis* (2003) as presented by McKee is applied to meet the needs of the research. The conceptual framework for this research is Mohanty's *Under Western Eyes* (1984), to raise the concerns of double – colonization, along with Said's notion of *othering* from *Orientalism* (1978). Double – colonization deals with the oppression of Eastern women by the patriarchal system and furthermore, their marginalization as *others* from Western perspective in the Western text *Islamabad Blues* (2004). The proposed model of *Textual analysis* focuses on the contextualization of every text from McKee's (2003) perspective. According to him, contextualization refers to multiple interpretations of any text. On the basis of context, cultural meanings may be interpreted differently by different people based on their experiences/understandings. According to this model, on the basis of personalized meanings, the *other* cannot be represented as wrong or right through an assertion of positive self – portrayal. Anything that may be acceptable in one context, may not be appreciated in another culture or context. Without concentrating the *others* context, one's image cannot be created as wrong, rather context of that image presentation should be taken into account. The selected model focuses on the contextualization of every text while creating/constructing the image/identity of women as *others*. In this way, textual analysis of the selected text aims at the postcolonial feminist concerns in the context of developed theoretical framework

Religious Marginalization/ *Othering* of Pakistani Women in *Islamabad Blues*

Based on misinterpretation of religion, Pakistani women's identity is constructed as oppressed in Eastern patriarchal system and they are further marginalized as silenced/weak in Western discourse. The third world women/colonized women by imperial power are positioned at periphery as the first world feminists position themselves at center according to Mohanty's (1984) stance. The colonized/third world women's image is created as they are bound between needs and desires so that their own image should be created as enlightened, educated center, having free will. Linking it with the analysis of *Islamabad Blues* (2004), the colonized Pakistani women's oppression is investigated by the cultural practices of religion, social role/status of women in society,

Western perception of veil, voiceless of Eastern women. In the light of Quranic references, the analysis highlights how in the above mentioned spheres of life, the colonized women are perceived by the Western imperial power and how their identity is constructed in the selected text.

1. Cultural Practices of Religion

Pakistani women are oppressed by the Eastern patriarchal system due to gender discrimination. Males marginalize them through the cultural practices of religion. Ladurner came to Pakistan as a reporter to investigate people's views on 9/11, and religious extremism. He met with a salesman to know his views about it. Ladurner in his memoir Islamabad Blues (2004) mentions about his meeting with a salesman from which came to know how Pakistani women are treated by the males. Ladurner asks him about the marginalization of females in the following excerpt:

Journalist: "This regime oppresses women."

Salesman: "We don't oppress women. Islam teaches us: if a woman, for example says black, as a man you must say white".[17]

In the above-mentioned quotation, according to the journalist' perspective, it is Pakistani regime that is oppressing women, while from the salesman's perspective, this oppression stems from the teachings of religion i.e. Islam. But it is neither religion nor regime that is oppressing women, rather it is the patriarchal system that gives more importance to the male's stance and allows males to contradict a female's verdict. In this way, women are subjugated by cultural practices of religion as males mold religious references according to their needs and desires. Males do so to maintain their superiority: "In particular, several verses from the Qur'an have frequently been used to support the claims of the inherent superiority of males over females".[18] Due to the patriarchal system's influence, male presents religious references out of context that are beneficial for their own needs and desires. The salesman further supports his claim of opposing a woman's verdict by giving the following reason:

Salesman: "We have another rule which says that the testimony given by a woman in a court of law is worth only half as much as that of a man. You need two women to offset the testimony of one man". [19]

The salesman further asserts that according to religion, a female

needs to be accompanied by another woman or a male in order to give her testimony in a court of law. In the eye of religious law, she being a female is considered only half a witness. The text asserts that it is perceived by Pakistani males that females are less intelligent, or they are deficient in intelligence and lack commonsense. They link it with the teachings of Islam by their cultural practices of religion for placing restrictions on women in testimony and in intellectual matters. Unfortunately, this misconception regarding Quran is propagated as its reference is given out of context. Quran in Surah al-Baqrah (2: 282) narrates about bringing two women as:

> If there are not two men, then a man and two women, such as ye choose, for witness, so that if one of them errs, the other can remind her.[20]

The purpose of bringing two women is to focus that two women will support each other's memory. It does not assert that they are less intelligent than men, rather it focuses on women's forgetfulness as there can be more chances of forgetfulness so they are asked to bring two women. If one of them forgets something the other can remind her. The scientific reason behind this forgetfulness is that levels of estrogen during menopausal transitions brings forgetfulness in women that helps them to forget premenopausal pain. This forgetfulness due to changing menopause is recognized by different researches as: "The menopausal transition is a time of increased vulnerability to cognitive declines. A majority of women report forgetfulness and concentration difficulties during the menopausal transition".[21] The period of premenopause creates forgetfulness as it releases estrogen. According to an international foundation of *What to Expect When we are Expecting* (2018) investigated that women tend to forget why they walked in to the street for, where did they left their purse etc., as forgetfulness is a common and normal characteristic of estrogen imbalance, pregnancy and premenopause.

Memory issues are a normal occurrence during premenopause. If you are in premenopause, you may be worried about lapses in your memory. But mild memory forgetfulness is very common. They happen because your body is making less estrogen. And for women, the effect is temporary. This doesn't happen immediately. During premenopause, your estrogen level goes up and down a lot. This is when many women experience symptoms associated with the transition to menopause.[14]

Women usually forget things during the transition to menopause as their estrogen levels fluctuate. This forgetfulness serves as a blessing for women as it allows them to forget painful experiences. But in the Eastern patriarchal system, males give religious references out of context where there is matter of recording testimonies of witnesses. The Eastern male considers women less intelligent without focusing on the background of bringing witnesses with her and he gives impression that she is half intelligent than male. He does not bother to focus on her forgetfulness rather perceives her as less intelligent. Forgetfulness does not suggest that women are less intelligent.

The Quranic references about bringing witness with the woman refers to women's forgetfulness. It does not denote that they are less intelligent or unwise. Rather it highlights women's tendency towards forgetfulness that if one forgets then the other can remind her. But the patriarchal system presents this reference out of context because women's portrayal as less intelligent and unwise can exhibit males' wisdom and intelligence. In this way, Eastern women's identity is constructed as less intelligent or less wise by male's perception of intelligence.

2. Women's Rights to Education

Pakistani women are devoid from the rights of education. Due to dominance of patriarchal system, women do not have equal rights of getting education like males and they are marginalized by constitution of education. Women's right of education is asked by Ladurner (2004) as:

> Journalist: "women are not allowed to work, and they are not allowed to attend school."
>
> Salesman: "This is only because at the moment there are not enough school buildings. First, they have to build. Then, women can also go to school again. But man comes first, he's more important".[22]

Apart from other due rights, women are even devoid from the right of education. From Eastern patriarchal perspective, it is not as important for women to get education as it is for male. The patriarchal system divides the roles from the very start of the birth of daughter and son. As son is perceived the bread – earner of the family so he is preferred to get

education and daughter is supposed to take care of home so her education is not considered important like the son. Even the gender 'woman' is not born rather it is constructed from the birth by society by saying them to: "perform the role of a good mother and housewife within the four walls of the house rather than to become an educationist, manager, or community leader in the active life of a society.".[23] But in Eastern patriarchal society roles for both genders are divided for them as staying at home, being uneducated, taking caring of children is associated with women's duties, while man's job is to earn livelihood and educated. Even the Eastern patriarchal society forgets that Hazrat Khadija's (R.A) profession of business and there are many other examples as well. Quranic teachings for the emphasis on reading, reciting and rehearsing" in Surah Al Alaq or Iqra (96: 1-5) addresses as:

> Proclaim! (or Read!) in the name of thy Lord and Cherisher - Who created – created man, out of a (mere) clot of congealed blood. Proclaim! And thy Lord is Most Bountiful, He taught (the use of) the pen, Taught man which he knew not.[24]

There is emphasis in Quran to read and rehearse. There is no limitation/discrimination of gender in it as the saying of Holy Prophet (PBUH) is evident in this regard as: Acquisition of knowledge is binding on all Muslims (both men and women without any discrimination). There is no discrimination of gender to get education as Muslim women have left the marks in the education field. Among hundreds of splendid educated women, some needs to mention here:

> For example, Ayesha (R.A), the wife of Prophet Muhammad (PBUH), was a lady of profound erudition. Many Sahaba (companions of the Prophet) and Tabeeyen (direct followers of the sahaba) used to come to her for learning Islamic law, theology and Hadit. Zainab (R.A), the daughter of Hazrat Ali (R.A), was a great Islamic scholar of theology. Fatima Binte Abas and Sikha Sayeeda, the two Islamic scholars, used to come to the mosque regularly to deliver lectures on Islamic theology.[25]

In Islam, there is equal emphasis of education for both genders as the above mentioned examples regarding education from Quran and other Muslim women in the time of prophet (P.B.U.H) are evident. The most important of all is that religious emphasis through Quranic interpretations, Hadith and other examples of the female sahaba is not taken into account for Eastern patriarchal system. In a nutshell, it is

Eastern patriarchal system that disallows women from the right of education by diving roles. Males are supposed to get education to earn livelihood and female are perceived to look after the home and her right of education is not considered as important for Eastern patriarchal society as it is perceived important for males.

4. Purdah and Social Participation of Women

As Pakistan is an Islamic Republic and Pakistani people's ways of thinking and living are based on religious grounds and enriched with its own culture as well. While for the West, the scenario is totally opposite. The blessing for one culture/context is a curse for the other culture/context. Pakistani women's seldom coming out of their homes is considered an oppression from Western imperialism prevailing in once colonized countries even from the post-colonial era observes Pakistani women through the colonizer's mindset. As Ladurner writes in his memoir Islamabad Blues (2003) that women are least visible in Pakistan, and it reflects their oppression You see women on the streets of Islamabad veiled and in small numbers. But all the same, they are least visible. And yet, when I enter a shop, they disappeared immediately. Women are eliminated from the public view as this regime oppresses women.[26] According to Ladurner, in Pakistan, women are least visible in public view. They are either in veil or they are in very small numbers in streets of Islamabad and he perceives from his Western understanding that they are oppressed by the state and that is the reason behind their less public appearance or seldom coming out of their homes and in veil. While, in Pakistan due to different codes of conduct/context purdah has its cultural importance that is not oppression for Pakistani women as the West perceives it. Pakistani regime is male omnipotence that is so suffocating as it is oppressing women from Ladurner's stance:

> I only see a lot of male faces. But after almost four weeks of stay, I am getting the barracks mentality. In the morning, I am greeted by a man at a reception desk, a man cooks my scrambled eggs, a man cleans my room – it's this male omnipotence that is so suffocating.[27]

Pakistani regime's image is created as a suffocating and male dominant place, where women are eliminated from public view

according to Ladurner, there are males everywhere at duties, at reception, scrambling eggs, cleaning rooms. Pakistani women's identity is constructed as suppressed at homes from Western imperialistic perspective. They seldom come out of their homes. The oppression of staying at home from the Western perception is a blessing from the Eastern context for Pakistani women. There are differences of cultures and values between Pakistan and the West. The Western writer creates Pakistani women's image as suppressed because of less public view as others, to construct Western women's identity as enjoying liberty and freedom and self. The differences of both cultures are not taken in to account, rather they are presented to show Pakistani women's oppression, dependence and Western women's liberty and freedom.

5. Western Perception of Veil

Eastern countries, their religious values such as purdah and veil are considered oppressive in the Western context. Pakistani women's identity is constructed as conservative and primitive because of their veils. A woman in veil is observed and associated with the conservativeness of the area from Ladurner's Western perception: She lowered her veil to cover the face. Now only her eyes were visible. Apparently, her neighborhood was more conservative than the inner city".[28] A female was observed fully covered in veil, only her eyes were visible through the veil and covering herself denoted her residence in conservative area from Ladurer's Western perception. The imperial colonizer writer does not consider the cultural context of the veil for Pakistani women, rather it is depicted for the politics of comparison between Pakistani and Western women. By constructing Eastern women's identity as conservative as others because of their veils, the Western female's identity is constructed as modern and self. In this regard that veil's context and situatedness must be considered and on the basis of different cultural and religious backgrounds/context, one cannot assert the other as conservative to present one's own self as modern from Mohanty's perception

To wrap up the above discussion of Pakistani women's marginalization through the Western perspective, in social life, Western perception of veil, voicelessness of Eastern women, honor based gender discrimination, it is obvious that colonizer's perception about Pakistani women's identity is constructed through colonizer's mindset as others. The colonizer's mindset constructs Pakistani women's identity at

periphery due to colonizer's superiority of centeredness. This Western imperialistic mindset regarding his perception about Eastern women is based on abstract oppression that does not have any obviousness. The obvious oppression of patriarchal discrimination that subjugates not if not all but most the women of the world, across cultures and beyond race suffer. While, Pakistani women's identity as others is constructed from Western imperialistic perspective that is based on geographical division that the West wants to maintain the relationship of colonizer and colonized, master and slave, superior and inferior, civilized and uncivilized even after the post-colonial era. Now they are colonized by imperial enslavement. Pakistani women's identity is constructed voiceless in social discrimination, oppressed and conservative through Western perception of veil and the matter of honor as crazy. The Eastern women are perceived as voiceless, and others, while Western women's image is created as voiced, enjoying freedom, modern and positive self. The West should consider the religious and cultural contexts of honor and veil, and focus on the suppression that all women of the world face under patriarchy.

Conclusion

The current research aimed to investigate Pakistani women's religious/social marginalization based on misinterpretation of religion in the selected occidental text. In light of provided Quranic references, it gets clear that Eastern females are suffering not by religion but by the patriarchal system in Pakistan. While on the other hand, Western oppression for Eastern women is baseless because it depicts Western imperial mindset for judging Pakistani women as well. Western marginalization of Pakistani women is not based on social obviousness, rather it clearly reflects occident's tendency to create another contrastive entity to be placed at margin so that Western identity could be constructed at center and the relationship of master, slave and colonizer and colonized could be maintained as it was observed in colonialism. Pakistani women's oppression by patriarchal system is evident as *most* if not *all* of the women suffer under patriarchy. Moreover women in the West are as subjugated by men as women in the East.

References

[1] Mckee, Alan. Textual analysis: A beginner's guide. Sage, 2003.
[2] Ashcroft Bill, Gareth Griffiths, and Helen Tiffin. The post-colonial studies. Routledge, 2006,p.27
[3] Mohanty, Chandra Talpade. "Under Western eyes: Feminist scholarship and colonial discourses." Boundary 2 (1984): 333-358,p.353
[4] Young, Robert. "White mythologies revisited." White Mythologies: Writing History and the West (2004): 1-31, p.214
[5] Macionis, J. J., and K. Plummer. "Sociology: A global introduction, 5th (edn.)." Harlow: Pearson Education Limited (2012). p.170
[6] Said, Edward. Orientalism. Vintage Books, 1978. p.3
[7] Ebid, p.1
[8] Ebid,p.1
[9] Ebid,p.2
[10] Ebid, p.36
[11] Ebid, P. 40
[12] Ashcroft, Bill, Gareth Griffiths, and Helen Tiffin, eds. The post-colonial studies reader. Taylor & Francis, 2002. p.250
[13] McLeod, John. "Postcolonialism and Feminism." beginning Postcolonialism (2010): 197-232.
[14] Mohanty, Chandra Talpade. "Under Western eyes: Feminist scholarship and colonial discourses." Boundary 2 (1984): 333-358. p.353
[15] Tyagi, Ritu. "Understanding postcolonial feminism in relation with postcolonial and feminist theories." International Journal of Language and Linguistics 1, no. 2 (2014): 45-50. p.10
[16] Mohanty, Chandra Talpade. "Under Western eyes: Feminist scholarship and colonial discourses." Boundary 2 (1984): 333-358. p.342
[17] Ladurner, Ulrich. Islamabad blues. Alhamra Publications, 2004. p.68
[18] Wadud, Amina. Qur'an and woman: Rereading the sacred text from a woman's perspective. Oxford University Press, USA, 1999. p.65
[19] Ladurner, Ulrich. Islamabad blues. Alhamra Publications, 2004. p.68
[20] Ali, Abdullah Yusuf. An English interpretation of the Holy Quran. Lushena Books, 2001. p.35
[21] Weber, Miriam T., Pauline M. Maki, and Michael P. McDermott. "Cognition and mood in perimenopause: a systematic review and meta-analysis." The Journal of steroid biochemistry and molecular biology 142 (2014): 90-98. P.2-3
[22] Ladurner, Ulrich. Islamabad blues. Alhamra Publications, 2004. p.68
[23] Hakim, Abdul, and Azra Aziz. "Socio-cultural, religious, and political aspects of the status of women in Pakistan." The Pakistan Development Review (1998): 727-746. p.378

[24] Ali, Abdullah Yusuf. An English interpretation of the Holy Quran. Lushena Books, 2001.p. 457
[25] Elius, Mohammad. "Islamic View of Women Leadership as Head of the State: A Critical Analysis." Arts Faculty Journal (2010): 195-205.p.197
[26] Ladurner, Ulrich. Islamabad blues. Alhamra Publications, 2004. P. 63
[27] Ebid. p. 63
[28] Ebid. p.66

AL-ILM Journal is Indexed/Abstracted/Partnered with:

http://isindexing.com	https://iri.aiou.edu.pk/indexing/

http://religion.asianindexing.com/	https://www.australianislamiclibrary.org

✡

'**AL-ILM**' supports expression within Islamic boundaries, The views and opinions published in this magazine are from the authors, It is not necessary for the organization to have their full agreement.'**AL-ILM**' welcomes the writing of special scholars on the following topics.

1- The Holy Quran......... History and commentary, technical and scientific topics
2.Hadith and Sunnah….. History, Texts, Principles, Applications
3- Jurisprudence & ijtihad…History, Narrative, Principles, Promotion, Practices, Theology
4- Islamic history…. Contents, Topics, New History of Islamic History
5- Islamic denial…………History, Topics, Age Topics
6. Islam & the West-Scientific and intellectual traditions……..cultural comparisons, modern sciences
7. Islam and the arts……..Islamic teachings, interactions, religions and aesthetics, interdependence, literature
8. Islam and Modern Debate…….International Agreements, Geographical Boundaries, Global Economy, Globalization, Human Rights, Political and Social Role of Women
9. Religious Studies - History, religious trends, contemporary situation

✡

Prize: Pakistan 1400 Per Year, Overseas : US$ 50

Journal can be accessed online from:

- https://www.gcwus.edu.pk › al-ilm
- https://www.gcwus.edu.pk › research-journals
- https://iri.aiou.edu.pk/indexing/
- https://archive.org/
- http://isindexing.com
- http://religion.asianindexing.com/
- https://www.australianislamiclibrary.org

Bi- Annual

AL-ILM

(January -June 2020) Vol. 4   Issue :1

Multilingual Research Journal for Islamic Studies

Pattern in Chief : **Prof. Dr. Rukhsana Kousar**
Vice Chancellor

Pattern : **Prof. Naila Arshad**
Incharge Dean of Arts & Social Sciences

Editorial Board

Editor : **Dr. Sayeda Sadia**
Incharge Institute of Arabic & Islamic Studies

Sub Editors : **Sameea Mujahid ,Iqra Khalid, Sumreen Aftab**

Institute of Arabic and Islamic Studies, Govt. College Women University, Sialkot- Pakistan

Email: editor.alilm@gcwus.edu.pk Website: www.gcwus.edu.pk

Advisory Board (International)

- **Prof. Dr. Yasin Mazhar Siddiqi,** Ex Director Shah Wali Allah Research centre, Ali Ghar University India
- **Prof. Dr. Syed Salman Nadvi,** Ex. Dean of Arts, Durban University, South Africa.
- **Prof. Dr. Ismail Ibrahim Jaffer,** Chairman, Department of Religious Studies, University of South Africa, Africa
- **Prof. Dr. Israr Ahmad Khan,** Religious Faculty Social Sciences, University of Ankara, Turkey
- **Prof. Dr. Mumtaz Ali,** Department of Usool-ul-Din ,International Islamic University, Malaysia
- **Prof. Dr. Abdullah Ihsan,** Department of Political Science & International Relations, Istanbul Sehir University, Dargos Campus, Turki
- **Prof. Muhammad Abdul Karim,** State Islamic University of Sunan Kalijga Yogyakarta, Indonesia
- **Dr. Dicky Sofjan ,** Indonesian Consortium for Religious Studies, Indonesia
- **Dr Muhammad Abdul Razaq Aswad,** Associate Professor, Sunah & Uloom ul Sunah, Faculty of Ethical Education, Imam Abdul Rehman Bin Faisal University, Dmam, Saudi Arabia
- **Dr. Noor Mohammad Osmani,** Associate Professor , Department of Qur'an & Sunnah Studies, IIU ,Kuala Lumpur Malaysia
- **Dr. Alimatul Qibtiyah,** Associate Professor, Faculty of Dawah & Communication, Islamic State University, Yogarta, Indonesia
- **Dr. Aminuddin Hassan,** Associate Professor, Department of Foundations of Education, Uvinersiti Putra Malaysia
- **Dr. Zubair Zafar**, Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Ali Garh Muslim University, India
- **Dr. Wael Ali Syed,** Assistant Professor, Faculty of Education Ain ul Shamas University, Qahira, Egypt
- **Dr Muhammad Rafiq Habib,** President British Council of Islamic Guidance , Glasgow, England
- **Dr. Alhagi Manta,** Fellow Higher Education Academy & Fellow Royal Society of Arts, England
- **Dr. Hafiz M. Muneer Al-Azhari ,** President Kareemiya Institute Research Department, England

Advisory Board (National)

- **Prof. Dr. Qibla Iyaz,** Chairman, Islamic Ideology Council, Islambad
- **Prof. Dr. Jamila Shaukat ,** Professor of Emirates, Institute of Islamic Studies, University of Punjab, Lahore
- **Prof. Dr. M. Hammad Lakhvi ,** Dean Faculty of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore
- **Prof. Dr. Syed Sultan Shah,** Dean Faculty of Languages , Islamic & Oriental learning, Govt. College University, Lahore
- **Prof. Dr. Abdul Ali Achakzai,** Dean of Social Sciences, Blochistan University, Quetta
- **Prof. Dr. Hamayun Abbas Shams,** Ex Dean Islamic & Oriental Studies, Govt. College University, Faisalabad
- **Prof. Dr. Muhammad Saad Siddiqui ,** Director Institute of Islamic Studies, University of Punjab, Lahore.
- **Prof. Dr. Muhammad Ejaz ,** Director Shaikh Zayid Islamic Center, University of Punjab, Lahore
- **Prof. Dr. Miraj ul Islam Zia,** Ex Chairman Department of Islamic Studies, Pashawar University,Pashawar
- **Prof. Dr. Abdul Qudoos Sohaib,** Ex Chairman Department of Islamic Studies, Bhauddin Zakariya University, Multan.
- **Prof. Dr. Muhammad Abdullah Saleh,** Sheikh Zayad Islamic Centre, Punjab University, Lahore
- **Dr. Shah Moeen-ud - Din Hashmi,** Chairman Department of Hadith & Seerah , Allama Iqbal Open University,Islamabad
- **Dr. Hafiz Muhammad Sajjad,** Chairman, Department of Inter Religion Dialogue, Allama Iqbal Open University, Islamabad
- **Dr. Syed Abdul Ghaffar Bukhari,** Chairman Department of Islamic Studies, National University of Modern Languages, Islamabad
- **Dr. Hafiza Shahida Parveen ,**Chairperson Seerat Chair Gender Studies & Women Rights/ Associate Professor, Institute of Islamic Studies, University of Punjab, Lahore
- **Dr. Asia Shabeer,** Associate Professor, Department of Islamic Studies, Lahore College Women University, Lahore
- **Dr. Nasirudin,** Associate Professor, Department of Islamic Studies, University of Karachi, Karachi

Table of Contents

Sr.#		Page
❋	Editorial Policy	.
❋	Rules & Regulations for publishing an Article	.
❋	Transliteration Table	.
1.	Stylistic Analysis of the Surah *Al-Asr* and its Thematic Implication (**Shahida Parveen, Muhammad Rashid Hafeez & Muhammad Shahbaz**)	1
2.	Impacts of Repetitive Refrains Upon Human Thought and Comprehension: An Exegetical Discourse from Qur'ānic Perspective (**Muhammad Ashfaq & Manzoor Ahmad Al Azhari**)	11
3.	Religious Marginalization/ *Othering* of Pakistani Women in *Islamabad Blues* by Ladurner **(Amna Saeed & Zukhruf Gul)**	27

‘AL-ILM’ Editorial Policy

AL-ILM is a research journal purely based on Islamic Sciences and Arts, which has central importance in the world of knowledge and research. Editorial policy regarding articles to be published in the journal is as under:

- **AL-ILM** Articles should be within the scope of journal and should be relevant to the field of Islamic Studies such as ‘Uloom Al-Quran, Uloom Al-Hadith, Usool Al-Fiqh, Comparative Religious, Ilm Al-Kalam and Sufism, Philosophy, Science, Literature, Economics, Sociology, Political, Cultural, Arabic language & Literature etc. Similarly, Biography of Muslims Personalities and critical discussion on Islamic books.
- **Articles once sent to AL-ILM** shall not be return in any case whether published or not.
- **AL-ILM** research articles will be forwarded for peer review to two referees, one National and one International.
- Decision of Editorial Board of **AL-ILM** regarding acceptance or rejection of the article will be considered as final.
- **AL-ILM** Editorial Committee reserves the right to recommend necessary amendments with minor/major changes or cancellation of the articles. Editor shall inform the writers with the opinion of the evaluators for incorporation of recommended necessary changes if any.
- All research articles published in **AL-ILM** express the viewpints of the respective authors. So every article is the sole responsibility of the writer whilst Editorial Committee and GCWUS has no responsibility in this regard.
- **AL-ILM** strictly follows the criteria/guidelines devised by HEC for publication process and review.
- One copy of **AL-ILM** (Research journal) would be given to each Author.

AL-ILM Rules & Regulations for publishing and Article

"AL-ILM" is a multilingual (Arabic, Urdu, English) Bi-Annual Research Journal of the Institute of Arabic & Islamic Studies, Govt. College Women University, Sialkot. This journal publishes the innovative and creative research articles related to different aspects of Islam. However, the Socio-Religious Papers related to Contemporary issues of the Muslim World will be highly apricated.

Manuscript Submission

Submit two copies of the manuscript along with a soft copy (CD) to the Editor. Manuscripts should not be submitted via Fax; e-mail may be used to transmit papers. To facilitate academic review and production, authors must provide their complete name, address, phone number(s), current position/title, and name(s) of universities on the title page.

Manuscripts will be considered for publication only if they have not been published previously and are not under consideration for publication elsewhere.

The Review Procedure

Manuscripts that are submitted to ***"AL-ILM''*** are subject to evaluation by at least two independent referees (including one from technologically advanced countries) who are expert in the applicable field. The decision to accept or reject a manuscript rests solely with ***"AL-ILM''*** Editorial Board. This decision is final. The Editorial Board will, however, base its decision primarily upon the recommendations of the referees who have evaluated the papers.

Format Requirements

A. General Requirements:

Unsolicited Manuscripts must be written in English/Urdu/Arabic. Type the manuscript on white bond paper, 8-1/2×11 inches (21.6×27 cm or A4 size paper) with margins of at least 1.5 inches (4cm). Type on one side of the paper only double spacing every page. Begin each of the following section on separate page and in the following order: Title page, Abstract,

Introduction, Results, Discussion, and References. Number the pages of the research paper consecutively, beginning from the title page. Type the page number in the upper right-hand corner of each page in English, and in the upper left-hand corner of each page in Urdu and Arabic.

Articles must be submitted in MS Word, (For Urdu Article Jameel Noori Nasta'leeq, For Arabic Muhammadi Qura'n, Font Size 14 and for English in Times New Roman, Font Size 12). The numbers of the pages must be between 10 to 15.

B. Abstracts:

Provide an abstract the paper on a separate page which must not consist more than 150 words. This abstract should consist of labeled background, Methods, Results and Conclusion, briefly describing respectively, the problem, mode of its study, results, conclusion and suggestions.

C. Introduction:

State the primary information of the topic and rationalize its study.

D. Key Words:

Include the Key Words relating to the article subject.

E. Results:

Provide the results of study in logical sequence in the text.

F. Discussion:

Emphasize the new and important aspects of the study and describe its conclusions. Link the conclusions with the goals of the study and avoid the conclusions not completely supported with valid references.

G. References:

- The Article should meet the research standards.
- Text and references must follow the format outlined in the ***Chicago Manual of Style*** i.e.:

1.Bukhari, Abu Abdullah , Muhammad Bin Ismaeel, Al Jama'e Sahih, chapter: Al salah , Sub Chapter : Salah tul Jummah, Hadees No: 370, Dehli karkhana, Tijarat kutub , 1938.

2. References should be at the end of the article (Endnote)

All footnotes citing books must contain the complete title, name of the author(s), place of publication, publishing company, and date. All foreign words must be underlined and transliterated. IAIS reserves the right to change the transliteration of all historical names, titles, and non-English terminology to bring conformity with its own style

H. **Book Review:**
For book review three copies of the book are required.
Critical views will be appreciated and welcomed with open arms.

For Correspondence:

Editor "AL- ILM" Dr Sayeda Sadia
Institute of Arabic & Islamic Studies, Govt. College Women University,
editor.alilm@gcwus.edu.pk
Publisher: Institute of Arabic & Islamic Studies,
Govt. College Women University, Sialkot. Pakistan
Editor. " AL- ILM"

TRANSLITERATION TABLE

Urdu				Arabic				Urdu Digraphs	
ا	a	ص	ṣ	ا	a	ف	f	بھ	bh
ب	b	ض	ż	ب	b	ق	q	پھ	ph
پ	p	ط	ṭ	ت	t	ك	k	تھ	th
ت	t	ظ	ẓ	ث	th	ل	l	ٹھ	th
ٹ	t̲	ع	ʻ	ج	J	م	m	جھ	jh
ث	th	غ	gh	ح	ḥ	ن	n	چھ	ch
ج	J	ف	f	خ	kh	و	w	دھ	dh
چ	ch	ق	q	د	d	ه	h	ڈھ	dh
ح	ḥ	ک	k	ذ	dh	ء	ʼ	ڑھ	rh
خ	kh	گ	g	ر	r	ي	y	کھ	kh
د	d	ل	l	ز	z			گھ	gh
ڈ	ḍ	م	m	س	s				
ذ	dh	ن	n	ش	sh				
ر	r	ں	n̲	ص	ṣ				
ڑ	r̲	و	v	ض	ḍ				
ز	z	ہ	h	ط	ṭ				
ژ	z̲	ء	ʼ	ظ	ẓ				
س	s	ی	y	ع	ʻ				
ش	sh	ے	y	غ	gh				

Short Vowels (AR-UR)		Long Vowels (AR-UR)		Diphthongs			
				Arabic		Urdu	
ـَ	a	ـَى / ىٰ	á	ـَوْ	Aw	ـَو	au
ـِ	i	آ / ـَا	ā	ـَيْ	Ay	ـَئ / ـَے	ai
ـُ	u	ـِى	ī	ـَيّ	Ayy		
		ـُو	ū	ـِيّ	Iyy		
		ـَوْ	ō (ur)	ـُوّ	uww		
		ـَے	ē (ur)				

- Letter (ء) is not transliterated when at the beginning.
- Article (ال) is transliterated as (al-), and as (ʼl) in construct form, whether followed by a moon or a sun letter.
- (ـــة) is transliterated as (ah) in pause form and as (at) in construct form.
- (و) as an Urdu conjunction is transliterated as (o).